An International Urdu Magazine Globally circulated

مدیر: رانا عبدالرزاق خان

سہ ماہی قندیل حق انٹرنیشنل لندن

شمارہ: 36

اپریل، مئی، جون 2026ء

QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : ranarazzaq52@gmail.com



مسجد عافیت جرمنی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن



مکرم جمیل الرحمن جمیل صاحب ایک عظیم شاعر ہم سے جدا ہو گئے



مکرم طاہر مجید صاحب مشہور شاعر وفات پا گئے

ادارہ مرحومین کے لواحقین سے اظہار افسوس کرتا ہے۔

فہرست

مجلس ادارت

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁



ادار یہ

اَلۡفِتۡنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ

فتنہ وفساد قتل سے زیادہ خطرناک ہے



رانا عبدالرزاق خان

آج ہم سب ایک بہت کربناک صورت حال سے گزر رہے ہیں۔ ہم ہر روز بچوں کو مرتے ، ماؤں کو چیختے، مریضوں کو آہ بقا اور گھروں کو گرتے ، ہسپتالوں، اسکولوں اور کارخانوں کو ملیا میٹ ہوتے دیکھ رہے ہیں لیکن کچھ نہیں کر سکتے دجالی طاقتوں نے انسان کے خون سے ہولی کھیلنی شروع کی اور جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے نظر آرہے ہیں۔ دنیا کے خدا بنے پھرتے ہیں۔ حالیہ مشرقِ وسطیٰ میں موت کا کھیل جو شروع ہوا ہے۔ اس کے نتائج بہت بھیانک نکلنے والے ہیں۔ تیسری عالمگیر جنگ کئی لحاظ سے شروع ہے ایسے وقت میں ہمارے پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 6 مارچ 2026ء کو خطبہ جمعہ میں تمام دنیا کی توجہ اس طرف مبذول کروائی ہے۔

ملت اسلامیہ ایک ہو جائے۔ اگر ایسا ہوگا تو بچ سکتے ہیں۔ آج ہم دعا کے ذریعہ خدا کے آگے جھکیں اور بہت دعا کریں۔ یہ بدامنی عالمی طاقتوں نے پھیلائی ہے۔ اس کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق صلح کروانی چاہئے۔ رمضان المبارک میں اپنی ضروریات کے علاوہ امۃ مسلمہ کے لئے دعا کریں۔ فرمایا دنیا کے حالات کے بارے میں ایک عرصۃ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ یورپ کے ممالک تو حالات کی ابتری کی وجہ بنیں گے ہی مگر اسلامی ممالک بھی اس فساد میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔

مغربی طاقتوں نے پہلے اسلامی ممالک کو آپس میں لڑایا اور ان کے وسائل پر قابض ہونے کے لئے مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا اصل ایجنڈا ہی یہی ہے مسلمانوں میں ہمیشہ فساد پیدا کیا جاتا ہے۔ امریکہ نے فوجی اڈے مختلف اسلامی ممالک میں ان کی حفاظت کے نام پر قائم کئے اور اب انہی اڈوں سے ایک مسلمان ملک ایران پر حملہ کر دیا۔ ایران کے خلاف عقائد کی وجہ سے بعض اسلامی ممالک ہیں۔ اصل بیماری اسرائیل ہے جس کی طرف سوائے ایران کے کسی نے سختی نہیں دیکھائی۔

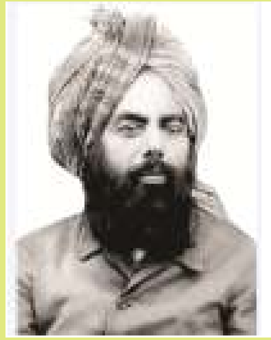
حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے عراق جنگ کے دوران فرمایا تھا کہ یہ فساد اب بڑھتا جائے گا۔ کاش مسلمان ممالک اس سے سبق سیکھتے۔

امریکہ نے ایران پر بلا وجہ حملہ کیا اور خامنئی کو جام شہادت کا رتبہ مل گیا۔ امریکہ کو کیا حاصل ہوا۔ ان کی عزت تو بڑھ گئی رجیم چینج کیا ہونی تھی ان کی قوم مزید متحد ہو گئی۔ مشرقی وسطیٰ کے عرب ممالک میں دفاعی طاقت نہیں ہے ان کا مکمل انحصار مغربی طاقتوں پر ہے یہ جنگ اب خوفناک صورت حال اختیار کر چکی ہے۔ پس جہاں انصاف نہ ہو وہاں پھر تباہی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ و فساد قتل و غارت اور تباہی و بربادی سے بچائے۔

عیدالاضحیٰ مبارک قارئین قندیل حق کو ادارہ کی طرف سے نہایت دل کی آتھاہ گہرائیوں سے عیدالاضحیٰ مبارک ہو۔ مبارک صد مبارک۔

اللہ تعالیٰ ہماری تمام قربانیوں کو جو (مال، جان، عزت، اولاد، گھر بار وقت کی قربانیاں ہم دیتے ہیں) قبول و منظور فرمائے اور ان قربانیوں کے نیک نتائج پیدا فرمائے۔ اور ہماری اولادوں در اولادوں کو خلافت احمدیہ حقہ کے زیر سایہ زندگیاں گزارنے تا قیامت توفیق ملتی رہے۔ آمین۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁



میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں

دربار امام مہدی علیہ السلام سے خصوصی انتخاب

ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ نبیؐ دیا جو خاتم المؤمنینؐ، خاتم العارفینؐ اور خاتم النبیینؐ ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا وہیں اللہ کے اذن سے آپ علیہ السلام نے مثیل کرشن ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں

”مجھے اور نام بھی دیئے گئے ہیں اور ہر ایک نبی کا مجھے نام دیا گیا ہے چنانچہ جو ملک ہند میں کرشن نام ایک نبی گذرا ہے جس کو رُدّر گوپال بھی کہتے ہیں (یعنی فنا کرنے والا اور پرورش کرنے والا) اُس کا نام بھی مجھے دیا گیا ہے۔

پس جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تُو ہی ہے آریوں کا بادشاہ۔“ (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۲۱-۵۲۲)

”اور جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے ایسا ہی میں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں اور میں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ میں ان گناہوں کے دور کرنے کے لئے جن سے زمین پُر ہوگئی ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ روحانی حقیقت کی رو سے میں وہی ہوں۔“ ...... ”وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔“

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۲۸)



کلام

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی موعود علیہ السلام

اک نشاں

مَیں بھی ہوں تیرے نشانوں سے جہاں میں اک نشاں
جس کو تو نے کردیا ہے قوم و دیں کا افتخار

فانیوں کی جاہ و حشمت پر بلا آوے ہزار
سلطنت تیری ہے جو رہتی ہے دائم برقرار

عزت و ذِلّت یہ تیرے حکم پر موقوف ہیں
تیرے فرماں سے خزاں آتی ہے اور بادِ بہار

میرے جیسے کو جہاں میں تو نے روشن کر دیا
کون جانے اے مرے مالک ترے بھیدوں کی سار

تیرے اے میرے مُربی کیا عجائب کام ہیں
گرچہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار

اِبتدا سے گوشۂ خلوت رہا مُجھ کو پسند
شہرتوں سے مجھ کو نفرت تھی ہر اک عظمت سے عار

پر مجھے تو نے ہی اپنے ہاتھ سے ظاہر کیا
میں نے کب مانگا تھا یہ تیرا ہی ہے سب برگ و بار

اِس میں میرا جُرم کیا جب مجھ کو یہ فرماں ملا
کون ہوں تا رد کروں حکمِ شہِ ذی الاقتدار

اب تو جو فرماں مِلا اس کا ادا کرنا ہے کام
گرچہ مَیں ہوں بس ضعیف و ناتواں و دِل فگار

دعوتِ ہر ہَرزہ گو کچھ خدمتِ آساں نہیں
ہر قدم میں کوہِ ماراں ہر گذر میں دشتِ خار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۹۷)

شان اسلام

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں۔ دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

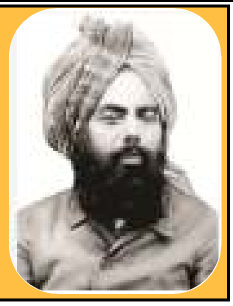
آج ان نوروں کا اِک زور ہے اِس عاجز میں
دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

جب سے یہ نور ملا نور پیمبر سے ہمیں
ذات سے حق کے وجود اپنا ملایا ہم نے

مصطفیؐ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۲۴-۲۲۶)



سیرت المہدی سے انتخاب

مَیں نے خواب میں تمہارے تین جوان لڑکے دیکھے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ جب میری شادی ہوئی اور میں ایک مہینہ قادیان ٹھہر کر پھر واپس دہلی گئی تو ان ایام میں حضرت مسیح موعودؑ نے مجھے ایک خط لکھا کہ میں نے خواب میں تمہارے تین جوان لڑکے دیکھے ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ مجھے دو یاد تھے مگر حضرت صاحب فرماتے تھے کہ نہیں میں نے تین دیکھے تھے اور تین ہی لکھے تھے۔

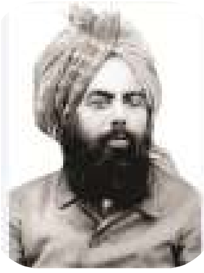
بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بھی کیسا اخفا ہوتا ہے۔ پسر موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا مگر ہمارے موجودہ سارے لڑکے ہی کسی نہ کسی طرح تین کو چار کرنے والے ہیں۔ چنانچہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ میاں (حضرت خلیفۃ المسیح ثانی) کو تو حضرت صاحب نے اس طرح تین کو چار کرنے والا قرار دیا کہ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد کو بھی شمار کر لیا۔ اور بشیر اوّل متوفّی کو بھی ۔۔ تمہیں (یعنی خاکسار راقم الحروف کو) اس طرح پر کہ صرف زندہ لڑکے شمار کر لئے اور بشیر اوّل متوفی کو چھوڑ دیا۔ شریف احمد کو اس طرح پر قرار دیا کہ اپنی پہلی بیوی کے لڑکے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد چھوڑ دیئے اور میرے سارے لڑکے زندہ متوفّی شمار کر لئے اور مبارک کو اس طرح پر کہ میرے صرف زندہ لڑکے شمار کر لئے اور بشیر اوّل متوفّی کو چھوڑ دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی وفات کے قریب بڑی کثرت سے اپنی وفات کے متعلق الہامات اور خوابیں شروع ہوگئی تھیں۔ جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو وہاں زیادہ کثرت سے ایسے الہام ہونے شروع ہوئے۔ اس وجہ سے اور کچھ ویسے بھی۔ میں نے گھبرا کر ایک دن حضرت صاحب سے کہا کہ چلو اب قادیان واپس چلیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اب تو جب ہمیں خدا لے جائے گا تب ہی جائیں گے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ بھی حضرت صاحب کی صداقت کی ایک دلیل ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کو اس کثرت سے اپنی وفات کے متعلق الہامات ہوتے تھے اور وفات کے قریب تو کثرت کا یہ حال تھا کہ گویا موت بالکل سر پر کھڑی ہے آپ اپنے کام میں اسی تندہی سے لگے رہے بلکہ زیادہ ذوق شوق اور محنت سے کام شروع کر دیا۔ چنانچہ جس وقت آپ کی وفات ہوئی ان دنوں میں بھی آپ رسالہ پیغام صلح کی تصنیف میں مصروف تھے اور تقاریر کا سلسلہ بھی برابر جاری تھا کوئی اور ہوتا تو قرب موت کی خبر سے اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے اور کوئی مفتری ہوتا تو یہ وقت اس کے راز کے طشت از بام ہونے کا وقت تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہماری جتنی عربی

تحریریں ہیں یہ سب ایک رنگ کی الہام ہی ہیں کیونکہ سب خدا کی خاص تائید سے لکھی گئی ہیں۔فرماتے تھے بعض اوقات میں کئی الفاظ اور فقرے لکھ جاتا ہوں مگر مجھے ان کے معنی نہیں آتے پھر لکھنے کے بعد لغت دیکھتا ہوں تو پتہ لگتا ہے۔نیز مولوی صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب عربی کتابوں کی کاپیاں اور پروف حضرت خلیفہ اوّل اور مولوی محمد احسن صاحب کے پاس بھی بھیجا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر کسی جگہ اصلاح ہو سکے تو کر دیں۔حضرت خلیفہ اوّل تو پڑھ کر اسی طرح واپس فرما دیتے تھے لیکن مولوی محمد احسن صاحب بڑی محنت کر کے اس میں بعض جگہ اصلاح کے طریق پر لفظ بدل دیتے تھے۔مولوی شیر علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک وقت فرمایا کہ مولوی محمد احسن صاحب اپنی طرف سے تو اصلاح کرتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میرا لکھا ہوا لفظ زیادہ برمحل اور فصیح ہوتا ہے اور مولوی صاحب کا لفظ کمزور ہوتا ہے لیکن میں کہیں کہیں ان کا لکھا ہوا لفظ بھی رہنے دیتا ہوں تا ان کی دل شکنی نہ ہو کہ ان کے لکھے ہوئے سب الفاظ کاٹ دیئے ہیں۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا قاعدہ تھا کہ عربی کتب کی کاپیاں اور پروف سلسلہ کے علماء کے پاس یہ کہہ کر بھجوا دیتے تھے کہ دیکھو کوئی اصلاح ہو سکے تو کر دو۔اور اس کارروائی سے ایک مطلب آپ کا یہ بھی ہوتا تھا کہ یہ لوگ اس طریق سے حضور کی تصانیف پڑھ لیں اور حضور کی تعلیم اور سلسلہ سے واقف رہیں۔یہ خاکسار کا اپنا خیال ہے کسی روایت پر مبنی نہیں۔

(سیرت المہدی جلد دوم،حصہ پنجم،روایت 1433،صفحہ 249،ایڈیشن 2008ء)



فارسی منظوم کلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

ترا عقل تو ہر دم پائے بند کبر میدارد
برو عقلے طلب کن کت ز خود بینی بروں آرد

تیری عقل ہر وقت تجھے تکبر میں گرفتار رکھتی ہے جا اور ایسی عقل تلاش کر جو تجھے خود بینی سے نجات دے۔

ہماں بہتر کہ ما آں علم حق از حق بیاموزیم
کہ ایں علمے کہ ما داریم صد سہو و خطا دارد

یہی بہتر ہے کہ ہم خدا کے علم کو خدا سے ہی سیکھیں کیونکہ جو علم ہمارے پاس ہے اُس میں سینکڑوں غلطیاں ہیں۔

کہ گوید بہتر از قولش گر او خاموش بنشیند
کہ دستت اے ناداں گر او دست تو بگذارد

اگر خدا خاموش رہے تو اُس سے بہتر بات کون کہہ سکتا ہے اگر وہ تجھے چھوڑ دے تو پھر کون تیری دستگیری کر سکتا ہے

برو قدرش بہ بیں وز حجتِ بے اصل دم درکش
کہ ایں حجت کہ می آری بلاہا بر سرت آرد

جا اور اُس کی قدر پہچان اور حجت بازی کو چھوڑ دے کیونکہ جو بات تو پیش کرتا ہے وہ تیرے سر پر مصیبتیں لائے گی

(براہین احمدیہ،روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۱۶۹ بحوالہ درثمین فارسی جلد اوّل مترجم صفحہ ۷۷)



موجودہ زمانہ کا اوتار (قسط اوّل)

ملک فضل حسین

مرسلہ: ابن مومن۔ قادیان

نظارت نشر و اشاعت قادیان گورداسپور پنجاب کی جانب سے 20 دسمبر 1944ء کو ملک فضل حسین صاحب کی ایک نہایت اہم کتاب موجودہ زمانہ کا اوتار شائع ہوئی تھی۔ جس میں بانئ جماعت احمدیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مثیل کرشن کے حوالہ سے تفصیلی مباحث موجود ہیں۔ یہ کتاب اب نایاب ہے۔ ادارہ قندیل حق اس کو اقساط میں شائع کر رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رَسُولِ اللہ الکریم

موجودہ زمانہ کا اوتار

بعثت ماموریں کے متعلق سُنَّۃُ اللہ

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جب جب بھی ظلمت چھائی فسق فجور بڑھا۔ گناہوں کی کثرت ہوئی۔ اور لوگ اپنے خالق اور مالک کو بُھول گئے۔ اس کے احکام پر چلنا چھوڑ دیا۔ تب تب ہی خدا نے اپنی مخلوق کی حالت پر رحم کھا کر نبی، پیغمبر اور ہادی بھیجے جنہوں نے آکر دنیا کی حالت بدلی۔ اور اُسے گناہوں اور پاپوں سے چھڑا کر نیکی کی راہوں پر چلایا۔ اور جس قدر قدوس اور برتر ہستی سے وہ وِمکھ اور رُوگردان ہو گئے تھے۔ از سرِ نو اُسکے ساتھ ان کا تعلق قائم کیا۔ خدائے عالمیان کا یہ احسان اور سلوک کسی ایک قوم یا ملک کے ساتھ ہی خاص نہ تھا بلکہ ہر ایک قوم اور ہر ایک مُلک میں ہی اُس نے رسول اور اوتار بھیجے۔ جنہوں نے مبعوث ہو کر بھولی بھٹکی دنیا کو خدا کا حقیقی چہرہ دکھلایا اور اس کو ایک نئی زندگی اور نئی روشنی بخشی۔

ہمارا زمانہ بھی مامور ربانی کا محتاج تھا۔

چونکہ ہمارا زمانہ بھی گناہوں کی کثرت، فسق و فجور کی شدت، پاپوں کی پردھانتا اور دہریت کے غلبہ کے باعث ایک ربّانی مصلح، آسمانی ہادی وایشوری اوتار کا محتاج تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ رحمتِ خداوندی اس وقت بھی جوش میں آتی اور اُس کی طرف سے اِس گھور کلجگ اور ظلمت وضلالت سے بھرپور دَور میں کوئی آسمانی فرستادہ اور ایشور کا اوتار آتا۔ اور کیوں نہ آتا۔ جبکہ زمانہ کی حالت، الٰہی وعدے اور انبیاء کرام کی پیشگوئیاں اس امر کی مقتضی تھیں کہ اس جُگ یاں گھور کر جگ میں کوئی برگزیدہ انسان ایشور کا اوتار بن کر آئے۔

خدا نے اپنا اوتار بھیج دیا

چنانچہ وہ آیا اور بڑی شان کے ساتھ آیا۔ خدائی کلام اور آسمانی نشانوں سے مشرف و ممتاز ہو کر آیا۔ اور یقیناً وہی آیا جس کی خبر انبیائے بنی اسرائیل نے دی تھی۔ حضرت مسیحؑ اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ مہاتما بدھ اور شری کرشن نے دی تھی۔ بیشک وہی آیا جس کے متعلق بابا نانکؒ اور گورو گوبند سنگھ بھی خوشخبری سُنا گئے تھے، وہ کون؟

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی!

ہاں یہ آپ ہی تھے جن کے متعلق مدّتوں پہلے صحت انبیاء میں اطلاعیں دی جا چکی تھیں۔جن کے متعلق بُدھ مذہب کے لٹریچر میں خبر دی جا چکی تھی جن کے متعلق انجیل اعلان کر چکی تھی۔اخبار و احادیث نبوی خوشخبری سنا چکے تھے۔ہاں یہ آپ ہی تھے جن کا بٹالہ کے پرگنہ (تحصیل) میں پرگٹ ہونا۔سِکھ مذہب کے مقدس گرنتھوں میں بتلایا جا چکا تھا اور یقیناً یقیناً یہ آپ ہی کا وجود باجود تھا۔جو شری مدبھگوت گیتا کے اس اعلان کے ماتحت ایشور کی طرف سے دُنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث ہوا کہ:۔

یدا یدا ہی دھرمستیہ گلانِر بھَوَتی بھارت　　　اَبھیُت تھا تم دھرمسیّہ آ تمانم سر حامی ہم

پس آپؑ ہی مسیحؑ تھے۔آپؑ یہی میسیا تھے۔آپؑ ہی مہدیؑ اور کرشنؑ اوتار تھے۔

حضرت کرشن قادیانیؑ سبھی قوموں کے لئے آئے۔

اور خدا نے آپؑ ہی کو ہندوؤں،عیسائیوں،یہودیوں مسلمانوں اور دیگر فرقوں اور جماعتوں کی ہدایت و رہبری کے لئے مامور فرمایا تھا۔اور آپؑ کو وہ نور،وہ روشنی،وہ طاقت اور وہ قوّت بخشی کہ جس کی مدد آپ نے غافل اور مدہوش دنیا کو جھنجھوڑا اور خداوندی ارشاد کے ماتحت اُسے ہدایت کی طرف بلایا،اس کے خالق و مالک کے احکام سنائے اور وہ نشان دکھلائے جو خدا نے آپ کی صداقت وحقانیت کے اثبات میں ظاہر فرمائے تھے۔وہ کلام شائع کیا۔جو خدا تعالیٰ نے آپ پر نازل کیا تھا۔وُہ غیب کی باتیں بتلائیں جن کا علم خدا نے قبل از وقت آپ کو دیا تھا۔اور پھر اس مذہب کی دعوت دی جو بھولی بھٹکی دنیا کو صحیح معنوں میں،شادکام اور فائز المرام بنا سکتا ہے۔اور آپ کی یہ دعوت اور پیغام مسلمانوں ہی کے لئے نہ تھا بلکہ عیسائیوں کے لئے بھی تھا۔سِکھوں کے لئے بھی تھا اور ہندوؤں کے لئے بھی تھا۔کیونکہ آپ عالمگیر مشن لے کر آئے تھے۔اور آپ کے مخاطب دنیائے جہان کے تمام فرقے اور گروہ تھے۔اگر آپ نے مسلمانوں کو انہی کے مسلمات کی رو سے سمجھایا کہ مَیں ہی وہ مہدی معہود ہوں جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔اگر آپؑ نے عیسائیوں کو انہی کی کتابوں کے حوالوں سے بتلایا کہ مَیں ہی وہ مسیح موعود ہوں،جس کا وعدہ صحف انبیاء اور انجیل مقدس میں کیا گیا ہے تو اسی طرح بُدھوں سِکھوں اور ہندوؤں کو بھی انہی کے دھارمک گرنتھوں اور مذہبی پستکوں کی رُو سے یہی کچھ سمجھایا کہ مہاتما بُدھ نے جس آنے والے کی خبر دی تھی۔شری کرشنؑ نے جس اوتار کی خبر دی تھی وہ مَیں اور یقیناً مَیں ہوں۔خدا تعالیٰ نے مجھ ہی کو مسلمانوں کے لئے مہدی،عیسائیوں کے لئے مسیح اور ہندوؤں کے لئے اوتار ہاں نِش کلنک اوتار بنا کر بھیجا ہے۔جیسا کہ حضور کے مندرجہ ذیل کلمات طیّبات سے ظاہر ہے۔فرمایا۔کہ

حضور کا دعویٰ کہ میں ہی کرشن اوتار ہوں۔

’’جیسا کہ خدا نے مجھے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے ایسا ہی مَیں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں اور مَیں عرصہ بیس 20 برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اِس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ مَیں ان گناہوں کے دور کرنے کے لئے جن سے زمین پُر ہو گئی ہے جیسا کہ مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہوں ایسا ہی راجہ کرشن کے رنگ میں بھی ہوں جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔یا یوں کہنا چاہئے کہ روحانی حقیقت کی رو سے مَیں وہی ہوں۔یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں ہے بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اُس نے یہ میرے پر ظاہر کیا ہے اور نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ مجھے بتلایا ہے کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔مَیں جانتا ہوں کہ جاہل مسلمان اِس کو سن کر فی الفور یہ کہیں گے کہ ایک کافر کا نام اپنے پر لے کر کفر کو صریح طور پر قبول کیا ہے۔لیکن یہ خدا کی وحی (گیان) ہے جس کے اظہار

کے بغیر مَیں رہ نہیں سکتا اور آج یہ پہلا دن ہے کہ ایسے بڑے مجمع میں اس بات کو مَیں پیش کرتا ہوں کیونکہ جو لوگ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

اب واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے رُوح القدس اُترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتح منداور بااقبال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اُس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ ”ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔“

سو مَیں کرشن سے محبت کرتا ہوں کیونکہ مَیں اس کا مظہر ہوں اور اس جگہ ایک اور راز درمیان میں ہے کہ جو صفات کرشن کی طرف منسوب کئے گئے ہیں (یعنی پاپ کا نشٹ کرنے والا اور غریبوں کی دلجوئی کرنے والا اور اُن کو پالنے والا) یہی صفات مسیح موعود کے ہیں۔ پس گویا روحانیت کی رو سے کرشن اور مسیح موعود ایک ہی ہیں۔ صرف قومی اصطلاح میں تغائر ہے۔“ (بحوالہ روحانی خزائن جلد 20 لیکچر سیالکوٹ صفحہ 229)

سعید الفطرتوں نے آپؑ کو قبول کیا۔ بدوں نے مخالفت کی

جن لوگوں کو عقل سلیم اور فہم صحیح عطا ہوا تھا انہوں نے تو اس برگزیدہ انسان کو پہچان لیا اور اس پر ایمان لائے، اور اس نور اور عرفان کو حاصل کرلیا جو اُن کے لئے مقدر تھا۔ مگر جن لوگوں کے اندر کجی۔ دنیا کی محبّت اور نفسانی جذبات کارفرما تھے۔ انہوں نے اس کی آواز پر کان نہ دھرے۔ یہی کیوں بلکہ مخالفت کی۔ ہاں ایسے ہی مخالفت کی جس طرح کہ گذشتہ نبیوں کی مخالفت کی گئی۔ جس طرح مہاتما بدھ اور شری کرشنؑ کی مخالفت کی گئی۔ جس طرح کہ حضرت مسیحؑ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی گئی۔ لیکن جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے پہلے برگزیدہ رسولوں، اور اوتاروں کی مدد کی تھی۔ اور انہیں قدم قدم پر نصرت و کامیابی بخشی تھی اور مخالفین کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنادیا تھا۔ اسی طرح دَور آخر کے اس مصلح اور اوتار کی بھی خدا تعالیٰ نے قدم قدم پر تائید فرمائی اور اس کے مخالفوں کو ناکام و نامراد کردیا۔ اور وہ مخالفین کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود مظفر منصور ہوا۔ اور یہ خدائی امداد اور اعانت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج اس کے احکام کو سرآنکھوں پر رکھنے والوں کی تعداد یوماً فیوماً بڑھ رہی ہے۔ اور دنیا کے چاروں کونوں میں اس کی تعلیم کو پھیلا رہی ہے۔ اور وہ دن دُور نہیں جبکہ خدا کے اس برگزیدہ اور منجی برحق کی جماعت دنیا پر چھا جائے اور اس کی کایا پلٹ دے۔

مسلمان اوتاروں کی نسبت زیادہ ایمان لائے

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کے ہادی کی تعلیم پر ایمان لانے والوں میں سے زیادہ تر مسلمان ہی تھے۔ مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عیسائیوں سکھوں اور ہندوؤں سے تعلق رکھنے والے اس پر ایمان نہیں لائے۔ اگر ہزاروں اور لاکھوں مسلمانوں نے اس کو مانا تو عیسائیوں، سکھوں اور ہندوؤں میں سے بھی سینکڑوں نے ان کو خدا کا اوتار تسلیم کیا۔ اور اپنی مراد کو پہنچے۔

ہندوؤں کا تھوڑی تعداد میں ایمان لانے کا باعث

ہونا تو یہی چاہیئے تھا کہ جس طرح لاکھوں مسلمان خدا کے مسیحؑ پر ایمان لائے۔ اس طرح ہندو بھی کثرت کے ساتھ ایشور کے اس آخری اوتار کے حلقہ بگوش ہوکر اپنی دیرینہ مراد کو پہنچتے مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا اور اس کمی کی ذمّہ داری اتنی ہندو بھائیوں پر نہیں جتنی کہ جماعت احمدیہ پر ہے جس نے 1904ء

سے لے کر اس وقت تک کوئی قابل ذکر اور مؤثر کوشش نہیں کی کہ جس سے برادران وطن بھی حضرت اقدسؑ کے اس دعویٰ کی صداقت وحقانیت کے قائل اور مُقِر ہوتے۔اس میں شک نہیں کہ اس بارہ میں چند ایک تحریریں شائع ہوئیں۔لیکن وہ کسی صورت میں کافی نہیں سمجھی جاسکتیں۔اور یہی وجہ ہے کہ ہندو دوست حضور کے حلقۂ ارادت میں اتنی کثرت سے داخل نہ ہوسکے۔جتنی تعداد میں عیسائی یا مسلمان۔

حالانکہ جس طرح عیسائیوں اور مسلمانوں کو حضورؑ کے دعویٰ مسیحیت کے متعلق آگاہ کرنا ضروری تھا۔اس طرح اس بات کی ذمہ داری بھی ہمارے ہی سر پر تھی کہ آپ کے ایشوری اوتار ہونے کے متعلق برادران وطن کو بھی اطلاع دیتے۔اور بتلاتے کہ جس اوتار کی خبر صدیوں پہلے مختلف رشیوں،مُنیوں اور اوتاروں نے دی تھی۔جس اُوتار کے آنے کا اعلان شری مدبھگوت گیتا میں کیا گیا تھا وہی اوتار خدائی طاقتوں کے ساتھ ہاں چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ آیا۔اور اُس دِوَّیہ جیوتی اور خدائی نور سے اُن تمام لوگوں کو منور کر گیا کہ جو اس کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہوئے۔

احباب جماعت سے گزارش

لیکن قبل اس کے کہ اصل مضمون کو شروع کیا جائے پہلے ہم برادران جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے جس آسمانی مائدہ سے انہیں لذّت اندوز ہونے کا موقع دیا ہے۔اس نعمت کی حلاوت سے اپنے ہمسائیوں اور وطنی بھائیوں کو بھی ضرور شیریں کام کریں اور جہاں تک ان کے امکان میں ہو۔وہ اس زمانہ کے ہادی اور رہنما کے پیغام کو ہندوؤں کے بچّہ بچّہ تک پہنچادیں کہ مَیں جس طرح مسلمانوں۔عیسائیوں اور دوسری قوموں کے پاپ نِوارن کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔اسی طرح ہندوؤں کے لئے بھی مجھ ہی کو اوتار بنا کر بھیجا ہے۔تاکہ مَیں ازسرِنو دھرم کی بیل ہری بھری کروں۔اور ان کو پاپ کے اس بھوُ ساگر سے نکال کر اس اعلیٰ اور محفوظ مقام پر پُہنچا دوں کہ جس کی خواہش ہر آستک اور خدا پرست کے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ احباب جماعت ہماری گذارش پر توجہ کرتے ہوئے اس فرض کو ادا کرنے کے لئے ضرور اپنی امکانی کوششیں برُروئے کار لائیں گے لیکن چونکہ ہمیں بھی خدا کے مسیح کی جماعت میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہے۔اسلئے مضمون ہذا کے ذریعہ اس فرض سے سبکدوش ہونے کی کسی قدر کوشش کی جائے گی۔جو دوسروں کی طرح ہم پر بھی فائدہ ہوتا ہے۔اور خدا نے چاہا اور اس کی توفیق شامل حال رہی۔تو اس کے متعلق آئندہ بھی عندالضرورت ضرور لکھا جائے گا۔

بعض اعتراضوں کے جواب

لیکن بجائے اس کے کہ ہم حضور کے دعویٰ کرشن ومسیحیت کو دوہرائیں یا وہ دلائل نقل کریں جو خود آپ نے اپنی مختلف کتابوں کے اندر اس کی تائید میں رقم فرمائے۔یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ فی الحال ان اوہام ووساوس کا ہی قلع قمع کیا جائے جو حضرت کرشن قادیانیؑ کے دعوی کے متعلق عام ہندوؤں کے دِلوں میں بعض خودغرض،ضدی،اور ظاہر پرست لوگوں نے پیدا کردیئے ہیں۔اور جن کے ذریعہ حقیقت حال سے بےخبر لوگ اس صداقت اور نور سے محروم رکھے جارہے ہیں جو زمانۂ موجودہ میں نِش کلنک اوتار لایا۔

چونکہ یہ اعتراض اور وساوس مختلف ٹریکٹوں کے ذریعہ پھیلائے گئے ہیں۔اسلئے ہمارے دوستوں کو بھی چاہئیے کہ ان کا ازالہ کرنے کیلئے مندرجہ ذیل مضمون کو پوری توجہ سے پڑھیں اور اس سے خود بھی فائدہ اُٹھائیں اور ان لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائیں جو محض دوسروں کے بہکاوے میں آکر صداقت سے محروم ہوئے جارہے ہیں۔

سب سے بڑا اعتراض اوراس کا جواب

حضرت اقدس کے دعویٰ پر شک وشبہات وارد کرنے والوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ہم آپ کو کس طرح نِش کلنک اوتار مان لیں جبکہ اس کے آنے میں ابھی لاکھوں سال باقی ہیں۔لیکن قبل اس کے کہ ہر اس کا جواب دیں معترضین سے ہم یہ پوچھتے ہیں آیا وہ نشانیاں جو تمہاری دھارمک پستکوں اور دینی کتابوں میں مذکور ہیں۔اس وقت پوری ہورہی ہیں یا نہیں؟ اور وہ پاپ اور وہ گناہ اور وہ باتیں اور وہ برائیاں اور وہ خرابیاں اس وقت ظہور میں آرہی ہیں یا نہیں؟ جن کا کہ کسی اوتار کے زمانہ میں نظر آنا ضروری ہے؟ کیا مقدس گیتا کا مندرجہ ذیل شلوک تمہیں مانیہّ یا قابل تسلیم نہیں؟ کہ:۔

یدا براہی دھرمسیّہ گلانر بھوتی بھارت اَبھیُت تھانَم دَ ھرمسیّہ تدات مانم سَر جامی ہم (گیتا ادھیائے 4 شلوک 7)

جب جب کبھی دھرم کو زوال اور بے دینی کو ترقی ہوتی ہے۔تب تب مَیں اوتار لیتا ہوں (یا ظاہر ہوتا ہوں۔)

اسی طرح یہ شلوک بھی قابل تسلیم ہے یا نہیں کہ:۔

پری ترانائے سادُھونام وِناشائے چہ دُش کری نام دھرم سنّستھاپنارتھائے سم بھوامی یُگے یُگے (گیتا ادھیائے 4 شلوک 8)

توجمہ:نیک اور عابد لوگوں کی حفاظت کے لئے اور بدوں کی تباہی کے لئے اور دھرم کو قائم کرنے کے لئے وقت وقت پر ظاہر ہوتا ہوں۔

اگر کہئے کہ ہم گیتا کے محولہ بالا شلوکوں کو صحیح سمجھتے ہیں تو پھر بتایئے کہ کیا زمانہ موجودہ میں دھرم یعنی نیکی، پاکیزگی سچائی اور صداقت کو زوال نہیں آرہا؟ کیا اس وقت بدی، بدکاری، اباحت بے دینی اور ادھرم زور نہیں پکڑرہے؟

کیا جس قدر اِس وقت دنیا مذہب سے دور اور ستیہ پتھ یا صراطِ مستقیم سے الگ ہورہی ہے۔اِس کی نظیر پہلے زمانہ میں مل سکتی ہے کیا اس وقت جس قدر بدیوں اور بدکاریوں کا دور دورہ ہے۔اور جس شدت اور تیزی کے ساتھ اس وقت گناہوں اور پاپوں کا سمندر جوش زن ہے۔کیا اس کی مثال پہلے وقتوں میں دیکھی گئی؟ اگر کہو دیکھی گئی تو اس کا ثبوت چاہیئے۔(جو محال ہے) اور اگر اثبات میں جواب ہو تو پھر ایسی حالت میں بتلایا جائے کہ جب آپ کے مسلمات کی رُو سے ایشور کا شری کرشن جی کی معرفت یہ فرمانا کہ جب جب ادھرم اور بے دینی پھیلے اور نیکی و پاکیزگی کا ہراس یا زوال ہو اس وقت مَیں ظلمت وجہالت کے پاش پاش کرنے اور دھرم کو قائم کرنے کے لئے ظاہر ہوا کرتا ہوں۔کیا یہ وعدہ اس تیرہ وتاریک زمانہ میں پورا نہیں ہونا چاہیے تھا؟ جب یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ گذشتہ وقتوں سے اس زمانہ میں بہت زیادہ بدیاں پھیل رہی ہیں۔اور لوگ گناہوں میں اس بُری طرح لت پَت ہورہے ہیں کہ جس کی مثال پہلے یُگوں میں نہیں مل سکتی۔تو کیا یہ زمانہ اس امر کا مقتضی نہیں کہ خدا نیکوں کی حفاظت، دھرم کی بحالی اور بدیوں کی بربادی کے لئے ظاہر ہو؟ اگر جواب ہاں میں دیا جائے تو پھر بتلایئے اس زمانہ میں اور کون وہ شخص ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ:۔

’’مَیں ہندوؤں کے لئے بطور اوتار کے ہوں اور مَیں عرصہ بیس برس سے یا کچھ زیادہ برسوں سے اس بات کو شہرت دے رہا ہوں کہ مَیں گناہوں کے دُور کرنے کیلئے جن سے زمین پُر ہوگئی ہے۔(آیا ہوں۔‘‘)

یہی نہیں آگے چلئے۔کیا مہابھارت مسلمہ کتاب ہے یا نہیں؟ اگر کہئے مسلمہ ہو تو پھر کیا اس میں نہیں بتلایا کہ کلجگ میں ایشور کا اوتار ظاہر ہوگا، اگر جواب ہاں میں ہو۔تو بتلایئے کلجگ آیا یا نہیں؟ اگر جواب انکار میں ہو تو بتلایئے کلجگ کے مندرجہ ذیل نشان جو مہابھارت نے بتلائے ہیں ظاہر ہو چکے یا نہیں؟

کلجگ کی علامات

’’کلجگ کے دورے میں اندھا دھند ادھرم (بے دینی) کی عملداری رہتی ہے۔جھوٹ۔فریب۔ہتیا (ایذارسانی) غصہ۔لا یئے وغیرہ کا دور دورہ ہوتا

ہے۔انسان کو خراب افعال سے رغبت اور نیک اعمال سے نفرت ہو جاتی ہے۔جب تپ (عبادت و ریاضت) پوجا پاٹھ۔برت ہون ایسے تمام نیک کام برہمن (علمائے دین) تک چھوڑ بیٹھتے ہیں۔اوروں کا کیا ذکر۔خوردنی چیزوں کا امتیاز نہیں رہتا۔چھوت چھات کو واہیات سمجھتے ہیں۔کشتریوں کو رعیت پروری سے تنفرّ رہتا ہے۔جرأت اور بہادری کو کھو بیٹھتے ہیں۔سادھوؤں سنتوں کی خدمت گزاری سے کچھ کام نہیں رہتا۔فکر رہتا ہے تو بس یہ کہ جس طرح بنے روپیہ ہاتھ آئے۔دولت ہی کے فکر میں اندھے رہتے ہیں۔شودروں (رذیلوں) کا عروج ہوتا ہے۔دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔غلہ بے مزہ پھل بدذائقہ ہو جاتے ہیں۔کم عمر لڑکیاں صاحبِ اولاد ہو جاتی ہیں۔آٹھ برس کی عمر میں حمل رہ جاتا ہے۔درختوں کی بارآوری کم ہو جاتی ہے۔گائیوں کا دودھ گھٹ جاتا ہے۔اوقات مناسب پر پانی نہیں برستا۔امساک باراں سے قحط عالمگیر ہوتے ہیں۔ناخن اور بال بڑھا کر لوگ مہاتما بن بیٹھتے ہیں۔برہم چاری خوب مال مارتے ہیں۔گوشت کھاتے شرابیں اڑاتے ہیں۔برہمن و عالم، (واعظ) رذیلوں سے فخر کے ساتھ دان (خیرات) لیتے ہیں مطلب آشناؤں، محسن کشوں کی کثرت ہوتی ہے۔صادق الاعتقاد اور نیک لوگوں کو میں نہیں ملتا۔ان کی زندگی گم ہو جاتی ہے۔پاپی بے فکری سے بہت دنوں تک زندہ رہتے ہیں۔عورتوں کا چلن بگڑ جاتا ہے۔خاوندوں کے ہوتے نوکروں سے ملتفت ہوتی ہیں۔مرد حسین بی بی سے التفات نہیں کرتے۔زناں بازی کو گلے کا ہار پہناتے ہیں۔شراب خانے آباد رہتے ہیں۔عبادت خانے سُنسان جہاں پہلے وحرم ہوتے تھے وہاں بدفعلیوں کی گرم بازاری رہتی ہے۔" (مہا بھارت ترجمہ افق ادھیائے 189 ص 686و687)

ہمارے ہندو بھائی خود ہی غور فرمائیں کیا مندرجہ بالا امور زمانہ موجودہ میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں یا نہیں؟ کیا کلجگ کے مذکورہ بالا نشان پورے ہوئے یا نہیں؟ اگر ہو گئے اور ان کے مطابق یہ زمانہ کلجگ ہی کا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس زمانہ میں جس شخص نے دنیا کی اصلاح کا دعویٰ کیا اُسے ردّ کر دیا جائے؟ کیا اسی مہا بھارت میں نہیں لکھا کہ کلجگ میں ہی ایشور کا اوتار ظاہر ہوگا؟ جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے عیاں ہے:۔

کلکی اوتار کی آمد کا نشان

جس وقت کلجگ آ گیا سمجھ لیجئے کی دنیا کی ہوا پلٹ گئی۔وہ وہ پاپ، وہ وہ گناہ ہونگے کہ زمین کانپ اُٹھے گی۔لڑکے والدین کو بیوقوف سمجھیں گے۔رضا جوئی و فرمانبرداری کیسی۔عورتیں لڑائی جھگڑے بکھیڑے سے خاوندوں کے ناک میں دم رکھیں گی۔ریت رت کجا۔پوجا پاٹ۔دھرم کرم جڑ پاؤں سے لٹ جائیں گے۔لوگ ادھرم کریں گے۔دھرم کو فضول اور واہیات سمجھیں گے۔جب اس طرح دھرم کا پیالہ چھلکنے کو ہوگا۔تو بھگوان کو تکلیف کرنا پڑیگی۔یہ کلکی اوتار میں جلوہ دکھلائیں گے۔پاپ کی ناؤ ڈبوئیں گے۔دھرم کی بیل ہری بھری ہوگی۔

(مہا بھارت ترجمہ افق ادھایائے 190 صفحہ 681)

جب علامتیں پوری، گئیں تو اوتار کو بھی اس زمانہ میں آنا چاہیے

اب کیا ان صاف ،بیّن اور روشن ثبوتوں کے ہوتے ہوئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ ایشوری اوتار کیلئے نہیں؟ کیا بدیوں اور بدکاریوں کی اور بھی کثرت دیکھنے کی تمنا ہے؟ کیا اس وقت جو ہو رہا ہے۔یہ کافی نہیں؟ کیا دنیا کی موجودہ حالت اس لائق نہیں کہ اس کی اصلاح کے لئے ایشور اپنا اوتار بھیجے؟ اگر اس وقت دنیا بگڑ چکی ہے۔اور بدیوں اور بدکاریوں میں انتہائی ترقی کر گئی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ گیتا والے اعلان کے مطابق اس وقت خدا کا ہاتھ ظاہر نہ ہو؟ جب پہلے وقتوں میں تھوڑی سی بدی پیدا ہونے پر ہی بھیج دیا کرتا تھا تو کیا اب اتنے گندے اور ناپاک حالات کو دیکھتا ہوا بھی دنیا پر رحم نہیں کھائے گا۔جب وہ رحیم ہے کریم ہے۔دیالو اور کرپالو ہے اور اسے اپنی مخلوق کے ساتھ محبت ہے پریم ہے اور اس نے یہ طے کر رکھا ہے کہ جب بھی دھرم کا زوال اور

ادھرم کی ترقی ہوگی ۔ مَیں اس وقت دنیا کو ظلم اور پاپ سے بچانے کیلئے سامان پیدا کروں گا ۔ تو کیا وجہ ہے کہ اس ہیبت ناک اور ظلمت عصیاں سے بھرپور زمانہ میں اس کی مدد نہ پہنچے؟ اگر ہمارے ہندو بھائی گیتا اور مہا بھارت کے مندرجہ بالا بیانات کو پڑھ کر اور پھر زمانہ کی موجودہ حالت کو ان کے مطابق دیکھ کر بھی معترضین کے بہکاوے میں آ کر یہی سمجھتے رہیں کہ موجودہ زمانہ بھی ایشوری اوتار کے لئے موزوں نہیں تو ہم ان کے اطمینان خاطر کے لئے ذیل میں بعض معزز اور مقتدر ہندو لیڈروں ، ایڈیٹروں مضمون نگاروں ، شاعروں اور ادیبوں کی چند ایسی تحریریں اور نظمیں درج کئے دیتے ہیں جو بزبان حال پکار پکار کر اسی امر کی گواہی دے رہی ہیں کہ کرشن اوتار کے آنے کا یہی زمانہ ہے نہ کہ ابھی لاکھوں سال بعد؟

ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے ہندو دوست اپنے ہم مذہب بھائیوں کے مندرجہ ذیل خیالات افکار اور آراء کو پوری توجہ سے پڑھیں گے جو ان کو اس امر کے باور کرنے میں مدد دیں گے کہ فی الحقیقت یہی زمانہ ایشوری اوتار کے آنے کا ہے ۔ کیونکہ جس قسم کے ہولناک حالات اور المناک واقعات اس اوتار کے مامور ہونے کے وقت ظاہر ہونے لازمی ہیں ۔ وہ سب کے سب اس وقت ظہور میں آ چکے ہیں ۔ اور اسی بناء پر وہ لوگ جن کے افکار و خیالات درج ذیل ہیں ۔ بڑی بے صبری اور بے چینی کے ساتھ کرشن اوتار کی راہ دیکھتے نظر آتے ہیں ۔ اور بڑی لجاجت اور عاجزی کے ساتھ یہ التجا کرتے پائے جاتے ہیں کہ زمانہ آ گیا ۔ حالات وقوع میں آ گئے ۔ مگر اے ہمارے قبلہ مقصود تم کیوں آنے میں دیر کر رہے ہو؟

بعض معزز ہندوؤں کی شہادتیں کہ دُنیا بگڑ چکی

مہاشہ خوشحال چند جی خورسند ایڈیٹر اخبار ملاپ ۔ لاہور

’’ مجھے (اس وقت) چاروں طرف راکھش پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ لاکھوں برس پہلے جن راکھشوں کو شری رام نے بھگا دیا تھا ۔ وہ آج اتنے بڑھ گئے ہیں کہ آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف وہی دکھلائی دیتے ہیں ۔ گھر گھر میں دَویش اگنی (عداوت کی آگ) جل رہی ہے ۔ بڑے چھوٹوں کو اور چھوٹے بڑوں کو کھا رہے ہیں ۔ غریبوں کی جھونپڑیاں اکھڑ رہی ہیں ۔ نہ بادشاہ کے دل میں چین ہے اور نہ مفلس کو اطمینان قلب حاصل ہے ۔ آرام طلبی کا راجیہ ہو چکا ہے ۔ دوسروں کا خون چوس کر اپنے جسم کی پرورش کرنے کا جذبہ پورے جوبن پر ہے ۔ فساد کی آگ روشن ہے ۔ وبھچار (زنا) کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں ۔ جھوٹ ، دغا ، فریب اور مکاری کی اگنی میں لوگ دگدھ (بھسم) ہو رہے ہیں ۔ وہ محبت ۔ وہ پریم ۔ وہ الفت ۔ وہ چاہت کے محل پیٹ کے کوہ آتش فشاں کے لاوے میں بہ گئے ہیں ۔ راجا پرجا کا سمبندھ (تعلق) ٹوٹ گیا ہے ۔ پرجا کہتی ہے راجاؤں نے کافی لمبا عرصہ تک عیش اڑائے ۔ اب حکومت کی باگ ڈور عوام کے ہاتھ میں دے دو ۔ وہ رشتے وہ ناطے اب بہت کم دکھلائی دیتے ہیں غرض یہ کہ راکھشی بھادوں (وحشیانہ جذبات) نے دنیا کو ایک عالمگیر اگن کنڈ (آگ کی بھٹی) میں تبدیل کر دیا ہے ۔ اور بھارت ورش (ہندوستان) تو خاص طور پر بہشت کی جگہ دوزخ بن چکا ہے ۔‘‘

(ملاپ 8 نومبر 1931ء صفحہ 5)

کیا ملاپ ایسے مقتدر اخبار کا یہ بیان کسی توضیح یا تشریح کا محتاج ؟ کیا اس سے ظاہر نہیں کہ دنیا کی حالت اس وقت سخت تباہ اور برباد ہو چکی ہے ۔ اور اس وقت اس کی اصلاح کے لئے کسی آسمانی مدد کی ضرورت ہے؟ اور سنیئے محولہ بالا مضمون تو ایک آریہ سماجی ایڈیٹر کا تھا ۔ اب ایک سناتنی ایڈیٹر کے الفاظ بھی دیکھئے ۔

ایڈیٹر صاحب اخبار سناتن دھرم پرچارک امرتسر

’’ بلا شبہ اس وقت براہمن ۔ چھتری ویش اپنے اپنے کرم (فرائض) سے گرے ہوئے ہیں ۔ اور مجموعی صورت میں آج کل کے براہمن چھتری و

ویش یہ فخر نہیں کر سکتے کہ وہ قابل تعظیم ہیں۔ ان اُونچیہ ورنوں (اعلیٰ ذاتوں) میں سینکڑوں براہمن، ہزاروں چھتری اور کئی ایک ویش شرابیں پیتے ہیں مسلمان رنڈیوں کے ساتھ تعلق رکھتے، اور انگریزی ہوٹلوں میں کھانا کھاتے۔ اپنے دھرم سے قطعی گرے ہوئے ہیں۔ اور ایسے براہمنوں، چھتریوں وغیرہ کے ساتھ تمام باقی براہمنوں، چھتریوں، ویشوں کا پان کھان رشتہ داری وغیرہ بھی ہے۔ پس عمل کے لحاظ سے قریباً تمام باتیں دھرم کے چھوڑنے سے بہت (تت) گرے ہوئے ہیں۔ (سناتن دھرم 8 جون 1925ء صفحہ 3)

جب صاف لفظوں میں اقبال ہے کہ ہر طبقہ اور ورن کے انسان بگڑ چکے ہیں۔ ان کے چال چلن تباہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے اپنے فرائض بالائے طاق رکھ دیئے ہیں تو کیا ایسی حالت پر بھی یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ابھی دھرم کی گلانی نہیں ہوئی اور یہ وقت کسی اوتار کے آنے کا نہیں؟ یہی کیوں اور سنیئے۔ ایک دوسرا سناتن دھرمی اخبار کہتا ہے کہ:

اخبار شدرشن چکر راولپنڈی

''ہم دن رات شریر (جسم) کی پرویش میں مشغول ہیں۔ مکانوں اور زیوروں کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ ہماری نظر ''ہرنیئے مئے پاتر'' سنہری برتن پر رہی ہے۔ آتم کی کتھا سننا تو ایک ظاہرداری کا آڈمبر (ڈھونگ) ہے۔ کانوں کا رس (ذائقہ) ہے۔ آہ بھگت جی تم (کتھا) کہنے والے بھی تو ایسے ہی ہو۔ اسی (گناہوں کے) باغ کی ہولی ہو۔ سچ ہے۔ بھارت میں آتم دکھتا۔ شردتا (روحانیت) کے معلم اور تعلیم دونوں لوپ (غائب) ہو گئے۔ ورنہ کیا (کارن) (باعث) ہے کہ گیتا۔ اُپنشد۔ شاستر وید ہماری آتما دروحانیت کو جگا نہیں سکتے۔ کبھی میلے آئینہ میں بھی منہ نظر آتا ہے۔ ذرا اپنا من روپی درپن (آئینہ دل) دیکھو خود غرضی بے ایمانی جھوٹ۔ مکر، فریب، دغابازی، حدفساد، دولت، عزّت زر، زن، زمین سب کچھ موجود تو آتم گیان (علم الٰہی) کہاں گئے۔ نہ یم نہ نیم پھر پرکاش وروشنی کہاں۔ برہم چریہ (ضبط نفس) کہاں آج بھوگ ولاس (شہوت) کے غلام ہیں۔''

(سدرشن چکر راولپنڈی 12 کارتک سنمت 1982ء بکرمی 2)

پیارے ہندو بھائی خود ہی غور فرمائیں کیا مندرجہ بالا بیانات بزبان حال اس امر کی گواہی نہیں دے رہے کہ زمانہ بگڑ گیا۔ اس کا چلن بگڑ گیا۔ اسکی حالت خراب ہوگئی۔ برباد ہوگئی۔ اس میں رہنے بسنے والے گناہوں اور پاپوں میں غلطان وپیچان ہو گئے۔ نیکی، پاکیزگی، روحانیت عنقا صفت ہو کہ رہ گئی اور اس کی جگہ گند، گناہ اور پاپ نے لے لی۔ کیا ان حالات کی موجودگی میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ابھی ایشوری اوتار کے آنے میں لاکھوں سال کا زمانہ باقی ہے؟ ہم نہیں سمجھتے کہ جب گیتا صاف لفظوں میں کہہ چکی ہے کہ جب جب بھی بدی پھیلے گی دینداری کو زوال آئے گا۔ تب تب ہی ایشور کا اوتار آئے گا تو کیا وجہ ہے کہ اس ہیبتناک اور لرزہ براندم کر دینے والے حالات کے ظاہر ہو جانے پر بھی کوئی اوتار نہ آئے؟ اور کبھی ملاحظہ ہو۔ ایک دوسرا سناتن دھرمی اخبار لکھتا ہے:۔

اخبار آنند لاہور

''آج بھارت واسیوں کے دل سے ایشور وشواش (خدا پر ایمان) اٹھ گیا ہے۔ آج ہمارے نوجوان مذہب، مردہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں۔ برت (روزہ) سے چڑ ہے۔ بھوک ہڑتال کرتے ہیں۔ مندروں کو ضبط کرنے کی دھمکی دیتے ہیں لیکن اگر ایشور کے نام پر برت رکھیں تم آج بھارت دیش کا بیڑا پار ہو سکتا ہے۔ ہم نربل (کمزور) ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ہمارے اندر روحانی طاقت نہیں رہی۔ یہاں تک کہ نوجوان خودکشی پر اتر آئے ہیں۔''

(اخبار آنند لاہور 27 رساون سمت 1988 بکرمی صفحہ 15)

جب حالت اتنی ابتر، اتنی خراب، اتنی تباہ ہوچکی ہے تو کس بنا پہ یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ فی الحال کسی مصلح کی یا اوتار کی ضرورت نہیں؟ ہم جانتے ہیں۔اس موقع پر یہ کہا جائے گا۔ کہ اوپر جو کچھ دکھا گیا ہے۔ وہ کلجگ کا ہی مظہر ہے اور موجودہ زمانہ واقعی کلجگ کا آغاز ہے جب اس کا آخری حصہ شروع ہوگا۔ تب نِش کلنک اوتار آئیں گے۔لیکن اس قسم کی بات زبان پر لانے والے سینہ پر ہاتھ رکھ کر بتائیں۔ کیا دنیا کی موجودہ حالت اس مریض نیم جان کی طرح نہیں؟ جو درد سے تڑپ رہا ہے۔ کسی کروٹ چین نہیں، تکلیف اور کرب کے مارے بے تاب ہے، نبضیں چھوٹ رہی ہیں۔ اگر دُنیا کی حالت اس وقت اس قسم کی ہے تو کیا ایسی حالت میں کسی نبض شناس حکیم کی ضرورت نہیں؟ جو اسکی تکلیفوں کو رفع کرے۔ اس کی بے چینی کو دور کرے۔ اور ایسا جام شفا پلائے جو اسکی رگوں کے اندر حیات تازہ پھونک دے؟

جب مرض کا اقبال ہے۔تو معالج کی ضرورت سے کیوں انکار؟ وہ تیماردار کتنے بُرے سمجھے جائیں گے۔ جو تڑپتے بلکتے اور موت کے منہ میں جانے والے مریض کو صرف یہی کہہ کر تسلی دیتے رہیں۔ کہ ابھی ڈاکٹر کے آنے کا وقت نہیں۔ کیا ایسے موقع پر وہ یہ نہ کہے گا۔

پتھر پڑیں صنم ترے ایسے پیار پر　　　　جب مرچکے تو آئے ہمارے مزار پر

پس جس طرح وہ تیماردار یا رشتہ دار قابل مذمت ہیں جو مرض کی شدت، بیماری کا زور اور کرب و بےچینی کی انتہاء دیکھ کر بھی یہی کہتے رہیں کہ ڈاکٹر کو بلانے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی قطعاً کسی تعریف کے مستحق نہیں جو زمانہ کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے بھی یہی رٹ لگائے جاتے ہیں کہ ابھی روحانی معالج کے آنے میں لاکھوں سال باقی ہیں۔ ایسے لوگ نہ صرف اپنے اوپر بلکہ ساری دنیا پر ظلم کررہے ہیں۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا مریض ہے۔ اس کی مرض انتہائی حد تک پہنچ چکی ہے اور لطف یہ کہ معالج بھی موجود ہے۔ مگر دنیا کو یہی کہے جارہے ہیں کہ ابھی معالج آیا ہی نہیں۔ کیونکہ اس نے ابھی لاکھوں سال کے بعد آنا ہے۔ مندرجہ بالا ہندو اخبارات کے اقتباس نقل کرتے ہوئے ہم نے زمانہ کی دُردَشا اور بری حالت کا بہت کچھ حال لکھ دیا ہے۔

ہندو معززین کی آرائیں کہ ایشوری اوتار اسی زمانہ میں آنا چاہئے

اب ہم بعض ایسے ہندو اصحاب کی تحریریں نقل کرنا چاہتے ہیں جو نہ صرف زمانہ موجودہ کے بگاڑ ہی کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ اس امر کے بھی اقبالی ہیں کہ دنیا کی موجودہ حالت واقعی ایشوری اوتار کے آنے کا تقاضا کررہی ہے اور یقیناً یہی وقت ہے جبکہ گیتا میں کیا گیا وعدہ پورا کیا جائے۔ سب سے پہلے ہم اخبار تیج دہلی سے ایک مضمون نقل کرتے ہیں۔ جو ''بھگوان کرشن آوٴ'' کے زیرعنوان شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد اور بھی نقل ہوں گے۔

اخبار تیج دہلی کا مضمون کہ زمانہ کی حالت تباہ ہوچکی ہے۔ اس وقت اوتار کا آنا ضروری ہے

''بھگوان کرشن آوٴ''

''ہندوستان کو شری کرشن کی بہت بڑی ضرورہے۔''

''جب کبھی دنیا میں اخلاق زوال پر ہوتا ہے۔ سوسائٹی کی حالت گرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ آدمی میں اچھے بُرے کی تمیز جاتی رہتی ہے۔ نظام عالم معرض خطر میں دکھائی دیتا ہے۔ لوگ مذہب میں اچھائی کو پسند نہیں کرتے اور بُرائی کی طرف توجہ مائل ہوتی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں کہا جائے۔ دھرم اور ادھرم میں تشخیص نہیں رہتی۔ جب رعایا حکومت کو ماں باپ سمجھنا بند کردیتی ہے۔ اور حکومت رعایا کو اولاد نہیں سمجھتی۔ جب ظلم نہ صرف شروع ہوجاتا

ہے۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں طور پر ظہور میں آنے لگتا ہے۔ تو دُنیا میں کوئی ایسی بڑی شخصیت نازل ہوتی ہے۔ جو سوشل نظام کو خطرے سے بچاتی ہے۔ اور ناپاک ہستیوں کو برباد کر کے دنیا میں ایسے اصول کا اجراء کرتی ہے جس کی پابندی سے ادھرم قطعاً نابود ہو جاتا ہے۔ اور لوک دھرم (بے دینی)، قطعاً نابود ہو جاتا ہے۔ اور لوک دھرم کی پابندی کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ متھرا میں جب ظلموں کی انتہا ہوگئی اور حکومت وقت قطعاً مفلوج ہوگئی۔ اور کنس کے ظلم سے بیزار تھی۔ جب برج کے خطوں میں شرم وحیا دور ہوگئی۔ اور ناپاکیزگی، کیرکٹر کا جزو اعظم بن گئی اور ایسا وقت آنے والا تھا۔ کہ سوسائٹی اور جلسوں میں برہنہ عورتوں کا لانا یا ان کی عصمت پر حملہ کرنا قابل اعتراض نہ تھا۔ جب کنس ششپال، کیچک سے لوگ پیدا ہو گئے۔ اور حق تلفی ایک عام بات ہوگئی۔ اور غاصبانہ طور پر مکاری ودھوکہ بازی سے تخت چھینے جانے گئے۔ تو بھگوان کرشن کو جنم لینا پڑا اور جنم لے کر اُن کو دنیا میں صرف اصلاح کرنی پڑی اور بے غرضی کی ایک مثال دکھانی پڑی۔ بلکہ خود بھی وعدہ کیا کہ آئندہ جب کبھی دھرم میں زوال ہوگا۔ میں خود آؤں گا۔ اور جنم لے کر سنسار (دنیا) کو پاکیزگی سے مستر اکردوں گا۔ اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے۔ تو شاید اب بھگوان کرشن کے جنم کی مہا بھارت کے زمانہ سے اب بھی زیادہ ضرورت ہے۔ دنیا سے شرم اُٹھتی جاتی ہے۔ یورپین ممالک تو ایک طرف مشرقی خطہ جات میں بھی حیا بالائے طاق رکھ دی گئی ہے۔ لندن، پریس، کلکتہ، بمبئی، سنگاپور کے بعض مقامات بے شرمی کی انتہائی حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ خود غرضی، بددیانتی حکمت عملی کہلاتی جاتی ہے۔ اگر دھوکہ بازی سے کوئی کامیاب ہو گیا تو وہ مستحق داد ہوتا ہے۔ چھوٹی قوموں کو ستانا۔ ان کے حقوق کو مارنا۔ ان جا بجا طریقہ سے لُوٹنا ان کو بھوک سے مار ڈالنا۔ ایک معمولی ہی بات ہوگئی ہے۔ اگر ہندوستان ہی کو دیکھا جائے تو حالت زار ہے۔ نہ پیسہ، نہ روٹی، نہ کپڑا۔ نہ عزت نہ آبرو۔ دنیا میں ہندوستانی جہاں جاتا ہے۔ غلام کہلاتا ہے۔ اب تک عورتوں کی عزت کرنا ایک مناسب طرز عمل سمجھا جاتا تھا۔ ان کو لاٹھیوں سے مارنا تذلیل کرنا اب مہا بھارت کے بعد دروپدی کے واقعہ کی یاد دلاتا ہے۔ لکھنو، بمبئی ودیگر مقامات اس امر کی زندہ مثالیں ہیں۔ گزشتہ ایک ہزار برس سے جو ہندوستان میں آفتیں نازل ہوئی ہیں۔ ان کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ لیکن بیسویں صدی میں سوشل زوال اور پولیٹیکل گرادٹ انتہائی حالت کو پہنچ گیا۔ اگر بھگوت گیتا میں بھگوان کا وعدہ تیار ہے۔ تو اوتار کی سب سے زیادہ ضرورت آجکل ہے۔ اسلئے بھگوان کرشن آؤ جنم لو۔ دنیا سے ناپاکی دور کرو۔ دھرم پھیلاؤ مستحق کو اس کے استحقاق دو۔ غصابوں سے دُنیا کو پاک کرو۔ اور یہ وعدہ پورا کرو۔

چون بنیادِ دین است گردو بسے | نمائیم خود را بشکلے کسے

(اخبار تیج دہلی، 18 اگست 1930ء منقول الامان دہلی 23 اگست 1930ء)

اب وہ لوگ جو بھولے بھالے لوگوں کو یہ کہہ کر زمانہ موجودہ کے اوتار سے دُور دُور رکھنا چاہتے ہیں۔ مندرجہ بالا مضمون کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ کیا اس کے پڑھنے سے زمانہ کی ردّی حالت، اور پھر اس کی اصلاح جس کے لئے کسی اوتار کے آنے کی خواہش اور ضرورت کا اظہار نہیں ہوتا؟ جب آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ دھرم کی گلانی ہوگئی۔ جب دِل بول اُٹھے کہ حالت موجودہ کے بدلنے کا وقت آ گیا۔ اور یہی زمانہ ایشوری اوتار کے آنے کیلئے مقدّر تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس نعمت سے محرومی اختیار کی جائے جو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کھا کر نازل کی؟

ڈاکٹر ستیہ پال کا موجودہ حالت پر ماتم اور کرشن اوتار کے آنے کی ضرورت پر زور

''اس وقت ماتری بھومی (مادر وطن) کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ دنیا کا کونسا دکھ ہے۔ جو ہمارے نصیبوں میں نہیں ہے۔ نہ کھانے کو اناج۔ نہ پینے کو دودھ نہ پہننے کو کپڑا۔ نہ سر پر سایہ نہ کھڑے ہونے کے لئے زمین، سرگردان ہیں۔ ملک ہمارا ہے یہ کہنا بھی جرم ہے۔ ایسی گستاخی پر تو زبان کٹتی ہے۔ نہ

بہنوں کوسکھ ہے۔نہ بھائیوں کو۔پاپ زورافزوں ہے۔دھرم مُنہ لپیٹے ایک گوشہ میں پڑا ہے۔دھرم کے نام پرتجارت زوروں پر ہے۔سندیں اور گدیاں تو دھڑادھڑ بن رہی لیکن صدحیف کہ دھرم کی کوئی پوچھ نہیں۔ہمارے نصیبوں میں نہ معلوم کیوں دنیا کی ٹھوکریں لکھی ہیں۔

بھارت بھومی کے اُدھارک (نجات وبندہ) کرشن نہ معلوم اس وقت کہاں ہیں۔نظر سے نہاں ہیں۔کہیں پنہاں ہیں۔شاید وہ دیکھ نہیں رہے کہ ہم پر کیا بیت رہی ہے۔وہ تو دریودھن کے مظالم سے گھبرا گئے تھے۔اور یہاں تو پرمیشور ہی محافظ ہے۔کہہ نہیں سکتا کہ اب انہیں ترس کیوں نہیں آتا۔تب وہ کیوں اپنے روپ میں پرگٹ (ظاہر) نہیں ہوتے۔وہ کیوں ہماری مشکلات کے حل کے لئے درشن نہیں دیتے۔''

(پرتاپ کا کرشن نمبر 11 اگست 1925ء صفحہ 10)

پھر یہی صاحب اخبار تیج کے کرشن نمبر میں شری کرشن کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ایضاً ''ہے بھگوان! آپ دیکھ ہی رہے ہونگے۔کہ آپ کی بھارت بھومی کی کیا حالت ہے۔جس سرزمین پر آپ کے پاک قدم پڑ چکے ہیں۔اسکی آج کیا گت بن رہی ہے۔جن گئوؤں کے ساتھ آپ کو اتنا پریم تھا کہ آپ نے اپنے خود کو گوٗ پال کہلایا۔آج کس بے دردی کے ساتھ ان کے گلے پر چھری پھر رہی ہے۔دروپدی کے چیر ہرن (بدن کا کپڑا اتارنے) پر آپ نے اُسے ننگن (ننگا) ہونے سے بچالیا۔لیکن آج اُن کی پُتریوں کے گھونگھٹ اٹھا اُٹھا کران کے منہ پر تھوکا جاتا ہے۔انہیں بے آبرو کیا جاتا ہے۔جس بھومی کی یہ حالت تھی۔کہ یہاں کوئی بھوکا نہ رہتا تھا۔وہاں آج آدھے سے زیادہ صبر کے لقموں سے اور آنسوؤں کے پانی سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔جس بھومی کی یہ حالت تھی کہ دُودھ پانی سے بھی زیادہ افراط سے نصیب ہوتا تھا۔وہاں آج دوسرے ممالک سے آکر بکتا ہے۔گھی بھی غیر ممالک اب بیچنے لگ گئے ہیں۔(ہم میں اب) علم نہیں۔عقل نہیں۔دولت نہیں۔حشمت نہیں۔شاستر نہیں۔وید نہیں۔گیان نہیں۔دھیان نہیں۔کرم نہیں۔دھرم نہیں۔شرم نہیں۔آبرو نہیں۔عزت نہیں۔سچ پوچھو تو ہمارے پاس کچھ نہیں۔پھر کیا آپ کی یہ مرضی ہے کہ یہ قوم اب صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔اور نہیں۔جس قوم میں آپ درشن دے چکے ہیں۔جس سرزمین کہ آپ جلوہ افروز ہو چکے ہیں۔وہ بھلا کیونکر گم ہو سکتی ہے۔پھر اب کیا ارادے ہیں۔کب تک یہ حالت رہے گی۔کب تک یہ صورت رہے گی۔کب تک یہ آرزدگی کب تک یہ بے توجھگی۔کب نہیں یہ لاپرواہی۔'' (تیج دہلی 29 اگست 1926ء صفحہ 2)

ہمارے نزدیک قابل رحم دونوں ہیں۔وہ بھی جورورو اور بلک بلک کر یہ کہہ رہے ہیں کہ کرشن اوتار کی اسی وقت ضرورت ہے۔اور وہ درشن نہیں دیتے کیونکہ یہ ناواقف ہیں اور نہیں جانتے کہ مقصد حقیقی تو آ بھی گیا۔اور وہ لوگ بھی قابل رحم حالت میں ہیں۔جو یہ معلوم کر لینے پر بھی کہ خدا نے دنیا پر ترس کھا کہ اپنا اوتار بھیج دیا۔مگر پھر بھی کہے جاتے ہیں کہ ابھی تو اُس کے آنے میں لاکھوں سال باقی ہیں۔

ہم نہیں سمجھتے کہ جب موجودہ حالت کو دیکھ دیکھ کر آنکھیں اشکبار ہوں۔دل پھٹے جاتے ہوں۔سینے چاک ہورہے ہوں،جسم کانپ رہے ہوں اور کلیجہ منہ کو آرہا ہو۔اور زبان پر یہی فریاد ہو۔بھگوان آؤ اور ہماری ڈوبتی نیّا کو پار لگاؤ! مگر پھر بھی کہا جائے کہ ابھی ناخدا کی ضرورت نہیں۔ابھی معالج کے آنے کا وقت نہیں۔

ہریش چندر صاحب حیدرآباد دکن کی کرشن اوتار کے لئے بیکلی

''پیارے کرشن، حیرت اور بسا حیرت تمہارے مقدس قدموں کی خاک پاک کو سُرمہ چشم بنانے والے آج سیلِ حوادث کا شکار ہیں۔اور تم خاموش ہو۔اے پیکرِ حیات! ہماری حیات اجتماعیہ منتشر ہے۔آج ہم نگوں بخت، ذلّت وخودغرضی کی دلدل میں مصروفِ کشمکش ہیں۔اے تاجدارِ روحانیت! آؤ

ہمیں جلال عرفان رموز سمجھاؤ۔بھگون! آج ہمیں تمہارا اپدیش یاد نہیں۔آہ وہ جلوہ گاہِ ناز کیوں سنسان ہے؟ ہائے! اب ہمارے لئے مصارف ہستی کیوں اُجڑ گیا؟

اے بانسری کی صدا۔ایک بار پھر۔صرف ایک بار سنائی دے۔اَے برق جفا سوز چمک۔صرف ایک بار چمک۔

(پرتاپ کرشن نمبر 11اگست 1925ء)

لالہ اُتم چند صاحب کا اظہار حیرت نالہ وشیون اور کرشن اوتار کو بُلانے کی التجا

’’پربھو آپ کو خوشی اور ماتم سے کیا سروکار تم نے تو اپنے بھگتوں کی فریاد کو سننا ہے اور پرتھوی کا اُدّھار کرنا (دُنیا کو نجات دلانا) ہے۔پربھو کچھ عجب حیرانگی ہے کہ اُس وقت تو ایک کنس تھا۔مگر آج لاکھوں کنس موجود ہیں۔جو استری جاتی پر اتیا چار(ظلم) کررہے ہیں۔پربھو! تمہاری موجودگی میں تو ایک درو پدی کی نرادری (بے عزتی) ہوئی تھی۔مگر آج لاکھوں دروپدیاں نگن (ننگی) ہورہی ہیں۔(اُس وقت) ایک دریودھن تھا جس سے دھرم بھرشٹ ہورہا تھا۔آج لاکھوں دریودھن پیدا ہوگئے ہیں۔جو دھرم کو نشٹ کررہے ہیں۔پربھو چاروں طرف ہاہا کار مچی ہوتی ہے۔مگر تیرے دربار میں شنوائی نہیں۔آخر کار اس کا کوئی کارن (باعث؟)...ہماری بُدھی (عقل) بھرشٹ ہوچکی ہے۔ہمارے درمیان لاکھوں غدار پیدا ہوچکے ہیں جو شکم پروری کی خاطر دھرم کو کچل رہے ہیں۔پرَبھو(یہ) درست ہے کہ پرتھوی (زمین) بھگتوں (عابدوں) سے خالی ہے۔...ہماری پاپوں کی کشتی پوری پُر ہو چکی ہے۔اس کا بچنا دشوار ہے۔دین دیال (رحم مجسم) رحم! ارحم!! تیرے در کے سوالی ہیں۔پربھو اپنی گودی میں لے لو۔اور اس اتیاچار (ظلم) کا ناش کر کے بھارت ماتا کے ہردے (دل) کو شانت (مطمئن) کرو۔پربھو! دن گذرے۔ماہ گذرے۔صدیاں گذریں۔ہزاروں برس گذرے۔پربھو! یہ تیری دیالتا (نوازش) ہے کہ اس قدر پاپوں کی موجودگی میں بھی آج تک زندہ ہیں۔تو نے وقتاً فوقتاً ہماری سہایتا (مدد) کی۔مگر پربھو! اب وقت دشوار ہو چکا ہے۔اور جب تک تیری وہی مُرلی۔وہی پریم۔وہی سُدرشن چکر،وہی گیتا کا زسرِ نو کھیل نہ ہو۔بھارت بھومی کا کلیان نہیں ہے۔پرَبھو آؤ۔درشن دکھلاؤ۔اور اپنی پیاری گوؤں کو ظالم کی تلوار سے بچالو۔اور بھارت بھومی کا کلیان کرو۔‘‘

(شدرشن چکر راولپنڈی 5 کارتک سمت 1982ء بکرمی صفحہ 6)

یہی نہیں اور بھی بہت سے اقتباس ہندو اخباروں اور رسالوں سے نقل کئے جاسکتے ہیں۔جن میں زمانہ حال کی دُردشا،اور ابتر حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔اور رُورُو کر ایشور سے یہی پرارتھنا کی گئی ہے کہ وہ اس مشکل کے وقت اپنا اوتار بھیجے۔اور دنیا کی حالت سنوارے۔کیونکہ سابقہ وعدے اسی وقت کے لئے تھے۔مگر ہمارے خیال میں یہ جاننے کے لئے کہ اس وقت دنیا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ کی مصداق ہوکر گراوٹ کی انتہائی منزلیں طے کر چکی ہے۔اور اسی لئے اِنسانی دل خود بخود بول اُٹھے ہیں کہ اس وقت ایشوری امداد کی اشد ترین ضرورت ہے۔کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں ایشوری اوتار کے آنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔یہی اس کے آنے کے لئے موزوں اور مناسب بھی ہے۔مندرجہ بالا چند اقتباس بھی کافی ہیں کیونکہ انہی سے حقیقت حال بخوبی منکشف ہوری ہے۔

(جاری)



پیشگوئی مصلح موعودؓ
پر بعض اعتراضات اوران کے جواب

جمیل احمد بٹ



پیشگوئی مصلح موعود:

حضرت مسیح موعودؑ نے ہوشیار پور میں کئی روزہ عبادت وریاضت کے بعد ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کوایک اشتہار بعنوان 'رسالہ سراجِ منیر مشتمل برنشان ہائے ربّ قدیر' تحریر فرمایا جو اوّل بار اخبار ریاضِ ہند امرتسر کے ضمیمہ مؤرخہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔اس اشتہار میں آپ نے اپنے بارے میں ایک پیشگوئی درج فرمائی جو انتہائی عظیم کامیابیوں اور فتوحات کی خوش خبریوں پر مشتمل ہے۔منجملہ ان میں ایک اعلیٰ صفات والا بیٹا عطا کئے جانے کی پیش گوئی ہے۔ یہ حصہٗ خبر جماعت میں 'پیشگوئی مصلح موعود' کے نام سے موسوم ہے۔

میعاد پیشگوئی:

ایک ماہ بعد آپ نے الہامِ الٰہی کی بنیاد پراس پیشگوئی کے پورا ہونے کی میعاد کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: 'ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے'۔(اشتہار واجب الاظہار مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ نمبر ۹۸ نیا ایڈیشن)

پیشگوئی کا پورا ہونا: پیشگوئی میں بتائی گئی بیشتر صفات کا کامل ظہور طویل وقت کا متقاضی تھا۔جیسے صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہونا،علومِ ظاہری وباطنی سے پُر کیا جانا،اسیروں کی رستگاری کا موجب ہونا،زمین کے کناروں تک شہرت پانا اور قوموں کا اس سے برکت پانا۔

اس لئے حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں اس پیشگوئی کا ظہور اتنا ہی کافی تھا کہ آپ اور حضرت اماں جان ۹ برس تک حیات رہیں۔اور اس عرصہ میں آپ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہو جائے اور اس میں فطری طور پر اوصافِ حسنہ کا پایا جانا،مشاہدہ میں آجائے۔ایسا ہی ظہور میں آیا۔

اس نو سالہ میعاد یعنی فروری 1895ء تک آپ کے ہاں نہ صرف ایک بلکہ تین بیٹے پیدا ہوئے۔جن میں سے ایک بشیر اوّل نوعمری میں آپ کے سامنے فوت ہوئے۔جبکہ دو بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حیات رہے۔حضرت مسیح موعودؑ کے رفقاء اور دیگر دیکھنے والوں نے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی نیکی، تقویٰ اور خداداد صلاحیتوں کا مشاہدہ کیا اور اس کا اظہار بھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام ومرتبہ عطا فرمایا اور جس طرح آپ کی علمی اور انتظامی صلاحیتوں کا اظہار ہوا۔ انہوں نے اس پیش گوئی کا حتمی طور پر آپ کے وجود میں پورا ہونا ثابت کر دیا۔اس پیش گوئی نے جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے خدا تعالیٰ سے کلام یافتہ ہونے کی ایک ناقابل تردید دلیل فراہم کی۔ وہیں یہ آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت پر بھی ایک گواہ ہوئی کہ آپ ﷺ نے صدیوں پہلے ان الفاظ میں کہ یَتَزَوَّجُ وَیُولَدُ لَهُ جمالی طور پر یہی خبر دی تھی۔

اس واضح طور پر پوری ہونے والی پیشگوئی پر پانچ بے جا اعتراض کئے گئے ہیں۔یہ اعتراض اور ان کے جوابات کا بیان اس مضمون کا موضوع ہے۔

پہلا اعتراض اوراس کے تین جواب:

اعتراض: پیشگوئی کے بعدلڑکی پیدا ہوئی نہ کہ مصلح موعود۔ یہ صاحبزادی عصمت تھیں جن کی پیدائش ۱۵ اپریل ۱۸۸۶ء کو ہوئی۔

جواب اول: پیشگوئی کا فوری طور پر پوری ہونا ضروری نہ تھا کیونکہ اس کے پورا ہو سکنے کی میعاد نو سال تھی۔ جیسا کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کے ایک ماہ بعد آپ نے الہام کی بنیاد پر یہ اعلان فرمایا: 'ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے'۔

(اشتہار واجب الاظہار مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ نمبر ۹۸ نیا ایڈیشن)

اس لئے فوراً بعد ایک لڑکی کی پیدائش سے پیشگوئی کی سچائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جواب دوم: اشتہار واجب الاظہار مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کے ایک ہفتہ بعد حضرت مسیح موعودؑ نے اللہ سے خبر پا کر ایک اشتہار دیا جس میں یہ خبر دی: 'غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں'۔ (اشتہار ۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء مجموعۂ اشتہارات جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۰۱۔۱۰۲ نیا ایڈیشن)

اس خبر میں موجودہ حمل میں لڑکے کی پیدائش کے امکان کو 'غالباً' اور اس کے قریب حمل میں 'بالضرور' فرمانے سے واضح ہے کہ موجودہ حمل سے لڑکے کا پیدا ہونا لازم نہ تھا بلکہ یہ امکان تھا کہ وہ اگلے حمل سے پیدا ہو۔ یہ وضاحت از خود موجودہ حمل سے ایک لڑکی پیدا ہونے کی خبر بھی تھی۔ اس طرح یہ ایک اضافی پیشگوئی تھی جو پوری ہوئی۔

جواب سوم: حضرت مسیح موعودؑ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ: 'ہمارا کوئی الہام ایسا نہیں ہے جس کا یہ مضمون ہو کہ پہلے حمل میں لڑکا ہی پیدا ہوگا'۔ (تریاق القلوب روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ نمبر ۱۵۴) اس اعلان کے خلاف کسی نے کچھ پیش نہ کیا اور یہ ثابت ہوا کہ پیشگوئی مصلح موعود کے بعد لڑکی کی پیدائش کے حوالے سے کیا جانے والا یہ اعتراض بے حقیقت ہے۔

دوسرا اعتراض اوراس کے تین جواب:

اعتراض: دوسری بار لڑکا ہوا لیکن سوا سال عمر پا کر فوت ہو گیا۔ یہ بشیر اول تھے جن کی پیدائش ۷ اگست ۱۸۸۷ء اور وفات ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو ہوئی۔

جواب اول: اس لڑکے کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً یہ نہیں فرمایا گیا تھا کہ یہ مصلح موعود ہوگا۔ اس بات کا آپ نے پیش گوئی مصلح موعود کی اشاعت کے کچھ ہفتوں بعد اور اس دوسرے لڑکے کی پیدائش سے قبل ایک اشتہار کے ذریعہ واضح طور پر یہ اعلان فرما دیا تھا کہ:

'ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدتِ حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا اور پھر بعد اس کے یہ بھی الہام ہوا کہ انہوں نے کہا کہ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں'۔

(اشتہار ۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء مجموعۂ اشتہارات جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۰۱۔۱۰۲ نیا ایڈیشن)

اس الہامی خبر سے ظاہر ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ لڑکا جس کا موجودہ یا اگلے حمل سے پیدا ہونے کا امکان تھا وہی ہے جس کی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو خبر دی گئی تھی اور نہ یہ کہ وہ ۹ برس کے عرصہ (معیاد پیشگوئی) میں کسی اور وقت ہوگا۔ بلکہ الفاظ 'آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں' سے یہ خبر قریب الفہم ہے کہ یہ لڑکا 'وہ' نہیں تھا۔

جواب دوم: حضرت مسیح موعودؑ نے خود بھی اس اعتراض کا یہی جواب دیا ہے جیسا کہ فرمایا:

’ہمارا کوئی الہام ایسا نہیں ہے جس کا یہ مضمون ہو کہ پہلے حمل میں لڑکا ہی پیدا ہوگا یا دوسرے حمل میں جو لڑکا پیدا ہوگا وہ جیتا رہے گا۔ ہاں اگر ہم نے محض اپنے اجتہاد سے یہ خیال کیا ہو کہ شاید یہی لڑکا مردانِ خدا میں سے ہوگا تو یہ الہامِ الٰہی پر الزام نہیں۔ ہم اپنی اجتہادی باتوں کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے۔ ہمیں ملزم کرنے کے لئے ہمارا کوئی الہام پیش کرنا چاہیئے‘۔ (تریاق القلوب روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ نمبر ۱۵۴)

یہ تحریر اس اعتراض کا بھی شافی جواب ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس بچہ کی فطری استعدادوں کی بناء پر اپنے اجتہاد سے بشیر اول کو مصلح موعود قرار دیا تھا۔ کیونکہ اجتہاد میں غلطی ممکن ہے اور حجت صرف الہام الٰہی ہے۔

جواب سوم: اس لڑکے بشیر اول کی پیدائش اور وفات دونوں الہام الٰہی کے مطابق تھیں۔ اس لڑکے کے فوت ہو جانے کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی دراصل دو لڑکوں کی خبر تھی۔ جن میں سے ایک کو ’مہمان‘ ہونا تھا اور دوسرے کو ’مصلح موعود‘ جس کا آنا ’مہمان‘ کے رخصت ہونے پر مقدر تھا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا: ’خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیش گوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے کہ جو روحانی طور پر نزولِ رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے‘۔ (سبز اشتہار مورخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ نمبر ۴۶۳ حاشیہ)

یوں اس لڑکے کے آنے اور جانے سے، بجائے کسی اعتراض کے پیدا ہونے کے، یہ دو پیشگویاں بھی پوری ہوئیں۔

تیسرا اعتراض اور اس کے تین جواب:

اعتراض: حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے چوتھے بیٹے مبارک احمد کو پیشگوئی مصلح موعود کے تحت تین کو چار کرنے والا شمار کیا تھا۔

جواب اول: اہل پیغام کے ایک لیڈر کا حضرت مسیح موعودؑ کی طرف اس بات کو منسوب کرنا کہ

’اللہ تعالیٰ نے آپ پر انکشافِ کامل کر دیا اور بذریعہ الہام آپ کو بتا دیا کہ تین کو چار کرنے والا ابھی پیدا ہونا باقی ہے۔ یہ الہامی تعین تھا جس میں غلطی کا احتمال نہیں ہوسکتا‘۔ (مجددِ اعظم حصہ اوّل از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب صفحہ نمبر ۱۵۳ ایڈیشن اوّل)

خلافِ واقعہ ہے اور اس کی بنیاد آپ کی ایک تحریر کا خلافِ منشاء ترجمہ، غلط حوالہ اور ایک خیالی تحریر ہے۔ جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے ظاہر ہے:

i۔ **ترجمہ کی غلطی:** حضرت مسیح موعود کی عربی تحریر وبشرنی ربی برابع رحمۃ۔ وقال انہ یجعل الثلاثۃ اربعہ۔ کا کتاب میں شائع شدہ فارسی ترجمہ ہے:

وخدائے من مرا از روئے رحمت بہ پسر چہارم مژدہ داد۔ وگفت کہ آں پسر سہ را چہار خواہد کرد۔ (انجامِ آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ نمبر ۱۸۲)

اس تحریر کا اردو ترجمہ ہے: اور میرے خدا نے مجھے اپنی رحمت سے مجھے چوتھے بیٹے کی خوش خبری دی ہے اور کہا ہے کہ وہ بیٹا تین کو چار کر دے گا۔ یہ تحریر تین بیٹوں کی موجودگی میں ایک اور بیٹے کی خوش خبری ہے جو تین کو چار کر دے گا۔ جبکہ کتاب مجدد اعظم میں اس عبارت کا یہ ترجمہ لکھا گیا ہے: ’اور میرے رب نے اپنی رحمت سے مجھے چوتھے کی خوشخبری دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا‘۔ (مجددِ اعظم حصہ اوّل از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب صفحہ نمبر ۱۵۳ ایڈیشن اوّل) اس غلط ترجمہ سے تین بیٹوں کو چار کرنے کی خبر کو جو ایک امرِ واقعہ ہے پیشگوئی مصلح موعود میں درج الہام کا پورا ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ جو بالبداہت غلط ہے۔

ii۔ **حوالہ میں غلط تاریخ:** لکھا ہے: ’ضمیمہ انجامِ آتھم کے صفحہ نمبر ۱۴ پر آپ اس امر کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ’پھر یہ الہام ہے جو ۲۰

فروری ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا کہ خدا تین کو چار کرے گا'۔(مجددِ اعظم حصہ اوّل از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب صفحہ نمبر ۱۵۳ ایڈیشن اوّل)

اس حوالے میں تاریخ تبدیل شدہ ہے۔بظاہر پیشگوئی مصلح موعود سے جوڑنے کے لئے اصل تحریر کے ۱۸۹۶ء کو ۱۸۸۶ء کر دیا گیا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر کے اصل الفاظ درج ذیل ہیں:'پھر ایک اور الہام ہے جو فروری ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا تھا اور وہ یہ ہے کہ خدا تین کو چار کرے گا اس وقت ان تین لڑکوں کا جواب موجود ہیں نام ونشان نہ تھا'۔(انجامِ آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ نمبر ۲۹۸۔۲۹۹)

الفاظ کے مطابق یہ ایک دوسرے وقت ہونے والا مختلف الہام ہے۔فروری ۱۸۸۶ء کے الہامی الفاظ ہیں 'وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا' گویا اس میں فاعل 'وہ' یعنی مصلح موعود ہے۔جبکہ فروری ۱۸۹۶ء کے اس الہام میں فاعل 'خدا' ہے۔

iii۔ خودساختہ حوالہ: اپنے غلط موقف کی تائید میں مزید لکھا ہے:'حضرت اقدس تریاق القلوب میں نہایت صاف الفاظ میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔ 'یہ پیش گوئی تین کو چار کرنے والے کی جو پہلے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں شائع ہوئی اور بعد میں تین لڑکوں یعنی محمود، بشیر احمد اور شریف کے پیدا ہوجانے کے بعد انجام آتھم اور ضمیمہ میں خدا نے پھر یہ اطلاع دی کہ وہ تین کو چار کرنے والا یعنی مصلح موعود اب آئیگا'۔(مجددِ اعظم حصہ اوّل از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب صفحہ نمبر ۱۵۳ ایڈیشن اوّل)اس تحریر میں کتاب تریاق القلوب کے حوالہ کا صفحہ نمبر درج نہیں کیونکہ تریاق القلوب میں یہ عبارت ہے ہی نہیں۔یہ بالکل خودساختہ تحریر ہے پھر بھی حضرت مسیح موعودؑ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

جواب دوم: چوتھے بیٹے کی خبر ایک علیحدہ پیشگوئی تھی۔ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں ایک الہام یہ بھی تھا کہ 'وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا'۔اسے تحریر کرتے وقت حضرت مسیح موعودؑ نے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ:'اس کے معنی سمجھ میں نہ آئے'۔بعد میں اس خبر کو مصلح موعود کی ایک علامت ہونے سے قطع نظر سبز اشتہار کے حوالے ہی سے ایک علیحدہ پیش گوئی قرار دیتے ہوئے اس سے یہ مراد لی کہ:

'اس الہام کے معنی یہ تھے کہ تین لڑکے ہوں گے اور پھر ایک اور ہوگا جو تین کو چار کردے گا۔سوایک بڑا حصہ اس کا پورا ہوگیا یعنی خدا نے تین لڑکے مجھ کو اس نکاح سے عطا کئے جو تینوں موجود ہیں صرف ایک کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنے والا ہوگا'۔(انجامِ آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ نمبر ۲۹۹)

اس تحریر کے کم وبیش ۳ سال بعد ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو آپ کے ہاں صاحبزادہ مبارک احمد پیدا ہوئے اور پسرِ چہارم کی یہ خبر پوری ہوئی۔ ساتھ ہی اس لڑکے کی پیدائش سے حضرت مسیح موعودؑ کی ایک اور پیشگوئی بھی پوری ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں:

'خدا تعالیٰ نے۔۔۔ایک چوتھے لڑکے کے لئے متواتر الہام کیا اور ہم عبدالحق کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ نہیں مرے گا جب تک اس الہام کا پورا ہونا بھی نہ سن لے'۔ (انجامِ آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ نمبر ۳۴۲)

یہ عبدالحق غزنوی صاحب آپ کے ایک بڑے مخالف تھے۔اور اس پیشگوئی کے مطابق مبارک احمد کی پیدائش کے وقت تک حیات رہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے مبارک احمد کا عقیقہ پیر کے دن ہونے کو اس پیش گوئی کا پورا ہونا بھی قرار دیا کہ 'دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ'۔

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ نمبر ۱۴۶)

یہ ذوالوجوہ الہامی فقرہ پیش گوئی مصلح موعود سے متعلق ان الہامات کا حصہ ہے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں۔اس لئے اس کا مبارک احمد پر چسپاں ہونا ایک اضافی امر ہے۔اور ایسا ہونے میں چنداں حرج نہیں کہ پیشگوئیوں کے کئی منطوق ہوتے ہیں۔

جواب سوم: صاحبزادہ مبارک احمد ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔یعنی پیش گوئی مصلح موعود کی نو سالہ معیاد کے ۱۸۹۵ء میں ختم ہوجانے کے بعد

۔اس لئے وہ بہر حال پیش گوئی مصلح موعود کے مصداق نہیں ہو سکتے تھے۔اوران کا کم عمری میں فوت ہو جانا اس پیشگوئی کے حوالے سے ایک لاتعلق بات ہے۔اگرچہ اس سے حضرت مسیح موعودؑ کی ایک اور پیشگوئی ضرور پوری ہوئی۔جیسا کہ آپ نے ۱۸۹۹ء میں تحریر فرمایا:

’جب یہ پیدا ہونے کو تھا یہ الہام ہوا انی اسقط من اللہ واصیبہ یعنی مَیں خدا کے ہاتھوں سے زمین پر گرتا ہوں اور خدا ہی کی طرف جاؤں گا۔مَیں نے اپنے اجتہاد سے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ لڑکا نیک ہوگا اور رُو بخدا ہوگا۔اور خدا کی طرف اس کی حرکت ہوگی اور یا یہ کہ جلد فوت ہو جائے گا۔اور اس بات کا علم خدا تعالیٰ کو ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات اس کے ارادہ کے موافق ہے‘۔(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ نمبر ۲۱۳۔۲۱۴)خدا کا اِرادہ اس وقت ظاہر ہو گیا جب یہ بچہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۷ء کو بعُمر ۸ سال فوت ہو گیا اور یہ خبر بھی پوری ہوئی۔

چوتھا اعتراض اور اس کے تین جواب:

اعتراض: یہ پیشگوئی کسی روحانی بیٹے سے پوری ہونی تھی جو تین سو سال ظاہر ہوگا۔گو اہلِ پیغام کے کئی اکابر پہلے اسی خیال کے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بیٹوں میں سے ایک لڑکا اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔جیسے مرزا خدا بخش صاحب نے ۱۹۰۰ء میں اپنی کتاب عسلِ مصفّٰی جلد ۲ صفحہ نمبر ۵۸۲ پر اور مولوی محمد علی صاحب نے ۱۹۰۶ء میں ریویو آف ریلیجنز جلد ۵ صفحہ نمبر ۱۹۲ پر ایسا لکھا۔لیکن اختلاف کر لینے کے بعد انہوں نے اپنا مؤقف بدل لیا۔اور کچھ عرصے بعد یہ تک کہنے لگے کہ ’اغلب ہے کہ بیٹے سے مراد روحانی بیٹا ہو‘۔نیز یہ کہ ’مصلح موعود کا زمانہ تین صدی سے قبل نہیں ہو سکتا‘۔

(مجددِ اعظم جلد اوّل از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب صفحہ نمبر ۱۱۵۹ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام طبع اوّل ۱۹۳۵ء)

جواب اول: ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء والی پیش گوئی کی اشاعت کے بعد آپ کے ہاں پہلا بیٹا بشیر اوّل پیدا ہوا۔اس بچے کی اعلیٰ فطری استعدادوں کے بارے میں ہونے والے الہامات سے آپ کو یہ خیال ہوا کہ غالباً وہ مصلح موعود ہوگا۔لیکن عُمر کے سولہویں ماہ میں اس بچے کی وفات پر کھلا اور خدا تعالیٰ نے بھی آپ پر یہ ظاہر کر دیا کہ یہ پیش گوئی دراصل دو لڑکوں کے پیدا ہونے کی خبر تھی۔جن میں پہلا بطور ’مہمان‘ تھا جس کے جانے کے بعد دوسرے بشیر کو آنا تھا اور اُسے ہی مصلح موعود ہونا تھا۔نیز مصلح موعود(فضل) کا آنا اس (بشیر اوّل) کے آنے کے ساتھ بتایا گیا ہے جو اس امر پر اشارہ ہے کہ مصلح موعود کو بشیر اوّل کے بعد بلاتوقف پیدا ہونا تھا۔

آپ کی درج ذیل چھ تحریروں سے یہ امر خوب ظاہر ہے:

i۔ ’خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیش گوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے پہلے بشیر کی نسبت پیش گوئی ہے‘۔(سبز اشتہار روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ نمبر ۴۶۳ حاشیہ)

ii۔’مصلح موعود کے حق میں جو پیش گوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا‘۔(سبز اشتہار روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ نمبر ۴۶۷ حاشیہ)

iii۔’سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلاتوقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا۔سو محمود پیدا ہو گیا‘۔(سراجِ منیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۳۶ حاشیہ)

iv۔ ’بذریعہ الہام بتلایا گیا اور صاف ظاہر کیا گیا کہ ظلمت اور روشنی دونوں اس لڑکے کے قدموں کے نیچے ہیں یعنی اس کے قدم اُٹھانے کے بعد جو موت سے مراد ہے ان کا آنا ضرور ہے۔سواے وے لوگو! جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی‘۔(سبز اشتہار روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ نمبر ۴۶۳)

v۔’ضرور تھا کہ اس کا آنا معرضِ التوا میں رہتا جب تک کہ یہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے پیدا ہو کر پھر واپس اُٹھایا جاتا کیونکہ یہ سب امور حکمتِ الٰہیہ نے

اس کے قدموں کے نیچے رکھے تھے اور بشیر اوّل جو فوت ہو گیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا'۔(سبز اشتہار روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ نمبر ۴۶۷ حاشیہ)

vi۔ (بشیر اوّل کے بارے میں بعض) 'الہامات نے یہ خیال پیدا کر دیا کہ غالباً یہ وہی مصلح موعود ہو گا مگر پیچھے سے کھل گیا کہ مصلح موعود نہ تھا مگر مصلح موعود کا بشیر تھا'۔(مکتوب حضرت مسیح موعودؑ بنام حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ تحریر فرمودہ ۴ دسمبر ۱۸۸۸ء مکتوباتِ احمد جلد دوم صفحہ نمبر ۴۷ نیا ایڈیشن)

اس تحریر میں خیال پیدا ہونے سے آپ کا خود ایسا سمجھنا یعنی اجتہاد کرنا ظاہر ہے۔

جواب دوم: پیش گوئی مصلح موعود قادیان میں مقیم نشانِ آسمانی کے دس ہندو ساہو کار طلبگاروں کے لئے ظاہر ہوئی تھی اور ان کے لئے تب ہی حجت ہو سکتی تھی جب یہ ان کے سامنے ظاہر ہوتی۔ تین چار صدیوں کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کے کسی روحانی بیٹے سے اس کا ظہور اس غرض کو کس طرح پورا کر سکتا تھا؟

تیسرا جواب: پیشگوئی مصلح موعود اس آسمانی خبر کا تسلسل ہے جو خود آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ نے آنے والے مسیح کے بارے میں ان الفاظ میں بیان فرمائی تھی کہ 'یتزوج ویولد له' کہ وہ شادی کرے گا اور اس کے اولاد ہو گی۔ شادی اور اولاد ہونا ایک عام قانونِ قدرت ہے اس کا بطور خبر بتایا جانا اس کے خاص ہونے کے سبب ہی ضروری سمجھا گیا۔ جس کی تصدیق ان تفاصیل سے ہو گئی جو اللہ تعالیٰ نے اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ جانے پر خود مسیح موعود کو الہام کیں۔ پس اگر یہ مصلح موعود آپ کی اپنی اولاد میں سے پیدا نہ ہونا تھا تو یہ کس طرح آپ کی صداقت کی دلیل بن سکتا تھا؟

پانچواں اعتراض اور اس کے دو جواب:

اعتراض: مصنف مجدد اعظم لکھتے ہیں: 'حضرت اقدس نے الہام کے ذریعہ کسی لڑکے کے متعلق تخصیص نہیں کی کہ موعود لڑکا کون سا ہے'۔

(مجددِ اعظم جلد اوّل از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب صفحہ نمبر ۱۵۹ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام طبع اوّل ۱۹۳۵ء)

جواب اول: حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دوسرے بیٹے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو واضح الفاظ میں اس پیشگوئی کا مصداق اور مصلح موعود ٹھہرایا۔ جیسا کہ آپ کی درج ذیل تحریروں سے خوب واضح ہے:

i۔ حضرت مسیح موعودؑ نے دوسرے بیٹے کی پیدائش سے پہلے تحریر فرمایا کہ:

'مُصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا اور نیز دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے اور ایک الہام میں اس کا نام فضلِ عُمر ظاہر کیا گیا ہے'۔(سبز اشتہار روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ نمبر ۴۶۷ حاشیہ)

اس لڑکے کی پیدائش پر حضرت مسیح موعودؑ نے اس کا نام تفاول کے طور بشیر اور محمود رکھے اور فرمایا کہ: 'کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی'۔(اشتہار تکمیلِ تبلیغ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء بحوالہ مجموعۂ اشتہارات جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۶۱ حاشیہ نیا ایڈیشن)

اس پیشگوئی کے حوالے سے ایسا ہی ایک اظہار آپ نے پہلے یوں کیا تھا:

''اسی خیال اور انتظار میں سراجِ منیر کے چھاپنے میں توقف کی گئی تھی۔ تا جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جاوے تب اس کا مفصل اور مبسوط حال لکھا جائے۔ (سبز اشتہار روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ نمبر ۴۵۰)

اس سے ظاہر ہے کہ سراجِ مُنیر کی اشاعت 'کامل انکشاف' سے مشروط تھی۔ یہ کتاب آپ نے مُصلح موعود کی پیدائش کی ۹ سالہ میعاد ختم ہونے کے بعد مئی ۱۸۹۷ء میں شائع فرمائی۔ اس کتاب کی اشاعت سے ہی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مطلوبہ کامل انکشاف ہو گیا تھا۔ اس کتاب میں آپ نے سبز اشتہار والی

پیش گوئی کا جو قطعی طور پر مُصلح موعود کے بارے میں تھے پورا ہونا بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

'پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیش گوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے جو اب تک موجود ہیں اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیش گوئی کی میعاد میں پیدا ہوا اور اب نویں سال میں ہے'۔(سراجِ مُنیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۳۶)

آپ نے سبز اشتہار میں پیدائش سے پہلے جسے 'ایک لڑکا' لکھا تھا اب کامل انکشاف کے بعد یہاں اُسے 'وہ لڑکا' لکھا۔یعنی یہ وہی موعود لڑکا ہے جس کے الہامی نام فضل اور محمود بھی تھے۔اور جسے بشیر اوّل کے بعد بلا توقف پیدا ہونا تھا۔

ii۔ دو سال بعد حضرت مسیح موعودؑ نے یہ بات اس طرح دہرائی:

'سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائے گا۔۔۔خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو مطابق ۹ جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوُا اور اس کے پیدا ہونے کی مَیں نے اس اشتہار میں خبر دی ہے جس کے عنوان پر تکمیل تبلیغ موٹی قلم سے لکھا ہوُا ہے جس میں بیعت کی دس شرائط مندرج ہیں اور اس کے صفحہ ۴ پر یہ الہام پسر موعود کی نسبت ہے۔

؎ اے فخرِ رُسل قربِ تو معلومم شُد دیر آمدۂ ز راہ دور آمدۂ' (تریاق القلوب مطبوعہ ۱۸۹۹ء روحانی خزائن ۱۵ صفحہ نمبر ۲۱۹)

جس پسر موعود کے بارے میں پیش گوئی کا پورا ہونا آپ نے یہاں بیان فرمایا ہے اسے ہی سبز اشتہار میں مُصلح موعود لکھا ہے۔اور یوں یہ تحریر پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق کی، بعد انکشاف، یقینی خبر ہے۔

iii۔ایسی ایک اور تحریر یوں ہے:'میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں اس دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے۔دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔۔۔جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوُا جس کا نام محمود رکھا گیا'۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ نمبر ۳۷۴) یہاں بطور تفاول نام رکھے جانے کے بجائے قطعی طور پر اس بیٹے کو سبز اشتہار کے دوسرے بشیر کا مصداق قرار دیا۔ جبکہ اس دوسرے بشیر کو سبز اشتہار میں وہ مصلح موعود فرمایا گیا جس کی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں پیشگوئی تھی۔

پس اس تحریر سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کامل انکشاف کے بعد اپنے اس بیٹے محمود کو ہی پیش گوئی مصلح موعود کا مصداق جانتے تھے۔

جواب دوم: حضرت مسیح موعودؑ کو دوسرے بیٹے کی پیدائش کے بارے میں جو الہام ہوئے اس میں پیشگوئی مصلح موعود میں مذکور بعض علامتیں دہرائی گئیں جن سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دوسرا بیٹا ہی اس پیش گوئی کا مصداق تھا۔جیسا کہ درج ذیل تحریریں:

i۔ 'ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہوگا اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا'۔

(تتمہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء مؤرخہ ۱۵ جولائی ۸۸ء بحوالہ مجموعۂ اشتہارات جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۴۰ نیا ایڈیشن)

ii۔ 'خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ یخلق اللہ مایشاء' (سبز اشتہار جلد ۲ صفحہ نمبر ۴۶۳ حاشیہ)

iii۔ 'خدائے عزوجل نے۔۔۔اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہوگا اور اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ وہ اولوالعزم ہوگا اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا'۔

(اشتہار تکمیلِ تبلیغ مؤرخہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء بحوالہ مجموعۂ اشتہارات جلداوّل صفحہ نمبر ۱۶۰ حاشیہ نیاایڈیشن)

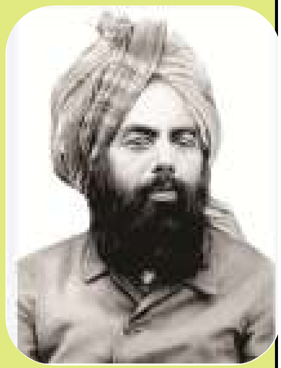
حاصل کلام:

اس پیشگوئی پر کئے جانے والے اعتراضات کی مندرجہ بالا بحث سے یہ سچائی پورے طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دوسرے بیٹے حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کو ہی پیشگوئی مصلح موعود کا مصداق قرار دیا تھا۔ بعد کی تاریخ، آپ کے عظیم کارناموں اور پیشگوئی میں بتائی گئی ساری علامات کے آپ کی ذات میں پورے طور پر اظہار نے اضافی طور پر اس حقیقت پر مہر لگائی کہ یہ عظیم پیشگوئی آپ کے عظیم الشان وجود سے ہی پوری ہوئی۔

ملاقات حضورِ انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ

صفدر نذیر صاحب گولیکی واقف زندگی

ملاقات حضورِ انور، کیا تھا وہ حسین باب
کھلتے ہی دل پہ چھا گیا اک نورانی سا خواب
دیکھنے کی نہ تھی مجھ کو ذرّا بھی تاب
جلوۂ یار میں کھو گیا میرا ہر اضطراب
بیٹھا جب بعد سلام و ادب اور آداب
لب پہ سکون، دل میں تھا بس شوق بے حساب
فرمایا اتارو ذرا یہ چہرے کا نقاب
کھل گیا یوں رازِ دل، مٹ گیا ہر حجاب
فرمایا تم نے پائی عمر ہے بے حساب
میں نے عرض کیا، تھے ملحوظ سب آداب
دیا آپ نے میری ہر اک بات کا جواب
دل کو ملا سکون، مٹ گیا ہر اضطراب
پیش کی جب میں نے اپنی وہ ایک کتاب
فرمایا اب نہ رہے کسی دل میں کوئی عذاب
کہا سب ٹھیک ہے، گزر گئی وہ بات خراب
یاد رہی نہ شکایت، نہ کوئی احتساب
اندازِ بیاں پر آئی تھی جو اک شامتِ عذاب
ہوگئی دور جب میں نے دیا اس کا اک جواب*
ملی معافی تو ہوا دل بھی بے اضطراب
سرخرو ہو کے ملا مجھ کو لطفِ بے حساب
فرمایا تم کتابیں مجھے دے رہے ہو اب
عرض کیا حضور، سب کچھ ہے آپ ہی کا حساب
انگوٹھی پہ لکھا تھا "مولیٰ بس" اک خطاب
چھوا اسے پیار سے، تھا وہ لمحہ لاجواب
فرمایا بنواؤ تصویر، نہ کرو کوئی تاخیر
میں نے بڑھ کر کیا حکم کی فوراً تعمیل نصاب
کہا کندھے میں ہے درد، ہے حالت کچھ خراب
رکھا ہاتھ جو آپ نے، مٹ گیا وہ عذاب
گھٹی کے لیے شہد بھی کیا آپ نے بابرکت
دور رہے ہر بلا، ہر مصیبت اور عتاب
فرمایا کہاں تھا تمہارا یہ سارا قیام
عرض کیا گیسٹ ہاؤس میں گزرا میرا وہ باب
فرمایا اب کہاں کا ہے تم کا ارادہ
عرض کیا بیت الفتوح ہے اگلا میرا نصاب
فرمایا کون لے جائے گا تم کو ادھر
عرض کیا کزن ہے میرا، وہی میرا ہم رکاب
فرمایا اللہ کی امان و سلام ہو تم پر
عرض کیا ہوں آپ پہ رحمتیں بے حساب
تسنیم! دیدارِ صنم بن گیا اک خواب
ہر اک بات ان کی تھی مانندِ خوش گلاب



یاجوج ماجوج اور حضرت ذوالقرنین

افاضات از تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام



(انجینئر محمود مجیب اصغر سویڈن)

قرآن کریم میں یاجوج ماجوج کا ذکر

قرآن کریم میں دو جگہ یاجوج ماجوج کا ذکر آیا ہے سورۃ الکہف آیت 95 میں یاجوج ماجوج کے فساد کو روکنے کے لئے حضرت ذوالقرنین کا ذکر ہے فرمایا قالو یذا القرنین ان یاجوج و ماجوج مفسدون فی الارض فھل نجعل لك خرجا علی ان تجعل بیننا و بینھم سدا (الکہف:95) تب وہ اس کو کہیں گے کہ اے ذوالقرنین ! یاجوج اور ماجوج نے زمین میں فساد مچا رکھا ہے پس اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم آپ کے لئے چندہ جمع کر دیں تا کہ آپ ہم میں اور ان میں کوئی روک بنا دیں۔

سورۃ الانبیاء آیت 97,96 میں فرمایا و حرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون ۔ حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون۔ اور ہر ایک بستی جسے ہم نے ہلاک کیا اس کے لئے یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اس کے بسنے والے لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔ یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کے لئے دروازہ کھول دیا جائے گا اور وہ ہر پہاڑی اور ہر سمندر کی لہر پر سے پھلانگتے ہوئے دنیا میں پھیل جائیں گے۔

یاجوج ماجوج اور دجال

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ''یاجوج ماجوج ایک ایسی قوم کے دو نام ہیں جس کی شاخیں ہمارے اس آخری زمانہ میں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہ اپنی صفات میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور یہ قوم روس اور انگریز ہیں اور ان کے بھائی بند ہیں اور دجال ان پادریوں کی فوج ہے جو انجیل کی طرف دعوت دیتی ہے اور باطل اور حق کو ملا کر دجل سے کام لیتے ہیں۔ ہندوستان ان کا ٹھکانہ بن گیا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوگئی ہے کہ یہ لوگ بلاد مشرق سے خروج کریں گے سو وہ ہندوستان کے مشرق سے نکل رہے ہیں اور اگر دجال ہمارے بیان کے خلاف کوئی اور ہوتا اور اسی طرح یاجوج ماجوج مذکورہ بالا قوموں کے علاوہ ہوتے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اختلاف اور تناقض لازم آتا اور مجھے خدا کی قسم ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس سے پاک اور منزہ ہے"

(آئینہ کمالات اسلام سن تصنیف 1892ء عربی سے اردو ترجمہ بحوالہ تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 5 صفحہ 309308)

"سب سے بڑا فتنہ یہی نصاریٰ کا فتنہ ہے اور الدجال کا بروز ہے۔ ایسا ہی یاجوج۔ یہ لفظ اجیج سے مشتق ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آتشی کاموں کے ساتھ ان کا بہت تعلق ہوگا اور وہ آگ سے کام لینے میں بہت مہارت رکھیں گے گویا آگ ان کے قابو میں ہوگی اور دوسرے لوگ اس آتشی مقابلہ میں ان سے عاجز رہ جائیں گے۔ اب یہ کیسی صاف بات ہے۔ دیکھ لو کہ آگ کے ساتھ اس قوم کو کس قدر تعلق ہے۔ کلیں کس قدر جاری ہیں اور دن بدن آگ سے کام لینے میں ترقی کر رہے ہیں۔ یہ دونوں بروز ہیں اور یہ دونوں کیفیتیں جو متفرق طور پر تھیں ایک میں آ گئی ہیں۔ ایسا ہی ماجوج ہیں

"(الحکم 24 اپریل 1901ء تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود جلد 5 صفحہ 307۔308)

لنڈن ۔میں یاجوج ماجوج کے بت

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" ایک دفعہ میرا ایک دوست لنڈن گیا جسے میں نے فرمائش کی کہ وہاں کی سب سے پرانی یادگار کا پتہ لگائے چنانچہ اس نے تحقیق کی تو اسے دو بت دکھائے گئے جو یاجوج ماجوج کے تھے اور اسے بتلایا گیا کہ اس ملک کی سب سے پرانی یادگار یہی ہے" (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 44) حضرت خلیفۃ المسیح اول نے یاجوج ماجوج اور ذولقرنین پر سیر حاصل بحث کی ہے۔آپ فرماتے ہیں " پھر میں کہتا ہوں اس قوم یاجوج ماجوج کے ثابت کرنے کے لئے ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔حقیقۃ ضرورت نہیں۔اس لئے کہ لندن میں ان دونوں قوموں کے ورثان اعظم کے اسٹیچو (بت) موجود ہیں۔غور کرو اور سنو اس تحقیق میں بحمد اللہ نورالدین اول انسان ہے جس نے اردو میں اس کو شائع کیا۔۔۔"

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 47)

اس عاجز کو بھی گلڈ ہال لندن جا کر ان بتوں کو دیکھنے اور ساتھ لائبریری میں اس کی تفصیل پڑھنے کا موقع ملا۔الحمد للہ

لندن دراصل ان قوموں کا عالمی مرکز ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو شناخت کرنے کے لئے ان کی بتوں کی نمائش کا انتظام لنڈن میں کر دیا

ذوالقرنین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ’’میں نے ہجری تقویم کی دو صدیوں کو پایا ہے۔ایسا ہی عیسوی سن کے لحاظ سے جس سے لوگ اپنا حساب کرتے ہیں دو صدیوں کو پایا ہے اسی لئے اللہ کی کتاب نے مجھے ذوالقرنین کا نام دیا ہے۔۔۔۔میں اس وقت مبعوث ہوا جب کہ یاجوج و ماجوج کھول دیئے گئے اور وہ ہر بلندی سے پھلانگتے ہوئے دنیا میں پھیل گئے۔پس میں اس غرض کے لئے مبعوث کیا گیا کہ مسلمانوں کو یاجوج و ماجوج کے حملوں سے آیات بینات اور ایسی دعاؤں کے ذریعہ سے جو فرشتوں کو آسمان سے زمین پر کھینچ لاتی ہیں محفوظ کروں اور تا میں ان لوگوں کے لئے ایک دیوار بنا دوں جو اطاعت گزار ہیں" (تفسیر بیان فرمودہ مسیح موعود جلد 5 صفحہ 302،303 حاشیہ بحوالہ تذکرۃ الشہادتین عربی سے اردو ترجمہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل



برکاتِ خلافت

پروفیسر عبدالسلام صاحب اختر

یہ نکتہ کیا نہیں ہے آدمی کے غور کے قابل؟
کہ پتہ شاخ سے گرتا ہے جب مرجھا ہی جاتا ہے!
رواں ہے بلبلے کی ناؤ بھی دریا کی موجوں پر
ذرا ابھرے تو ہیئت میں تغیر آ ہی جاتا ہے!
سبق دیتی ہے تاریخِ خلافت اہل عالم کو
کہ اہل حق کے قدموں میں زمانہ آ ہی جاتا ہے!
ہزاروں ہوں گھنے تاریک بادل چھٹ ہی جاتے ہیں
کہ جب سورج نکلتا ہے تو آخر چھا ہی جاتا ہے!
اخوت ایک نعمت ہے۔ وگرنہ سلسلہ غم کا
اگر ہو مستقل تو آدمی گھبرا ہی جاتا ہے!
عجب شے ہے جہاں میں جذبہ شوقِ محبت بھی
جو اس کو ڈھونڈنے آتا ہے آخر پا ہی جاتا ہے!
جو سچ پوچھو تو شمع دل خلافت سے ہے نورانی
یہی ہے رمزِ قرآنی۔ یہی رازِ جہانبانی

(الفرقان جولائی 1958ء)

آپ نے بھی ان آیات قرآنی کی شاندار تفسیر فرمائی ہے اور دنیا میں رائج تمام کیلنڈرز سے ثابت کیا ہے کہ ہر کیلنڈر کے لحاظ سے مسیح موعود ہی ذوالقرنین ہیں جن کو دو صدیاں ملیں۔فرمایا ''اب ہم اپنے عہد مبارک کو دیکھتے ہیں۔تو اس میں ایک امام ہمام اور مہدی آخرالزمان عیسی دوران کو پاتے ہیں کہ وہ بلحاظ اس معنی قرن کے جس میں سو برس قرن کے معنی لئے گئے ہیں ذوالقرنین ہے۔جیسے ہمارے نقشہ سے ظاہر ہے اور اس قدر دونوں صدیوں کو اس ذوالقرنین نے لیا ہے کہ ایک سعادت مند کو اعتراض کا موقعہ نہیں رہتا بلکہ حیرت اور یقین ہوتا ہے کہ یہ کیسی آیۃً بینہ اور دلیل نیر اس امام کے لئے ہے۔اور اس ذوالقرنین نے بھی نہایت مستحکم دیوار دعاوی اور حجج و دلائل نیرہ کی بلکہ یوں کہیں کہ مسئلہ وفات مسیح اور ابطال الوہیت مسیح کی بتادی ہے کہ اب ممکن ہی نہیں۔یاجوج ماجوج ہماری جنت اسلام پر حملہ کر سکے۔اور کبھی اس میں داخل ہو سکے۔فجز اہ اللہ احسن الجزاء عن الاسلام والمسلمین۔سعدی نے مال زر کو بھی سد بتایا تھا مگر وہ سد کیا سد تھی جیسے سعدی علیہ رحمۃ نے کہا ہے۔تراسد یاجوج کفر از زر است (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 35)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

سنہ پیدائش حضرت صاحب مسیح موعود و مہدی سنہ ۱۸۳۹

عمر حضرت صاحب	سنہ عیسوی	کس سنہ کی ایک صدی کا اختتام اور دوسرے سنہ کا آغاز ہوا	عمر حضرت صاحب	سنہ عیسوی	کس سنہ کی ایک صدی کا اختتام اور دوسرے سنہ کا آغاز ہوا
۱	سنہ ۱۸۴۰ء	سنہ ۵۶۰۰ یہود	۸	سنہ ۱۸۴۷ء	سنہ ۲۶۰۰ رومی
۹	۱۸۴۸ء	۱۹۰۰ بکرمی	۴۹	۱۸۸۸ء	۲۲۰۰ مقدونی
۱۳	۱۸۵۲ء	۱۹۰۰ عیسوی انطاکیہ	۵۱	۱۸۹۰ء	۲۰۰۰ صدوقیہ
۱۴	۱۸۵۳ء	۲۶۰۰ بخت نصر	۵۲	۱۸۹۲ء	۵۹۰۰ منٹرین
۱۶	۱۸۵۵ء	۱۹۰۰ جولین عیسوی	۵۳	۱۸۹۲ء	۴۷۰۰ قسطنطنیہ ملکی
۲۳	۱۸۶۲ء	۱۹۰۰ ہسپانی	۵۵	۱۸۹۴ء	۱۳۰۰ فصلی
۲۷	۱۸۶۶ء	۱۸۰۰ مکابیز	۵۶	۱۸۹۵ء	۱۹۰۰ صوری
۲۹	۱۸۶۸ء	۲۳۰۰ سٹانک سائیکل	۵۹	۱۸۹۸ء	۴۷۰۰ سکندری
۳۱	۱۸۷۰ء	۱۹۰۰ اکشن	۶۱	۱۹۰۰ء	۱۹۰۰ عیسوی
۳۳	۱۸۷۲ء	۱۹۰۰ اکتیسی	۶۳	۱۹۰۲ء	۷۵۰۰ ایرانی منٹرین
۳۶	۱۸۷۵ء	۲۰۰۰ صوریہ	۶۹	۱۹۰۸ء	۱۴۷۰۰ انطاقیہ مذہبی
۴۰	۱۸۷۹ء	۱۸۰۰ تباہی یروشلم	۵۱	۱۸۹۰ء	۱۳۰۰ فصلی الٰہی
۴۳	۱۸۸۲ء	۱۳۰۰ ہجری علی صاحبہا التحیۃ والسلام	۵۳	۱۸۹۲ء	۱۳۰۰ فصلی
			۵۴	۱۸۹۳ء	۱۳۰۰ بنگلہ
۴۵	۱۸۸۴ء	۱۶۰۰ ڈایوکلیشن	۴	۱۸۴۳ء	۱۹۰۰ بیوسٹہ
۴۶	۱۸۸۵ء	۳۹۰۰ ابراہیمی	۶۱	۱۹۰۰ء	۱۹۶۰۸۵۳۰۰ آریہ
۴۸	۱۸۸۷ء	۶۶۰۰ چینین			

(نورالدین طبع ثالث صفحہ ۱۸۹--۱۹۰)

(نوٹ: کتاب نورالدین کے صفحہ ۱۸۹--۱۹۰ سے مندرجہ بالا نقشہ نقل مطابق اصل ہے۔بعد کی تحقیق سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سن ولادت ۱۸۳۵ء ثابت ہو چکا ہے اس لئے سن ولادت ۱۸۳۹ء کی بجائے ۱۸۳۵ء اور اسی کے مطابق دی ہوئی عمر میں ہر جگہ ۴ سال کا اضافہ سمجھا جائے۔ سید عبدالحئی)



قصیدہ بنام خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قمر اجنالوی



قصیدہ ''بنام خیر الانام''

قمر اجنالوی بطور ناول نگار اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں، پلاٹ کی تشکیل، کردار کی پیشکش اور حقیقی تاریخی واقعات کو جمالیاتی رنگ دینے میں آج ان کا شاید ہی کوئی ثانی ہو۔ اسلام سے ان کی بے پناہ محبت اور عقیدت اس بات کی مظہر ہے کہ انہوں نے اپنے تخلیقی لمحات کے ایک وافر حصے کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثناء کے لئے وقف کیا۔ ان کے جذبے کی صداقت اور فنی قابلیت میں تو کوئی کلام نہیں ہوسکتا لیکن ان کے اظہار واسلوب میں جو شگفتگی تیقن، بھرپور محبت اور عقیدت کی جھنکار خود قاری کو بھی وجد میں لے آتی ہے۔ ان کا یہ قصیدہ اردو ادب کی اصل شعری روایت کی ایک اہم کڑی ہے اور اسے پڑھتے ہوئے قاری کو نہ صرف اپنے احساسات کا عکس ان کی تحریر میں نظر آئے گا بلکہ اسے بار بار پڑھ کے جذبۂ ایمانی میں گہرائی اور ایک عجیب قسم کی روحانی خوشی محسوس ہوگی۔

مجھ عاصی شخص کو بھی اس قصدے کو پڑھ کر امام بصیری کا قصیدہ بردا جو تمام عالمِ اسلام میں صدیوں سے پڑھا جاتا رہا ہے۔ یاد آ گیا اور محسوس ہوا کہ اس قسم کے قصائد عالم اسلام کو متحد اور یک جا کرنے میں غیر محسوس قسم کا انتہائی اہم کردار ادا کریں گے۔ مجھے یقیناً اس بات سے خوشی ہوگی، اگر قمر اجنالوی کے اس قصیدے کو عالم اسلام کی مختلف زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے اور اس کی اشاعت کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جائے۔ میں قمر اجنالوی کو ان کی اس اعلیٰ تخلیق پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کا اصل اجر تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہی سے مل سکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف انجم

صدر شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج لاہور۔ سابق رئیس شعبہ لغات الاجنبیہ، کلیۃ۔ جامعہ ملک عبدالعزیز مدینہ منورہ

1945ء کی اس تاریخی رات کے نام جس کی فردوسی ساعتوں میں مجھ تہی عمل کو سرورِ کائنات، فخر الاولین والآخرین حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اے کاش! وہ رات پھر آ سکے۔ قمر اجنالوی

غیر منقوط

لکھی ہے مدحِ سرکار دو عالم	کلی دل کی ہوا سے کھل گی ہے
سحر طالع ہوئی دورِ عمل کی	محمد کی گدائی مل گئی ہے

گزارش احوال

اس قصیدے کے بارے میں مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جو کچھ لکھا وہ نہ صرف میرے جذبات کی ترجمانی کرتا بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ مجھے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ان کی امت کا احوال واقعی بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ مجھ سے پہلے مولانا حالی اور علامہ اقبال جیسے قومی شاعر مسلمانوں کی حالتِ زار کا مرثیہ لکھ چکے ہیں مگر میرے نزدیک صورتِ حال کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ امت کی زبوں حالی کا یہ نقشہ مخبر صادق ﷺ نے چودہ سو سال قبل ایک پیشگوئی کی صورت میں بیان فرما دیا تھا۔

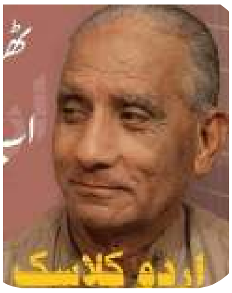
یہ حدیث کافی طویل ہے جس میں امت کی بدحالی، نکبت اور خواری کی خبر دی گئی تھی۔ حضورؐ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی طرح پورا ہوا مگر جس طرح اللہ تعالیٰ وقت اور زمانے اور قوموں کے حالات تبدیل کرتا ہے اسی طرح زوال و ادبار کے بعد امت مسلمہ کے لئے نشاۃِ ثانیہ (دوسری پیدائش) کی اطلاع بھی دی گئی تھی۔ یہی وہ اہم موڑ یا دورِ ثانی ہے جس کے ساتھ ہماری ساری امیدیں وابستہ ہیں اور جسے......اور مفسرین نے سورۂ جمعہ کی اس آیت سے منسلک کیا ہے کہ **واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم**۔

کسی قوم کے معاشرتی حالات اس کے افراد کی خرابی کے باعث بگڑتے ہیں لیکن خرابی کو دور کرنے اور گزری عظمتوں کی بازیابی کے لئے قوم کو ''دوسری پیدائش'' کے کٹھن مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے جس کے ساتھ روحانی اور معاشرتی تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے۔ قانون قدرت کے مطابق امت مسلمہ بھی تبدیلی کے اس عمل سے گزرے بغیر دورِ ثانی میں داخل نہیں ہوسکتی۔

محترم احمد ندیم قاسمی صاحب نے درست کہا ہے کہ بعض مقامات پر الفاظ میں میرے آنسو صاف جھلکتے نظر آتے ہیں اور اصل قصیدہ لکھتے اور امت کی زبوں حالی کا ذکر کرتے وقت میرے آنسو خود بہ خود جاری ہو جاتے تھے۔ اور دِل میں سوز و گداز کی جو کیفیت پیدا ہوتی تھی وہ الفاظ میں ڈھلتی جاتی تھی۔ معاملے کی یہ صورت بیان کرنے کے بعد میں جناب احمد ندیم قاسمی، جناب قتیل شفائی، جناب ڈاکٹر سید عبادت بریلوی، جناب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، مولانا ......سرحدی، ماہر تعلیم پروفیسر غلام جیلانی اصغر، پروفیسر شیخ محمد اقبال اور دوسرے تمام حضرات کا بے حد ممنون ہوں جنھوں نے نثر یا نظم کے ذریعے اس قصیدے کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

میں جناب انوار قمر اور پروفیسر ہارون رشید تبسم ایم اے کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے پنجاب اکادمی کے تحت لاہور میں اور انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام سرگودھا میں خصوصی تقریبات منعقد کیں جہاں مجھے قصیدہ ''بنام خیرالانام'' سنانے کا موقع ملا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ 1983ء میں حضرت بابا بلھے شاہ (قصور) کے سالانہ عرس اور 1984ء میں حضرت موج دریاؒ (لاہور) کے سالانہ عرس پر جو مشاعرے ہوئے، نہ صرف ان کی صدارت مجھے تفویض کی گئی بلکہ نعتیہ قصیدہ سننے کے بعد میری دستار بندی بھی ہوئی۔ علاوہ ازیں اکثر مشاعروں اور محفلوں میں مجھ سے قصیدہ ''بنام خیر الانام'' پڑھنے کی فرمائش ہوتی رہی ہے۔ کیوں کہ ادبی، سماجی اور دینی حلقوں میں اس قصیدے نے بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ میں نے جب اور جہاں بھی یہ قصیدہ پڑھا حاضرین پر وجد و کیف کی عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی اور ایک دل گداز سا سماں پیدا ہوگیا۔ مجھے امید ہے قارئین اس قصیدے کو پڑھنے یا سننے کے بعد مصنف کے حق میں دعائے خیر کریں گے۔ میں آخر میں اپنے پیارے دوست فلمساز حبیب کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے لاہور میں تقریب کے انعقاد اور مہمانوں کی پذیرائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی طرح میرے دوست سید بشیر احمد شاہ سابق ڈائریکٹر تعلقات عامہ پنجاب (لاہور) بھی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے مہمانوں کی آمد و واپسی کے لئے ٹرانسپورٹ میں تعاون کیا۔

کتابت کی دنیا میں جناب نذیر ہاشمی کا نام سند کی حیثیت رکھتا ہے۔انھوں نے ''بنام خیرالانام'' کی کتابت پوری ......پختگی کے ساتھ کی ہے اور سلیم اختر صاحب نے اس کا سرورق بڑی محبت سے تیار کیا ہے۔قصیدے کی طباعت واشاعت کے لئے الحاج جناب عبدالحفیظ صاحب قریشی بھی تحسین کے مستحق ہیں۔قمراجنالوی



ایک تاریخی تقریب (رپورٹ۔اقبال راہی)

ہم کسی کام سے انوار قمر صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے بتایا کہ آج سوز وگداز کی عجیب دل میں لئے ہوئے ہوں۔ پتہ چلا کہ انھوں نے وہ قصیدہ سنا جو نامور صحافی ،ممتاز شاعر وادیب جناب قمر اجنالوی صاحب نے لکھا ہے۔ ہمارے دل میں بھی شوق پیدا ہوا۔ انوار صاحب ہمارے ارادے بھانپ گئے اور قمر اجنالوی صاحب کے کمرے میں لے گئے۔ وہ اس وقت قلم کے جوہر دکھا رہے تھے۔ہمیں دیکھا تو مسکراہٹوں کے پھول بکھیرتے ہوئے محوِ گفتگو ہوئے۔ باتوں باتوں میں ہم نے قصیدے کی فرمائش کی تو ان کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک عود کر آئی۔ چہرہ فرطِ عقیدت ومسرت سے نور بار ہو گیا۔ دراز سے کاغذ نکالے اور پڑھنا شروع کیا۔ وہ قصیدہ پڑھ رہے تھے اور ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی طاقت لہو میں روشنی کے ذرات داخل کر رہی ہے جب قصیدے کا اختتام تو فرطِ جذبات سے ہم اتنے مغلوب ہوئے کہ کافی دیر تو کچھ بولا ہی نہیں گیا اور پھر ہم عقیدت ومسرت کے آنسوؤں کا نذرانۂ عقیدت پیش کر کے رخصت ہو گئے۔ چند روز بعد معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے اس بے مثال قصیدہ ''بنام خیرالانام'' کی تقریب کا اہتمام پنجاب اکادمی کر رہی ہے۔ یہ سعادت فلمسٹار حبیب صاحب نے اپنے ذمہ لی کہ تقریب ان کی رہائش گاہ واقع جیل روڈ پر ہوگی۔ چنانچہ پہلے جمعرات 25 ستمبر اور پھر 2 اکتوبر کی تاریخ طے پائی۔

یہ تو تھی تقریب کی تمہید! اب ہم آپ کو حبیب صاحب کو کوٹھی پر لیے چلتے ہیں جہاں شاعر، ادیب،صحافی، دانشور، پروفیسر،وکلاء اور تقریباً ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے نامور افراد نبی اکرمؐ کا ذکرِ مبارک سننے کے لئے کشاں کشاں چلے آ رہے ہیں۔کوٹھی کا خوبصورت باغیچہ کرسیوں اور صوفے سیٹ سے آراستہ ہے۔گلاب اور چنبیلی کی بھینی بھینی خوشبو دل ودماغ کو معطر کر رہی ہے۔دروازے پر حبیب صاحب دلنواز مسکراہٹ سے شعراء اور دیگر مہمانوں کا استقبال کر رہے ہیں۔دیکھتے ہی دیکھتے پورا باغ حاضرین کی لپیٹ میں آ گیا۔

تقریباً پونے سات بجے جناب انوار قمر نے سٹیج سیکرٹری کے طور پر مائیک سنبھالا اور اپنے مخصوص لہجے میں تقریب کے صدر ملک کے نامور شاعر وادیب جناب احمد ندیم قاسمی کو کرسیٔ صدارت پر فائز ہونے کی دعوت دی۔ پھر مہمانِ خصوصی ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب اور جناب قمر اجنالوی کو بھی ان کے ساتھ تشریف رکھنے کے لئے کہا اور تلاوتِ کلام پاک کے لئے جناب حافظ شورش دہلوی سے گزارش کی گئی۔

تقریب کا آغاز فلمسٹار حبیب صاحب کے ابتدائی کلمات سے ہوا۔انہوں نے قمر اجنالوی صاحب سے میرے بڑے پرانے تعلقات ہیں۔وہ نہایت مخلص انسان اور بڑے اچھے شاعر ہیں۔آج میرا سر فخر سے بلند ہے کہ اس پاکیزہ تقریب کے لئے میرے غریب خانہ کو منتخب کیا گیا ہے۔انہوں نے کہا میری دعا ہے کہ جناب قمر اجنالوی صاحب ایسے نعتیہ قصائد لکھتے رہیں اور میں اس قسم کی پاکیزہ تقریبات کی سعادت حاصل کرتا رہوں۔

اس مختصر خطاب کے بعد قمر اجنالوی صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے ہمیں پکارا گیا۔صرف دو شعر پیش خدمت ہیں۔

ہے تجلی کی حدوں میں تیرا تا بندہ شعور	عزم کا ہمت کا مینارہ، تیری طبع غیور
ہیں تیری بیدار نظریں وقت کی رفتار پر	چاک کرتی ہے ستاروں کی قبا تیری نظر

ہمارے بعد جناب انوار قمر نے خطاب شروع کیا۔انہوں نے نہایت مختصر مگر جامع انداز سے نعتیہ قصائد کا ذکر کیا۔عربی اور فارسی کے مشہور قصیدوں کا جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا قمر اجنالوی صاحب کا قصیدہ بے شمار خوبیوں کا حامل ہے کہ انہوں نے ادب و احترام کے ساتھ نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ انوار قمر صاحب نے قمر اجنالوی کی شاعری، ناول نگاری اور صحافیانہ مہارت کا ذکر کرتے ہوئے ان کے متعلق مشاہیر، شعراء، ادباء کی آراء کے اقتباسات بھی پیش کئے۔

ان کے بعد معروف شاعر جناب اقبال سرہندی نے دو قطعات پڑھے جن میں قمر اجنالوی صاحب کی شاعری، انسانی خوبیوں اور ملنساری کا ذکر نہایت خوبصورت انداز میں موجود تھا۔ملاحظہ فرمائیے۔

زبان شعر بھی نطقِ سخن بھی	ادب کے باب میں حسنِ سخن بھی
قمر اجنالوی کی خوبیوں میں	ہے شامل مدحتِ شاہ زمنؐ بھی

پھر خواجہ غلام جیلانی باصر اسٹیج پر تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں کہا کہ قمر اجنالوی صاحب کا کلام عصرِ حاضر کی بدلی ہوئی اقدار سے مکمل ہم آہنگ ہے۔یہ جو کلام آپ سنیں گے ان کی شاعرانہ عظمت کا کمال ہے۔انہوں نے رسول کریمؐ کے حضور گذارشات پیش کر کے اسے نعت کا جامہ پہنایا ہے۔ پوری نعت روشن ہے۔انہوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی پر اپنے پاکیزہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔قصیدہ ''بنام خیر الانام'' میں لطیف اور نادر استعارے موجود ہیں۔قمر صاحب نے اس موضوع کو جس سوز و گداز سے پیش کیا ہے وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے۔

خواجہ صاحب کے اس پُر مغز مقالے کے بعد معروف شاہ جناب شریف شیوہ نے قمر اجنالوی کو یوں نذرانہ پیش کیا۔

تو ماہتابِ نثر بھی مہر سخن بھی ہے	یارانِ اہل فن کے لئے میر فن بھی ہے

ڈاکٹر عبد السلام خورشید صاحب کسی خاص مصروفیت کی بنا پر تشریف نہیں لا سکے تھے۔

انہوں نے محبت و عقیدت سے لبریز مقالہ ارسال فرمایا۔یہ مقالہ عثمان عرفانی نے پڑھ کر سنایا۔جن میں انہوں نے لکھا تھا۔

''میں نے بڑی خوبصورت نعتیں پڑھی ہیں لیکن ''بنام خیر الانامؐ'' نے طبیعت پر جو سحر طاری کیا وہ ایک نیا مشاہدہ ہے۔اس تخلیق کی کامیابی کا بنیادی سبب عشقِ رسولؐ کی فراوانی ہے علاوہ ازیں زبان میں بلا کر دسترس، فن شعر پر پورا عبور، روانی اور بے ساختگی، تاریخ اسلام سے آگہی، عالمی حالات سے آشنائی اور دورِ حاضر کی معاشی تقاضوں کا شعور، یہ وہ عناصر ہیں جنہوں نے اس تخلیق کو دنیائے ادب میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کرنے میں مدد دی ہے۔

مہمان خصوصی ڈاکٹر عبادت بریلوی نے کہا کہ قمر اجنالوی صاحب کے قصیدہ سے متعلق ان کے تاثیرات بھی وہی ہیں جو ڈاکٹر عبد السلام خورشید کے ہیں۔انہوں نے بجا طور پر لکھا ہے کہ اس سے پیشتر کسی انسانی تحریر نے اتنا کیف و سرور نہیں بخشا۔انہوں نے کہا قمر اجنالوی کا نعتیہ قصیدہ حالی کی مسدس اور اقبال کے شکوہ کے بعد اردو شاعری میں ایک منفرد تخلیق ہے۔ نبی اکرمؐ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے شاعر نے بڑے خوبصورت انداز سے چودہ سو سال کی تاریخ بیان کر دی ہے۔جس میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ، ان کے کارہائے نمایاں اور موجود حالتِ زار بیان کرتے ہوئے بڑی دلسوزی کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے مدد کی درخواست کی ہے۔ڈاکٹر صاحب کے بعد قصیدہ ''بنام خیر الانام'' کے خالق جناب قمر اجنالوی صاحب سے اپنا نعتیہ قصیدہ سنانے کے فرمائش کی گئی۔قمر اجنالوی صاحب مائیک پر آئے اور قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ ہر شعر پر داد و تحسین کا وہ شور بلند ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔جب قصیدہ درمیان تک پہنچا تو قمر اجنالوی پسینے سے شرابور ہو چکے تھے۔یوں لگتا تھا جذبات کی لہریں ان کے رگ و پے میں رقص

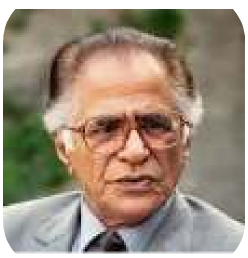
کر رہی ہیں۔ان کا چہرہ فرطِ عقیدت سے جگمگا رہا تھا۔حاضرین نے کئی بند دوبارہ پڑھوائے قصیدہ جب اختتام کو پہنچا تو قمر صاحب عشق رسولؐ کے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی نشست پر جا بیٹھے۔محفل میں شریک بیشتر افراد کی آنکھیں نمناک ہو چکی تھیں۔

آخر میں اس تقریب کے صدر پاک و ہند کے ممتاز شاعر و ادیب جناب احمد ندیم قاسمی نے خطبہ صدارت پڑھا۔لہجے کی شگفتگی، اندازِ بیان کا سوچ، سامعین کو مسحور کئے دے رہا تھا۔انہوں نے بڑی تفصیل سے قصیدے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اور قمر اجنالوی صاحب کے دعائیہ بندوں کے ساتھ خود بھی دعا میں شریک ہوئے ''رحمۃ للعالمین'' اپنے غلاموں پر نظرِ کرم فرمائیں۔قاسمی صاحب کے وجد آفرین خطبہ صدارت کے بعد اسٹیج سیکرٹری انوار قمر صاحب نے صدرِ محترم، مہمان خصوصی میزبان حبیب صاحب اور تمام شرکائے محفل کا بڑے خوبصورت انداز میں شکریہ ادا کیا۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے کھانے کی دعوت دی۔کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حبیب صاحب نے ہر شخص کو بڑی محبت کے ساتھ رخصت کیا یہ ایک ایسی یادگار محفل تھی جس کی مثال گزشتہ کئی سال کی ادبی تقریبات کے حوالے سے نہیں دی جاسکتی اور یقین ہے کہ اس کا کیف و سرور ایک عرصہ تک قائم رہے گا۔

ذکرِ حضورؐ

ہر حکم ترا صورت خورشید علم ہے	ہر بات تری لوح زمانہ پہ رقم ہے
کوثر سے لبِ خامہ کو دھولوں تو کروں ذکر	حقا کہ ترا ہی معراج قلم ہے
جبینِ ماہ شرمائی تھی اس خندہ جبینی پر	ملائک نے کہی تھی مرحبا وصفِ مبینی پر
اسی کے فیض سے روشن ہوئے قلب و نظر اپنے	قمر ایمان ہے حضرتؐ کی ختم المرسلینی پر

اس قصیدے کی شہرت ایوان صدر اسلام آباد تک بھی جا پہنچی چنانچہ صدر جنرل ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو قصیدے کی کیسٹ جنرل شفیق الرحمٰن چیئرمین اکادمی ادبیات کی معرفت بھیجی گئی تاکہ موصوف 'بنام خیر الانامؐ' کے آئینے میں اسلامیان عالم کی حالت زار اور اپنے نفاذِ اسلام کا جائزہ لے سکیں۔یہ کیسٹ ان کے اسسٹنٹ ملٹری سیکرٹری نے شکرے کے ساتھ واپس بھیجی۔



قمر اجنالوی کا نعتیہ قصیدہ۔اسلامی دنیا کا پینوراما

حضرت احمد ندیم قاسمی کا خطبہ صدارت

قمر اجنالوی کا قصیدہ نعتیہ ''بنا خیر الآنامؐ'' اردو کی نعتیہ شاعری میں اس لحاظ سے ایک سعی بلیغ ہے کہ اس میں شاعر نے آج کی اسلامی دنیا کا پورا پینوراما اس کے صحیح تاریخی پس منظر اور سچے عصری تناظر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا ہے، یہ موضوع علامہ اقبال کی مشہور نظم ''شکوہ'' سے بہت مماثل ہے مگر فرق یہ ہے کہ علامہ کا مخاطب خدا ہے اور قمر اجنالوی کے مخاطب محبوبِ خدا ہیں۔خدا سے تو ہم شاعر لوگ جھگڑ بھی لیتے ہیں، شکایت بھی کر لیتے ہیں۔ان حد تک بھی پہنچ جاتے ہیں کہ 'یا اپنا گریبان چاک یا دامنِ یزداں چاک''

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربار تو ایسا دربار ہے کہ ''نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا''

چنانچہ میرے خیال میں حمد کہنا آسان ہے اور نعت کہنا مشکل ہے۔قمر اجنالوی کو صورتحال کی اس نزاکت کا مکمل احساس ہے۔سوانہوں نے ''بنام خیر الآنام'' کے ابتدائی سات بند اس گومگو میں نظم کئے ہیں کہ کہیں اس سے کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے اور اس سے کسی شوخی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔آغاز ہی میں شاعر نے خود کو ادب واحترام کا پابند کرلیا ہے اور حق بات یہ ہے کہ نعتیہ کلام کی بنیادی شرط یہی ادب واحترام ہے،فرطِ عقیدت ایک نعمت ہے مگر اس عالم میں احتیاط دامن ذرا سا بھی چھوٹا تو سمجھ لیجئے کہ شاعر کا کلام نعمت سے منصب سے گر گیا۔قمر اجنالوی کو اسی لئے ابتداء میں قصیدہ نعتیہ لکھنے کے معیار و اسلوب کی جستجو ہے اور جب وہ طے کر لیتا ہے کہ ادب ہے شرطِ کلام تو تب جا کر وہ اپنے مرکزی مقصد و مفہوم کی طرف پلٹتا ہے اور آنحضرتؐ کی بے نظیر عظمت اور بے مثال رفعت کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوا انہیں ان کی امت کا احوال سنانے لگتا ہے۔اس میں بھی ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ جب تک شاعر امتِ مسلمہ کی حالتِ زار کی تفصیل بیان کرتا ہے۔اس کا تخاطب براہ راست آنحضرتؐ سے نہیں ہے بلکہ وہ جیسے اپنے آپ کو سمجھا رہا ہے کہ حضورؐ کو اس کیفیت کی بھی اطلاع دو اور بدحالی کی بھی خبر پہنچاؤ۔اس تین چوتھائی حصہ نظم میں اگر قمر،حضورؐ کو براہِ راست مخاطب کر بیٹھتا تو کسی نہ کسی مقام پر کسی لغزش کسی شکوہ سنجی کا احتمال تھا۔سو وہ اس کڑی منزل سے اپنے لہجے کو آلودہ کئے بغیر سلامتی سے گزر گیا۔

اس حصے میں قمر اجنالوی مسلمانانِ عالم کو روداد غم بیان کرتا ہے کہ وہ جو آنحضرتؐ کی تعلیمات کی برکت سے خاک نشینی سے افلاک نشینی تک جا پہنچے۔اب اتنے عظیم صعود کے بعد پھر سے ہبوط کی زد میں ہیں۔ملتِ مسلمہ میں تفرقہ وانتشار ہے۔اس کی حالیہ تاریخ کو ایک فسانہ انہدام کہنا چاہئے۔اس کے عزو وقار جنسِ ارزاں ہیں۔اس امت کے ہاں علم وعرفان کو،تصوف ومعرفت کو،حاکمانہ جلال وشوکت کو زوال آچکا ہے۔عرب اور عجم کے اختلافات تو تھے ہی اب خود اہل عرب کے درمیان بھی اختلافات کے شعلے فروزاں ہیں۔ہم یہ سب کچھ دیکھتے ہیں مگر اپنی سہل نگار اور عاقبت نا اندیش سرشتوں کو بدلنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔اہل سیاست نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔علماء ومفتیان دین متین فروعات میں الجھ کر باہمی جنگ وجدل میں مگن ہیں،خطیب ومقرر کو محض اپنی شعلہ بیانی سے غرض ہے،اپنے الفاظ کی اثر آفرینی سے نہیں۔

اس امت کا نہ کوئی جادہ ہے اور نہ کوئی منزل،زندگی کو اگر ایک اسپ قرار دیا جائے تو اس کی لگام اہل زر کے ہاتھ میں ہے۔محنت لُٹ رہی ہے اور سرمایہ پنپ رہا ہے ہمارا معاشرہ،ہماری معیشت،ہماری تہذیب،ہمارا تمدن سب کچھ تضادات کے پاؤں میں پس رہا ہے اور ادھر مغرب تاک لگائے بیٹھا ہے کہ کب موقع ملے اور مسلمانانِ عالم سے انتقام لینے کے لئے اس پر پل پڑے۔قمر اجنالوی نے مراکش سے انڈونیشیا تک کے اسّی کروڑ مسلمانوں کی اس حالت زار کا نقشہ بڑے درد سے کھینچا ہے۔اس حصہ نظم کے بعض مقامات پر الفاظ میں اس کے آنسو صاف جھلکتے نظر آتے ہیں۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جب قمر براہِ راست حضور کی ذاتِ گرامی سے مخاطب ہوتا ہے۔شروع میں اعتراف کرتا ہے کہ ہم خطا کار اور جفا کار بلکہ ریا کار ہیں۔ہم حق وصداقت کی بجائے زر ودولت پر مرتے ہیں۔بہر حال ہم کچھ بھی ہیں مگر آپؐ کے غلام ہیں۔آپؐ کی شانِ مصطفائی کی بخششِ مدام کے بھکاری ہیں۔سو ہماری یہ دعا قبول ہو کہ یہاں امن ومساوات کا دور دورہ ہو اور ہمارے دلوں میں قرآن کے معانی شمس وقمر کی طرح جگمگا اٹھیں۔ ان دعائیہ بندوں پر قمر اجنالوی کا یہ قصیدہ نعتیہ ختم ہوتا ہے،مگر پڑھنے سننے والوں کے دلوں میں ایک غیر فانی گونج چھوڑ جاتا ہے جو شاعر کی دردمندی اور قادر الکلامی دونوں کا ایک زندہ اور تابندہ ثبوت ہے۔ اللھم زدفزد۔

ایک خط

برادرم قمر اجنالوی! آداب!!

آپ کے جانے کے فوراً بعد ''بنام خیرالآنام'' کا مطالعہ شروع کیا اور ایک ہی نشست میں ختم کیا اور بہت سرور آیا۔ اتنا سرور کہ پہلے شاذ ہی کسی انسانی تحریر پر آیا ہو۔ آپ نے خوب لکھا ہے اور بے شمار مطالب اور جذبات واحساسات کا احاطہ کرلیا ہے۔
روانیٔ طبع کا یہ عالم ہے کہ کسی جگہ بھی آورد کا احساس نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عمرِ دراز عطا کرے۔

آپ کا مخلص (عبدالسلام خورشید)

دنیائے ادب کی ایک اعلیٰ تخلیق۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

دنیائے ادب میں قمر اجنالوی کا نام محتاج تعارف نہیں۔ وہ شاعر بھی ہیں، افسانہ نگار بھی، اخبار نویس بھی ہیں اور مزاحیہ کالم نویس بھی اور انہیں دیکھ کر اردو صحافت کا وہ پرانا دور یاد آجاتا ہے، جب صحافت اور ادب میں چولی دامن کا ساتھ تھا اور ان دونوں عناصر کی یکجائی کے بغیر کوئی شخص دنیائے صحافت میں نام پیدا نہیں کرسکتا تھا۔ ''بنام خیرالانامؐ'' کا مطالعہ کرتے کرتے محسوس ہوا کہ قمر اجنالوی کے سینے میں بھی وہی دردمند دل دھڑک رہا ہے، جو ہمارے دیو قامت صحافیوں کا طرۂ امتیاز تھا اور جو عشقِ رسولؐ، دین سے محبت اور دنیائے اسلام سے انسیت کا امین تھا۔

قمر اجنالوی ''بنام خیرالانامؐ'' کو قصیدے کا نام دیتے ہیں۔ اسے نعت بھی کہا جاسکتا ہے کسی اور صفِ سخن سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن کوئی مخصوص نام دیئے بغیر میں تو اتنا کہوں گا کہ جوں جوں اسے پڑھتا تھا، سرور اور گداز کے نئے مراحل سے آشنا ہوتا تھا۔ اور جب فارغ ہوا تو کافی وقت طبیعت پر ایک رقت طاری رہی۔ اس قصیدے میں کمال کی جامعیت ہے۔ اس میں نعتیہ رنگ تو ہے قوم کا مرثیہ بھی شامل ہے۔ زوالِ امت کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ عالمی تناظر میں دارا و نادار کی کشمکش اور تصادم کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ایک نئی زندگی، ایک نشاۃِ ثانیہ کی آرزو بھی جھلک رہی ہے۔ احیائے اسلام کا عزم بھی ہے اور ایک نئے نظام کی تعمیر میں حضور سرورِ کائناتؐ کا دامن تھامنے اور انؐ سے مدد مانگنے کا عمل بھی شامل ہے۔

مَیں نے بڑی خوبصورت نعتیں پڑھی ہیں لیکن ''بنام خیرالآنامؐ'' نے طبیعت پر جو سحر طاری کیا وہ ایک نیا تجربہ، ایک نیا مشاہدہ ہے۔

اس تخلیق کی کامیابی کا بنیادی سبب عشقِ رسولؐ کی فراوانی ہے۔ لیکن اس میں اور عناصر بھی کارفرما ہیں۔
فن شعر پر پورا عبور۔ زبان میں بلا کی دسترس۔ روانی اور بے ساختگی۔ تاریخ اسلام سے آگہی۔ عالمی حالات سے آشنائی۔ اور دورِ حاضر کے معاشی تقاضوں کا شعور یہ ہیں وہ عناصر جنھوں نے اس تخلیق کو دنیائے ادب میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کرنے میں مدد دی ہے۔ مَیں قمر اجنالوی کو اس کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ انہیں طویل زندگی عطا ہو اور ملت کی خدمت کے بیش از بیش مواقع حاصل ہوں۔



قمر اجنالوی کا قصیدہ نعت۔ ڈاکٹر سید عبادت بریلوی ایم اے پی ایچ ڈی

جنابِ صدر! حضرت!!
میں معذرت خواہ ہوں کہ قمر صاحب کے قصیدے کے بارے میں مجھے جو مضمون لکھنا چاہئے تھا وہ میں نہ لکھ سکا اور یہاں حاضر ہوگیا، خالی ہاتھ۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مَیں زبانی اظہارِ خیال کروں۔
جیسا کہ عبدالسلام خورشید صاحب نے لکھا ہے۔ قمر صاحب ازرہِ نوازش (ان سے پرانے تعلقات ہیں) تشریف لائے اور وہ قصیدہ بھی ساتھ لائے اور مجھے دیا۔ جب وہ وہاں سے اٹھ کر گئے تو میں نے اسے پورا پڑھا اور وہی کیفیت مجھ پر بھی طاری ہوئی جس کا ذکر عبدالسلام

خورشید صاحب اور دوسرے حضرات نے کیا ہے۔نہایت اعلیٰ درجے کی خوبصورت نظم ہے،نہایت شعریت سے بھرپور اور نہایت جذبِ صادق کے ساتھ یہ نظم لکھی گئی ہے،یہی وجہ ہے کہ اس کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ بارہا اس قصیدے کو پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔میں نے کئی بار پڑھا اور ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ کل جب میں اس کے بارے میں کچھ لکھنے لگا تو معلوم ہوا کہ وہ قصیدہ میرے پاس نہیں ہے یا تو کوئی صاحب اس کو لے گئے پڑھنے کے لئے، وہاں آئے۔انہوں نے دیکھا اور اس کے بعد اسے لے گئے شوق اور اشتیاق کی وجہ سے۔اب میرے اوپر یہ قرض رہا کہ جب بھی وہ مجھے ملے گا تو میں اس پر اپنے جذبات تفصیل کے ساتھ قلم بند کروں گا۔

آپ کے سامنے یہ چند فقرے،جن میں اس مقالے کا جو لکھا جانا چاہئے تھا صرف ایک خلاصہ سا ہے جو میں نے پیش کر دیا ہے۔میں قمر صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایسی خوبصورت نظم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھی جو دلوں پر اثر کرتی ہے اور اردو ادب میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔

قصیدہ رسولؐ کا

اس پر کھلا در دل و دیدہ رسولؐ کا	لکھا ہے جس قلم نے قصیدہ رسولؐ کا
وہ جس کی ٹہنیوں کو ملا درجۂ قلم	ممنون ہے وہ نخلِ بریدہ رسولؐ کا
یکجا ہوئے جو سیرت وصورت کے سب گلاب	مہکا ہر ایک وصفِ حمیدہ رسولؐ کا
ہر نجم و مہر و ماہ پہ لکھا ہے انؐ کا نام	ہے ساری کائنات جریدہ رسولؐ کا
بخشا گداز جس کو محبت کی آنچ نے	شیدا ہوا وہ حرفِ تپیدہ رسولؐ کا
ہے لائق جزا قمر اجنالوی، قتیلؔ!	اس شخص نے کہا ہے قصیدہ رسولؐ کا

ترقی پسندوں کے حوالے سے (قتیل شفائی)



برصغیر کے ممتاز شاعر جناب قتیلؔ شفائی نے کہا:

”ترقی پسندوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ مذہب سے بیگانہ ہیں۔یہ بات سراسر غلط اور مفروضہ ہے۔قمر اجنالوی کا یہ نعتیہ قصیدہ مذہب سے وابستگی اور عقیدت کا مظہر ہے۔میں اس قصیدے سے بہت متاثر ہوں۔جناب قمر اجنالوی کی کاوش قابل ستائش ہے کہ جو کام ہم نہ کر سکے۔وہ قمر صاحب نے کیا۔ان کے خیالات پُرکشش ہیں اور میں انہیں تہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔“

(نیشنل سنٹر سرگودھا میں تقریر)

نعتیہ قصیدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بنام خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قمر نبیؐ کو پیام لکھو
جو دل پہ گزری تمام لکھو
برنگِ اہلِ کلام لکھو
بنام خیر الانامؐ لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

غموں سے جاں آ گئی لبوں پر
دکھوں سے جینا ہوا ہے دوبھر
تڑپ رہا ہے مثالِ اخگر
حضورؐ کا اک غلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

یہ لکھو دنیا ہے قید خانہ
نہ راس آیا مجھے زمانہ
نجانے کب ختم ہو فسانہ
فسانۂ ناتمام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

پڑے ہیں دل میں گرچہ گھاؤ
یہ کیا جنوں ہے، یہ کیا لگاؤ
نہ اتنے گستاخ ہوتے جاؤ
نہ کوئی ایسا کلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

یہ دل کی باتیں، یہ غم کے قصے
حضورؐ بطحا سے تم کہو گے؟
بھلا تمہاری بساط کیا ہے
نہ کوئی رو دادِ خام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

سخن میں شوخی نہ کوئی گھولو
یہ بابِ آشفتگی نہ کھولو
زبان کو روکو، سخن کو تولو
ادب ہے شرطِ کلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

مدارج ان کے بلند سب سے
بیان لطف و کرم سے پہلے
قلم کو زمزم سے صاف کر کے
ذرا محمد کا نام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ سرِّ کون و مکاں کے عالم
زبان پہ جب آئے اسمِ منعم
درود لازم، سلام لازم
درود لکھو، سلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

عطا تھے ان کو بڑے مراتب
بڑی منازل، بڑے مناصب
لکھو فضائل، کہو مناقب
قصیدۂ احتشام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ رحمۃ العالمین لقب ہیں

وہ شافع المذنبیں حسب ہیں
وہ خاتم المرسلیںؐ نسب ہیں
وہ ہیں وسیع المرام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

جمال بدر الدجیٰ ہے ان کا
کمال خیر الوریٰ ہے ان کا
خیال صلِّ علیٰ ہے ان کا
یہ بات مالا کلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ ماحئِ شرک، نورِ صادق
وہ نجم ثاقب، وہ حُسن شارق
وہ سعی خالق، وہ وحی ناطق
وہ خود خدا کا کلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

کلام تھے وہ، کلیم تھے وہ
چراغِ بزمِ حریم تھے وہ
بڑے رحیم و کریم تھے وہ
کریم لکھو، کرام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ دین بھی تھے، یقین بھی تھے
یتیم بھی تھے، امین بھی تھے
یسار بھی تھے، یمین بھی تھے
وہ صاحبِ انصرام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہی دعائے خلیل و بطحا
مثیل موسیٰ، نوید عیسیٰؑ
نبیٔ امی، رسولِ صحرا
امید بیت الحرام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ نورِ یٰسین و شکل طٰحٰہ
صفات میں بے نظیر و یکتا
سبھی کے ملجاء سبھی کے ماوا
کہ فیض تھا ان کا عام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ المصدق وہ المذکر
وہ النبی، الرسول و حاشر
وہ شاہد و عاقب و مطہر
یہ نام سب ان کے نام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ منزل آسماں کے طارق
سعادتِ مطلع مشارق
شناورِ قلزم خوارق
انہیں ہزاروں سلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ راہِ معراج کے مسافر
وہی مزمل، وہی مدثر
کہ حکم تھا ان کو ''قم فانذر''
تھی ان پہ نعمت تمام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

جنابِ جبریل ساتھ بھاگے

نصیبِ قوسین ان کے جاگے
کہ 'سدرۃ المنتہیٰ' سے آگے
ہیں ان کے کتنے مقام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

لکھو گے کیا کیا مقام ان کے
نماز ان کی، سلام ان کے
سجود ان کے، قیام ان کے
سجود لکھو، قیام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

رضائے ربّ قدیر تھے وہ
بشیر تھے وہ، نذیر تھے وہ
کہ اک سراج منیر تھے وہ
فروغِ ماہِ تمام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

ہے وجہ کُن ان کی ذات لکھو
ہے ذات والا صفات لکھو
کبھی علیہ الصلوٰۃ لکھو
کبھی علیہ السلام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

ہیں آدمیت میں سب برابر
تمام اسود، تمام احمر
نہ کوئی کم تر، نہ کوئی برتر
یہی تھا ان کا پیام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

غریب و بیکس کے کام آئے
حیات کے سب کو گُر سکھائے
گرے ہوئے خاک سے اٹھائے
فلک پہ بخشا مقام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

حرم سے لات و منات نکلے
صنم تو سب بے ثبات نکلے
علم اٹھا کر حیات نکلے
کہ ہے خدا کو دوام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

طلب ہے دنیا کی آنی جانی
کہ ہے یہ دنیا سرائے فانی
جو بھیج دیں ہو گی مہربانی
اک آبِ کوثر کا جام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

یہ نعتِ مقبول جب سنائی
صدا دلوں کے نگر سے آئی
کہ شاعرِ نورِ مصطفائی
ہے تم پہ دوزخ حرام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

یہ مَے سرود و نشید کی ہے
نبیذ طبع رشید کی ہے
کہ خونِ دل سے کشید کی ہے
پیٔے ہیں بھر بھر کے جام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

ادا ہو شانِ پیمبرانہ

تو پھر کہو جو کہے زمانہ
سناؤ ہر درد کا فسانہ
سلام لکھو، پیام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

کھلا ہے رو دادِ غم کا دفتر
بنا کے اپنے جنوں کو رہبر
دکھاؤ طبعِ رواں کے جوہر
سخن بصد احترام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

فسانۂ رفت و بود لکھو
فریبِ چرخ کبود لکھو
بیان نام و نمود لکھو
طلسمِ پندارِ خام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

سناؤ ملت کا حالِ ابتر
بکھر چکا ہے ہر ایک دفتر
نہ کوئی مرکز، نہ کوئی محور
ہے رنگِ تفریق عام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

یہ داستانِ گرچہ خونچکاں ہے
ورق ورق صورتِ فغاں ہے
زباں پہ عرض سخن گراں ہے
پہ لے کے ہمت سے کام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

زوال کی داستاں سناؤ
حکایتِ خونچکاں سناؤ
لُٹا ہے اپنا جہاں سناؤ
فسانۂ انہدام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

فسادِ امت کا حال کہہ دو
چلے گئے ''اہلِ قال'' کہہ دو
یہ حالتِ انفعال کہہ دو
تمہیں ہے اب اذنِ عام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

ہے خشک ہر قلزم و بحیرہ
کہاں ہیں وہ صحبتیں وغیرہ
کہ جن کے راوی ابوہریرہؓ
روایتوں کے امام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

گیا ابوبکرؓ کا زمانہ
کہاں عمرؓ کا وہ تازیانہ
جلالِ حیدرؓ ہوا فسانہ
اڑا نشانِ سہام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

نہیں ہیں عثمانؓ سے غنی اب
چلا ہے اک دورِ جاں کنی اب
کہ مشکلیں سر پہ آ بنی اب
گرے ہیں عزت کے دام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

رُخِ حرم سے جمال غائب

اذاں سے روح بلالؓ غائب
ہوئے ہیں اہل کمال غائب
کہ اب ہے ہُو کا مقام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

کہاں ہے اب وہ گلیم بوذرؓ
وہ تیرِ طلحہؓ وہ تیغ جعفرؓ
کمانِ حمزہؓ، نشانِ حیدرؓ
سنانِ ابن عوامؓ لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ مردِ نام جلی کہاں ہے
وہ کربلا کا ولی کہاں ہے
حُسینؓ ابن علیؓ کہاں ہے
امام عالی مقام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہی مؤطا، وہی بخاری
کہاں گئے ہیں مگر وہ قاری
ادب کا چشمہ تھا جس سے جاری
رہا نہ وہ فیضِ عام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ ذکرِ سرواریٔ شریعت
وہ فکر تاریخ و فکرِ سیرت
کہ جس سے روشن ہوئی بصیرت
ہے رُو کشِ انقصام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

نہ ابن اسحاقؒ سے وہ ....
نہ ابن ہشامؒ جیسے قادر
نظر تھی سیرت پہ جن کی غائر
تھا قلب آئینہ فام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

خطیبؒ و ابن اثیرؒ و طبریؒ
وہ ابن خلدونؒ و ابن جوزیؒ
وہ دیلمیؒ، حاکمؒ و سیوطیؒ
کہاں گئے وہ عظام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ جرح و تعدیل کے دفاتر
رجال و تہذیب کے ذخائر
حدیث و تفسیر کے جواہر
پڑے ہیں بے نقد دام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وہ اہلِ فکر و نظر کہاں ہیں
رجال کے معتبر کہاں ہیں
امام ابنِ حجرؒ کہاں ہیں
کہ جاں سے خالی ہے لام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

جنوں کی صورت ہے اب خیالی
ہر اک دشتِ وفا ہے خالی
رہے نہ رومیؒ نہ وہ غزالی
گیا ہے لطف کلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

نہ وہ مشائخ، نہ وہ مسائل

نہ وہ مشاربِ نہ وہ مشاغل
نہ وہ مناظر، نہ وہ منازل
نہ اب وہ چابک خرام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

وہ منزل معرفت کے راہی
ملی فقیری میں جن کو شاہی
سلوک پر جن کی ہے گواہی
طریقوں کے امام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

وہ بایزیدؒ و جنیدؒ و شبلیؒ
فریدؒ و منصورؒ و سہروردیؒ
وہ بو علیؒ، گنج بخشؒ و چشتیؒ
کہاں وہ اہل صیام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

وہ بادۂ معرفت نہ ساقی
یہ دُردِ ایمان ہے اتفاقی
اجاڑ سا میکدہ ہے باقی
ہیں ٹوٹے مینا وہ جام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

نہ اب وہ خالدؓ نہ ابن مسلمؓ
نہ اب وہ طارق نہ ابن قاسم
نہ وہ مجاہد، نہ وہ معلم
کہ جن کی شہرت تھی عام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

کہاں امیہ کی شان و شوکت
کہاں وہ عباسیوں کی عظمت
کہاں وہ عثمانیوں کی دولت
مِٹی ہے سب دھوم دھام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

کہاں وہ ایوبیؒ گرامی
کہاں وہ مصری کہاں وہ شامی
فلک نے دی تھی جنہیں سلامی
ملی حیات دوام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

فراقِ امت کی بات چھیڑو
فسانۂ شش جہات چھیڑو
بیان نیل و فرات چھیڑو
حدیثِ دجلہ و شام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

وہ شہرِ بغداد، اس کی راتیں
طلسم و حیرت کی وارداتیں
کہ جیسے جنّ و پری کی باتیں
خیال کے تام جھام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

نہ اب وہ مومن نہ اب وہ غازی
نہ وہ مؤذن، نہ وہ نمازی
یقین سے خالی ہوئے حجازی
رہا نہ وہ احتشام لکھو
قمر نبیؑ کو پیام لکھو

فساد اھلِ حرم سناؤ

فعنانِ لوح و قلم سناؤ
شکستِ تیغ و علم سناؤ
کٹے ہیں سب چارگام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

چڑھی ہیں غفلت کی وہ شرابیں
نکل گئیں پاؤں سے رکابیں
گری لگامیں، کٹی طنابیں
لُٹے ہوئے ہیں خیال لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

جہاں کی شاخِ مراد ٹوٹی
عجم کی شانِ سواد ٹوٹی
عرب کی تیغ جہاد ٹوٹی
پڑی ہے خالی نیام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

نہ اب وہ شاہیں نہ ان کے بازو
نہ رسمِ پرواز کے وہ پہلو
کہ زیرِ دام آ گئے ہیں ہر سو
تمام کنک و حمام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

لگی ہے چُپ سی ہر اک زباں کو
نہ شوقِ منزل کسی جواں کو
ہر ایک قاصد کو کارواں کو
ہے خوفِ دشت و رام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

جو ہم کو رَفعت ملی تھی کھوئی
زمیں بھی اس حادثے پہ روئی
نکل کے اہلِ حرم سے کوئی
نہ آیا بالائے بام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

صعود سے اب ہبوط کیوں ہے
دلوں پہ کارِ حنوط کیوں ہے
یہ یاس کیوں ہے قنوط کیوں ہے
غموں کا ہے اِزدحام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

زوال امت پہ روئے حالیؒ
کہ میکدے تھے حرم کے خالی
فُغانِ اقبالؒ تھی نرالی
تڑپ اٹھا مرغِ بام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

ہوئی ہے ویران کشت اپنی
اجڑ گئی ہے بہشت اپنی
نہ بدلی پھر بھی سرشت اپنی
یہ سر نوشت انام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

ہمیں تو لُوٹا ہے رہبروں نے
رہِ طلب کے سکندروں نے
وہ ظلم توڑے ستمگروں نے
ہوا ہے جینا حرام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

زبانِ ناصح، زُبانِ خنجر

بیانِ واعظ، بیانِ محشر
دہانِ مفتی، دہانِ اژدر
نفس کے ہیں سب غلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

بھڑکتی شعلہ فشاں خطابت
یقین دل سے تہی عبادت
غلط نمازیں، غلط امامت
ہوس کے بندے امام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

عدم کا جھگڑا وجود پر ہے
مزاج اپنا ہنود پر ہے
قدم بھی نقشِ یہود پر ہے
ہوس نے پھیلائے دام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

فلک بھی ہم سے خفا زمیں بھی
دلوں سے جاتا رہا یقیں بھی
بدل گئے عالمانِ دیں بھی
کہ گمرہی اب ہے عام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

کسی سے چشمک کسی سے اُن بَن
فضا بھی دشمن ہوا بھی دشمن
دیارِ مغرب کے سب برہمن
ہیں در پئے انتقام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

غموں سے حالت ہوئی ہے خستہ
ہیں پاؤں زخمی تو دل شکستہ
نہ کوئی منزل، نہ کوئی رستہ
بھٹک رہے ہیں عوام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

بیاں کرو حالتِ زمانہ
غریب کو فکرِ دام و دانہ
یہ زندگی اسپ و تازیانہ
ہے دستِ زر میں لگام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

اٹھائے محنت کشوں نے پرچم
جبینِ سرمایہ دار برہم
لہو میں رقصاں ہے نسلِ آدم
یہ کشمکش ہے مدامِ لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

ہے جنگ سرمایہ رنگ و بو سے
نہ اتری زنجیرِ غم گلو سے
غریب و مزدور کے لہو سے
زمیں ہوئی لالہ فام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

یہ ظلم و دولت کا دور کب تک
یہ مزد و محنت پہ جَور کب تک
ستم یہ انسان پہ اور کب تک
مٹے گا کب یہ نظام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

کہیں امارت، کہیں گدائی

کہیں خموشی، کہیں دہائی
کہیں غلامی، کہیں خدائی
یہ صورتِ صبح و شام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

ستم کی تیغیں اٹھی ہوئی ہیں
لہو کی فصلیں اُگی ہوئی ہیں
زمین کی نبضیں رُکی ہوئی ہیں
عجیب ہے ہر نظام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

لبوں پہ امن و اماں کی باتیں
دلوں میں جنگ و جدل کی گھاتیں
مہیب دن ہیں مہیب راتیں
فضا کے ہیں اہتمام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

جہاں پہ یہ کیسا وقت آیا
اُفق اُفق ہے اجل کا سایا
اُڑا اُڑا رنگِ صبح پایا
بجھا بجھا روئے شام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

پیام محشر سنا گیا ہے
دلوں پہ بجلی گرا گیا ہے
چمن میں کیا گُل کھلا گیا ہے
ہوا کا رقص خرام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

وفا یہاں کس کو راس آئی
کہ رسمِ دنیا ہے بیوفائی
فریب زاہد کی پارسائی
حلال ہے اب حرام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

جو آئی غفلت کی لہر کہہ دو
جو ہم پہ ٹوٹے ہیں قہر کہہ دو
اُجڑ گئے ہیں جو شہر کہہ دو
بگڑ گئے ہیں جو کام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

فلک سے ٹوٹے نجوم کتنے
پیام لائی سموم کتنے
دلوں پہ غم کے ہجوم کتنے
قضا ہے محوِ خرام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

بجا کہ ہم سے خطا ہوئی ہے
ادا نہ رسم وفا ہوئی ہے
ستم ہوا ہے، جفا ہوئی ہے
مگر ہیں انؐ کے غلام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

حضورؐ! ہم ہیں جفا کے بندے
خطا کے پُتلے، ریا کے بندے
ہوس کے طالب ہوا کے بندے
خیال اپنے ہیں خام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

زرد جہاں پہ گرے ہوئے ہیں

درِ بُتاں پہ گرے ہوئے ہیں
کہاں کہاں پہ گرے ہوئے ہیں
حضورؐ لیں ہم کو تھام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

مدد اگر آپ کی نہ آئی
تو دے گی طعنہ ہمیں خدائی
کہ کیا ہوئی شانِ مصطفائیؐ
ہے جس کی بخشش مدام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

حضورؐ! چشم کرم ہو ہم پر
نگاہِ لطفِ حرم ہو ہم پر
نہ اور کوئی ستم ہو ہم پر
یہ التجا انؐ کے نام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

عجم کے مولاؐ، عرب کے والیؐ
مثالِ خورشید نام عالی
ہیں آپؐ کے دَر کے ہم سوالی
ہیں آپؐ رحمت تمام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

کھلے یہ قرآن سے معانی
حضورؐ ہیں آخر الزمانی
ملے گی ہم کو حیاتِ ثانی
چلے گا پھر دور عام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

سپہرِ دیں پر مثال انجم
بپا ہو پھر نور کا تلاطم
جماعتِ 'آخرین' منھم''
ہو دیں پہ پھر تیز گام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

کھلیں عرب پر عجم کے گیسو
پھر آئے چین و خُتن کی خوشبو
جہاں میں سایہ کُناں ہوں ہر سو
کرم کے اَبر و غمام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

چمک اُٹھیں ہند کے ستارے
جوں ہوں گنگ و جمن کے دھارے
حضورؐ بطحا کی جے پکارے
یہ ارضِ رام و شیام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

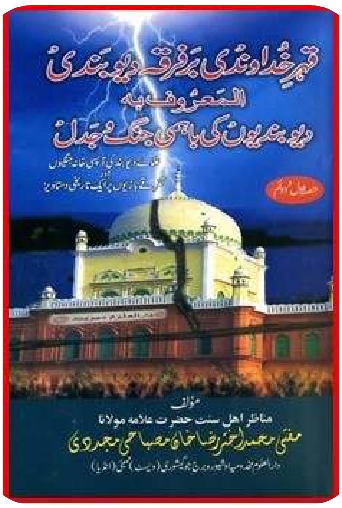
ہوں دور ہر ظلم کے اندھیرے
بلند ہوں امن کے پھریرے
چڑھیں مساوات کے سویرے
جہاں کا بدلے نظام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

مٹے دلوں سے ہوس پرستی
ہو صاف ستھرا نظامِ ہستی
خدا کے بندے خدا کی بستی
حیات ہو شاد کام لکھو
قمر نبیؐ کو پیام لکھو

دیوبندی دنیا

''چودھویں صدی کا سب سے بڑا افراڈ'' کیا علمائے بریلی کا یہ اعلان درست ہے؟

(تحریر اصغر بھٹی۔ نائیجروی)

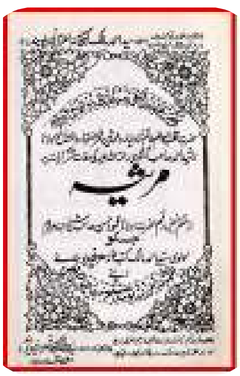


دیوبندی دنیا کے مفتی اعظم جناب محمد شفیع صاحب نے اپنی وفات سے قبل اپنے علماء کی اخلاقی پسماندگی کا رونا روتے ہوئے اقرار کیا تھا کہ

''ہمارے ہاں چھوٹا سا نقطعہ اختلاف ہو تو اس کو بڑھا چڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ جدال بنا ہوا ہے جس کے پیچھے غیبت، جھوٹ، ایذائے مسلم، افتراء و بہتان اور تمسخر و استہزاء جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جدال و قتال اور لڑائیاں ہیں''(وحدت امت ص 40 بحوالہ قہر خداوندی بر فرقہ دیوبندی مولف مفتی محمد اختر مصباحی دارالعلوم مخدومیہ اوشیورہ برج جوگیشوری ممبئی انڈیا ناشر مجدد الف ثانی دارالاشاعت جوگیشوری ممبئی سن اشاعت مئی 2016 ص 56)

جبکہ اس دیوبندی دنیا کے علماء وفضلاء یعنی مولانا قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی صاحب کے بارہ میں بریلوی مکتبہ قاسمیہ رضویہ فیضان مدینہ کے مفتی جناب مولانا محمد حسن علی رضوی صاحب فرماتے ہیں

''دیوبندی فرقہ میں مولوی قاسم نانوتوی قوم شیخ جی، اور مولوی رشید احمد گنگوہی قوم جولاہا کی پیداوار ہیں ملاحظہ ہو سوانح قاسمی و تذکرۃ الرشید گورنمنٹ برطانیہ کے ایک چھ سو روپیہ کے ماہوار ملازم اشرف علی تھانوی کو یہ لوگ مجدد مانتے ہیں اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ یا سرکار بغداد کی بجائے نانوتوی، گنگوہی، تھانوی قسم کے مولویوں کے پیروکار ہیں جن کا سنی کہلانا چودھویں صدی کا سب سے بڑا افراڈ ہے''



(قہر خداوندی بر دھاکہ دیوبندی ترتیب و تدوین محمد حسن رضوی ناشر مکتبہ قاسمیہ رضویہ سبزی منڈی نزد فیضان مدینہ کراچی ص 23و24)

ہم اس موقع پر اپنے تبصرہ سے گریز کرتے ہیں اور دونوں کو ان کے حال پر چھوڑتے ہیں البتہ مذکور مولوی رشید احمد گنگوہی کی وفات پر دوسرے دیوبندی مولوی صاحب یعنی مولوی محمود الحسن صاحب نے جو قصیدہ کہا وہ پیش کرتا ہوں اس کے بعد یہ فیصلہ آپ پر چھوڑوں گا کہ ''چودھویں صدی کا سب سے بڑا افراڈی کس کو کہا جا سکتا ہے۔ یہ دیوبندی علماء جو بات بات پر کفر کے فتوے لگاتے اور ہر کسی کو توہین رسالت کا مرتکب قرار دیتے ہیں اپنے بڑوں کے لئے کون کون سی حدود کراس کرنا اپنا مولویانہ حق حضانت سمجھتے ہیں۔



صفحہ نمبر 4 رشید گنگوہی جنید بغدادی تھا۔ شبلی وقت تھا بلکہ صحابی رسول ابو مسعود انصاری تھا بلکہ ابر رحمت تھا بلکہ ظل سبحانی تھا نہیں نہیں بلکہ اللہ کی رحمتوں کو بانٹنے کا فرنچائز ہولڈر تھے۔

صفحہ 6 رشید گنگوہی اس دور کا مسیح علیہ السلام تھا

بلکہ مسیح ؑ کیا وہ تو ماہ کنعانی یعنی کنعان کا چاند یعنی حضرت یوسف علیہ السلام تھا بلکہ وہ تو شمس ہدایت تھا (وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (الشّمس 2) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (الأحزاب 47)



صفحہ 7 رشید گنگوہی صاحب تو کعبہ تھے، قبلہ تھے ہر قسم کی جسمانی اور روحانی حاجات پوری کرنے کا۔ اب ان کے فوت ہو جانے پر جسمانی ضروریات، دین کی ضروریات اور دنیا کی سب ضروریات کون پوری کرے گا۔ جو پوری کرتا تھا وہ مر گیا

صفحہ 8 رشید گنگوہی مولوی تھوڑے تھے وہ یوسف علیہ السلام تھے

اُمت مسلمہ کے تمام اولیاء کی گردنیں ان کے آگے جھکی ہوئی تھیں اور کیوں نہ جھکتیں وہ عبدالقادر جیلانی بھی تھے اور شہباز طریقت یعنی لعل شہباز قلندر بھی تھے اور سب سے بڑا رتبہ اللہ تعالیٰ ادھر چلتا تھا جدھر آپ چلتے تھے یعنی اللہ تعالی آپ کا مطیع و فرمانبردار تھا اور تو اور آپ قبلہ اور کعبہ ہی نہیں حقانیت سے بڑھ کر حقانی تھے۔

صفحہ 9 رشید گنگوہی کو چھوڑ کر جو بھی کسی اور نبی ولی قرآن حدیث، مذہب، رسول کے پاس ہدایت حاصل کرنے گیا وہ گمراہ ہو گیا۔ کیونکہ ہدایت کا پرنالہ صرف رشید گنگوہی ہے اور وہ نص قرآنی یعنی قرآن مجید کی آیت ہے۔

جو اصل اسلام کا ذوق شوق رکھتے تھے وہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر حج عمرہ کر کے کہتے تھے کہ یہ ہم کہاں آ گئے ہیں یہاں نہ تو دین ہے نہ ایمان۔ ہم غلط جگہ آ گئے ہیں، اصل کعبہ اور اصل دین تو گنگوہ میں ہے یہاں حرمین شریفین میں کچھ نہیں رکھا۔ بھائیو! ہمیں گنگوہ کا راستہ بتاؤ۔ ہم نے رشید گنگوہی کے پاس جانا ہے۔

ص 11 او دنیا دارو! رشید گنگوہی صاحب اس دنیا میں تمہیں ہدایت دینے کے لئے آئے تھے۔ اب وہ اس مشن سے فارغ ہو کر اب اگلے جہان پہنچے ہیں تاکہ وہ وہاں پر پہنچ کر بخشش کروانے والی انبیاء کی ٹیم کے میر مجلس یعنی انچارج مقرر ہو سکیں اگر کسی کا منہ آپ کی طرف ہے تو آپ کے مرجانے سے کوئی فاصلہ حائل نہیں ہو گا وہ اسی طرح آپ کے ساتھ رہیں گے کیونکہ وہی تو دنیا کے لئے قبلہ شریف ہیں وہ تو کعبہ شریف ہیں

او دنیا دارو! آپ کی وفات کیا تھی نبی پاک ﷺ کی گویا وفات تھی۔ وہی نقشہ وہی حالات کیونکہ آپ رشید گنگوہی نبی پاک ﷺ کے ہی نظیر تھے ان کے ہی ہم شکل ہم قدم تھے ہم مرتبہ تھے رشید گنگوہی صاحب شہید بھی تھے صالح بھی تھے اور صدیق بھی تھے اور وہ صرف خالی خولی صدیق نہیں تھے بلکہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق تھے گو وہ مرے اندھے ہو کر اور سانپ کے کاٹنے سے ہیں مگر شہید ہیں اور جو ان کی زندگی کا منکر ہے وہ نادان ہے۔

اور ہاں ایک ضروری بات

یہ بھی یاد رہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بالکل بشر تھے اور ہم ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اعلان کرتے تھے اور کرتے رہیں گے۔ آپ ہمارے بریلویوں سے مناظرے دیکھ سکتے ہیں لیکن اس بات پر دھوکہ نہ کھا جانا کیونکہ ہمارے مولوی رشید گنگوہی ہرگز بشر نہ تھے بلکہ وہ سراسر نور تھے اور سراپا نور

مجسم تھے۔

ص 12 ارے نادانو! یہ جو دنیا میں تم حضرت امام بخاری، حضرت امام غزالی، حضرت رابعہ بصری، حضرت ابوبکر شبلی حضرت ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی جو فقہ حنفی کے امام حضرت ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے کا ذکر کرتے رہتے ہو۔ ان کی اوقات کیا ہے یہ سب آپ کے دم برکت سے زندہ ہیں اے جناب رشید گنگوہی صاحب! ہمارے والے امام مہدی کو اللہ بھیج نہیں رہا اور جس کو اللہ نے بھیجا ہے اس کو ہم نے ماننا نہیں ہے اور اُدھر سے آپ بھی چلے گئے تو اسلام کے گلشن کی نگہبانی کون کرے گا؟ میں تو اب آپ کی قبر کو ہی حضرت موسیٰ والا کوہ طور سمجھونگا۔ اور اسی نئے والے کوہ طور سے موسیٰ علیہ السلام بن کر کہا کرونگا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنا آپ دکھا۔

ص 23 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کے معجزے پتہ نہیں کیوں مشہور ہو گئے ہیں۔ لگتا ہے ایسے ہی کسی نے مشہور کر دیئے ہیں۔ ورنہ ادھر آ و ہم آپ کو جناب رشید گنگوہی کے مردہ زندہ کرنے کے معجزے دکھلاتے ہیں۔

ناسمجھو! فرق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وہ مردے جو آپ زندہ کیا کرتے تھے کچھ وقت کے بعد مر جاتے تھے لیکن ہمارے رشید گنگوہی صاحب کا معجزہ یہ ہے کہ آپ پہلے مردہ زندہ کرتے تھے اور پھر اس مردے کو کبھی مرنے نہیں دیتے تھے اگر کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان دنوں زندہ ہوتے تو ہم ان کو دکھاتے کہ سرکار یہ ہوتا ہے معجزہ۔ آپ کا معجزہ مکمل نہیں ہے کامل نہیں ہے اصلی نہیں ہے اصلی معجزہ ہے رشید گنگوہی صاحب کا دوستو مکمل مرثیہ نیت پر موجود ہے آپ ڈاون لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ مطالعہ کیجئے اور پھر بتایئے کہ کیا آپ بھی جناب مصباحی صاحب کی اس بات سے متفق ہیں کہ

دیوبندی دنیا ''چودھویں صدی کا سب سے بڑا فراڈ'' ہے



دل جلا شاعر

عبدالجلیل عبادؔ جرمنی

میں ہوں دل جلا سا شاعر مری سانسیں آتشانہ
کہیں راکھ ہو نہ جاؤ میرے پاس تم نہ آنا
جو ہے بات مجھ سے کرنی تو وہ صاف سیدھی کرنا
مجھے عادتوں سے نفرت ہے جو ہیں مُنافقانہ
مِرے ساتھ جو ہے چلنا تو دلیر ہو کے چلنا
مجھے اُن کا کیا ہے کرنا جو چُھپے ہیں بُزدِلانہ
مِرے دوست تو وہی ہیں جو بلند و اَرجمند ہیں
مِرے شوق کو جو رکھّے ہیں دِلوں میں رازِدانہ
میں محبتوں کا شاعر کسی باغ کا ہوں طائر
مِرے نغمے دلبرانہ مِری چاہ عاشقانہ
میں ہوں ہجرتوں کی مٹی مِری چاک چاک ہستی
مِرے شعر ناصحانہ مِری راہیں عاجزانہ





اقلیت دوست پنجاب کا خواب

جمیل احمد بٹ

اگلے دن صوبائی وزیر اعلیٰ نے ایک چرچ میں حاضرین کے سامنے پنجاب کو اقلیت دوست بنانے کی اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ اظہار بہت خوش آئند ہے۔ ذمہ دار حکومتوں کو یہی زیب دیتا ہے۔ امید ہے کہ انہوں نے اپنے اس خواب کو حقیقت بنانے کے لئے مائنارٹی کارڈ، لبرٹی چوک پر ایک بڑے کرسمس ٹری اور میری کرسمس کے بینرز کے علاوہ ان بنیادی مسائل کے حل کے لئے اقدامات کرنے کا ارادہ بھی کیا ہوگا جن سے صوبہ کی اقلیتی جماعتیں دو چار ہیں۔ اور جن کے دور ہونے کے بعد ہی پنجاب اقلیت دوست ہو سکے گا۔

اس خواب کو پورا کرنے کے لئے دو جہات میں کام کرنا ضروری ہوگا۔

اول ان عوامل کی نشاندہی جو عوامی سطح پر اس منفی رویہ کی پس پردہ وجوہ ہیں اور پھر ان کو دور کرنے کے لئے ایک منظم اور مسلسل کوشش۔ یہ ایک لمبے عرصہ تک مسلسل کئے جانے والا کام ہے۔

اور دوسرے اقلیتوں کی حق تلفی کی ان غلط کاریوں کی اصلاح جو انتظامیہ کی عدم توجہی کے سبب گزشتہ سالوں میں سرزد ہوئی ہیں۔

ان دونوں امور کی کچھ وضاحت درج ذیل ہے۔ مذہبی اقلیتوں سے اکثریت کا غیر دوستانہ رویہ بظاہر تین وجوہ سے ہے۔

1۔ اختلاف عقیدہ کی عدم برداشت اور عدم رواداری:

پہلی وجہ ملک بھر میں ہر سطح پر مذہبی عدم رواداری اور اختلاف عقیدہ کی عدم برداشت کا چلن ہے۔ یہ عدم رواداری عام ہے۔ عدلیہ، انتظامیہ اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افراد بھی اس کا شکار ہیں اور پس پردہ یہ ان کی اپنے فرائض کی منصفانہ ادائیگی میں روک ہے۔ اور عوامی سطح پر اس کا پھیلاؤ لوگوں کی عام معاشرتی حقوق و فرائض کی ادائیگی میں سدِ راہ ہے۔

دین کی مذہبی رواداری کی تعلیم: ایک جگہ آباد افراد کے عقائد کا مختلف ہونا ایک زمینی حقیقت ہے۔ ایسا ہونا نہ کوئی اچنبھے کی بات ہے اور نہ پریشانی کی۔ عقیدہ کے اختلاف کو نظر انداز کر کے صلح جو رہ کر بقائے باہمی معاشرہ کو ہم آہنگ رکھتی ہے اور سب بآرام رہتے ہیں۔ مہذب معاشروں میں اب یہی طریق رائج ہے۔ گو ابتداً ایسا نہ تھا۔ سب سے پہلے قرآن کریم نے اس درس کے ساتھ ایسا ہونا ممکن بنایا کہ

ترجمہ: تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور ہمارے لئے ہمارا دین۔ (کافرون 109: 7)

باوجود اس حقیقت کے کہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے (آل عمران 3:20) اور یہ کہ اسلام ہی پسندیدہ دین ہے (مائدہ 5:4) اگر کچھ لوگ اپنے دین پر رہنے پر مصر ہوں تو یہ آیت ان کے اس حق کو تسلیم کر کے بقائے باہمی کی تعلیم دیتی ہے۔ دیگر ادیان کے ماننے والوں کو اپنے دین پر عمل کی یہ آزادی عقیدہ کو انسانی اور شہری حقوق، ملکی نظم و نسق اور قانون سے جدا کر دیتی ہے۔

اس تعلیم پر عمل کا بہترین نمونہ: آنحضرت ﷺ کا اسوہ حسنہ اس تعلیم پر عمل کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے عقیدہ سے قطع نظر اپنے ماحول میں صرف انسان دوستی کی بنیاد پر باہم میل جول، اکٹھا کھانا پینا، لین دین رکھنا، پڑوسی اور بیمار کے حق ادا کرنا، اور دوسروں کے کام آنا غرض یہ کہ

سب سماجی ومعاشرتی تعلقات قائم رکھے۔آپ کی حیات طیبہ میں ملنے والے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بلا جان پہچان سب کو سلام کہا، مشرک پڑوسیوں سے حسن سلوک فرمایا، غیر مسلم کی مہمان نوازی کی، یہودی مردوزن کی دعوتیں قبول کیں اور ایک میں اصحابؓ کے ہمراہ شرکت فرمائی، یہودی سے تحفہ قبول کیا، یہودی بیمار کی عیادت کی، یہودی جنازہ کے احترام میں کھڑے ہوئے، ایک مجوسی کی دعوت قبول کی اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ہمراہ شرکت فرمائی، ایک یہودی سے زرہ رہن رکھ کر قرض لیا اور بہت سے ضرورت مندوں کی بلا تخصیص حاجت روائی فرمائی۔

پرچار کی ضرورت: اس روشن تعلیم اور اعلیٰ اسوہ حسنہ کا بکثرت پرچار ضروری ہے۔حکومتی سطح پر ایسے اقدامات کی ضرورت ہے کہ نہ صرف محراب و منبر اور میڈیا پر بار بار انہیں دہرایا جائے اور ان کے برخلاف کہنے اور کرنے والوں کی گرفت ہو بلکہ خود عمال حکومت اپنے عمل سے اس کا نمونہ پیش کریں۔

2۔خود کو دین کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھنا:

دوسری وجہ بعض عقائد اور ان کے حاملین کو دین کے لئے خطرہ قرار دے کر بعض مذہبی گروہوں کا از خود اپنے آپ کو اس خطرہ سے دین کو محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ٹھہرا لینا اور ان کی مخالفت میں سرگرم ہونا ہے۔جیسا کہ بعض عقائد اور بزرگان کی ناموس کی حفاظت کے نام پر ملک میں کام کرتی ہوئی بہت سی مجلسیں اور انجمنیں۔جبکہ دین کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے۔

دین کا منبع قرآن کریم ہے۔کہ اسی کو تکمیل دین فرمایا گیا ہے۔اور قرآن کے بارے یہ ارشاد ہے کہ ترجمہ: یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(حجر 15:10) پس یہ دین کی حفاظت کا الٰہی وعدہ ہے۔اس لئے دینی عقائد کے تحفظ کے نام پر کاروائیوں کی کوئی اصل نہیں اور یہ محض دنیوی مقاصد کے لئے ہیں۔اسی طرح آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ نے خود یہ وعدہ فرمایا ہے کہ

ترجمہ: اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔(مائدہ 5: 68)

یہ حفاظت جسمانی بھی ہے اور آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ اور ناموس کی بھی۔آپ ﷺ کے بلند و بالا اور ہر صفت سے متصف سراج منیر تابناک وجود کی اعلیٰ ترین شان کسی بھی ہرزہ سرائی اور نکتہ چینی سے ماورا ہے۔یہی سبب ہے کہ قرآن کریم نے انکار کرنے والوں کی آں حضور ﷺ کی تضحیک کی ناکام کوششوں کا ذکر تو فرمایا ہے لیکن ان کو چاند پر تھوکنے یا دیوانے کی بڑ جیسا بے حقیقت جان کر نظر انداز کر دیا ہے اور اس گستاخی کی اس دنیا میں کوئی سزا مقرر نہ کی ہے۔گویا یہ نظر انداز کیا جانا ہی ان گستاخوں کی کافی سزا ہے۔جب آپ ؐ کا یہ معاملہ ہے تو آپؐ کے اصحابؓ بھی اس کے تابع ہیں۔

روک تھام کی ضرورت: پس اس حوالے سے کی جانے والی کاروائیاں غیر ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ عدم برداشت اور عدم رواداری کے منفی جذبات کو ہوا دینے والی ہیں اور ان کی روک تھام ضروری ہے۔

3۔خود کو داروغہ سمجھنا اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا:

تیسری وجہ بعض لوگوں کا خود کو داروغہ سمجھ کر عوام کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے پر اکسانا ہے۔جبکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا جرم ہے اور خود کو داروغہ سمجھنے کی ممانعت۔ قرآن کریم میں خود آں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ

ترجمہ: تو ان پر داروغہ نہیں۔(غاشیہ 88: 23)

اب جو بات آپ ﷺ کے لئے ممنوع ہے وہ کسی اور کے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔پھر قرآن کریم نے یہ اصول بھی مقرر فرمایا ہے اور اسے پانچ بار دہرایا ہے کہ ترجمہ: کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائی گی۔(انعام 6: 165)

اچھائی کی طرف دعوت اور برائی سے روکنا صرف نصیحت کی حد تک ہے۔اگر یہ بے نتیجہ رہے تو پھر نہ سننے والے کا معاملہ اللہ کے سپرد کیا جانا چاہیئے۔ قرآن کا یہی منشاء ہے۔

اس تعلیم کا پرچار اور عمل درآمد: ضرورت ہے کہ اس تعلیم کا پرچار ہو اور اس کے برخلاف کرنے والوں کا محاسبہ۔

اقلیت دوست پنجاب میں صورت حال اس رائج طرز عمل کے برعکس ہونی چاہیئے۔افراد کو مذہبی رواداری، بقائے باہمی اور مذہبی معاملات میں عدم مداخلت کے روشن اصولوں سے نہ صرف آگاہ کیا جانا بلکہ عامل بنایا جانا ضروری ہے۔اس غرض سے جہاں درسی کتب میں ان موضوعات کی تعلیم کی ضرورت ہے وہیں منبر اور دیگر ذرائع ابلاغ کو اس غرض سے موثر طور پر استعمال کیا جانا ضروری ہے۔

اقلیتوں کی حق تلفیوں کی درستگی:

مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر رائے عامہ اقلیتوں کی عدم دوست ہے۔اس لئے ان کی حق تلفیوں کے واقعات بکثرت ہوتے رہے ہیں۔اب جبکہ ریاست ان کا دوست بننے کا ارادہ رکھتی ہے تو یہ ضروری ہے کہ ان سب حق تلفیوں کو جن سے پہلے صرفِ نظر کیا گیا ہے ان کی حکومتی سطح پر درستگی کی جائے۔ جو چرچ اور مندر منہدم کئے گئے یا جلا دئے گئے ہیں ان کی از سر نو تعمیر کی جائے اور ان کی اپنے افراد کی جبری تبدیلی مذہب کی شکایات کا موثر ازالہ ہو۔

احمدیوں کے ساتھ کی جانے والی ناانصافیاں:

پنجاب میں احمدی ایک بڑی مذہبی اقلیت ہیں۔ان کے بارے میں دوسری آئینی ترمیم اور ان کے خلاف 1984 کے آرڈیننس کے سبب وہ سب سے زیادہ تنگ نظری اور ظلم و زیادتیوں کا شکار ہیں اور ان قوانین کی آڑ میں ان سے کی جانے والی ناانصافیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔

صرف گزشتہ تین سالوں میں پنجاب کے مختلف مقامات میں انتظامیہ کے طرف سے از خود یا خاموش سرپرستی میں احمدیوں کو اپنی عبادت گاہوں میں اپنی تہوار کی عبادت سے روکنے کے 19 واقعات ہوئے۔ہفتہ وار عبادت سے روکنے کے بہت سے واقعات ہوئے اور ہو رہے ہیں۔پولیس نے 16 احمدی عبادت گاہوں کو سیل کر دیا اور یوں انہیں روزانہ عبادات سے بھی روک دیا گیا۔تینوں سالوں میں انتظامیہ کی طرف سے احمدیوں کو ماہ ذوالحجہ میں جانوروں کی قربانی کرنے سے روکا گیا۔جانور ضبط کئے گئے۔قربانی نہ کرنے کے حلف نامے بھروائے گئے۔مقدمات بنائے گئے اور گرفتاریاں ہوئیں۔قانون کے محافظوں کے ہاتھوں کم از کم 52 احمدی عبادت گاہوں کی توڑ پھوڑ اور بے حرمتی ہوئی۔جبکہ 12 عبادت گاہوں کی دہشت گردوں کے ہاتھوں توڑ پھوڑ کو روکنے میں انتظامیہ ناکام رہی۔انتظامیہ، دہشت گردوں کے ہاتھوں 23 مقامات پر کم از کم 442 احمدی قبروں کی بے حرمتی روکنے میں بھی ناکام رہی۔

یہ سب ناانصافیاں اور زیادتیاں اس ازالہ کی طالب ہیں کہ سیل عبادت گاہیں کھولی جانے اور عبادات اور قربانیوں سے روکے جانے کو احکامات کالعدم ہوں اور توڑی گئی عبادت گاہوں اور قبروں کی مرمت کے احکام صادر۔

مزید قابل اصلاح ناانصافیاں: مذکورہ بالا حالیہ واقعات پر مستزاد پنجاب اسمبلی اور پنجاب حکومت کی طرف سے احمدیوں کے ساتھ کی جانے والی درج ذیل ناانصافیاں بھی قابل اصلاح ہیں۔

1۔احمدی تعلیمی اداروں کی عدم واپسی: 1973ء میں اس وقت کی حکومت نے ملک کے تعلیمی اداروں کو قومیا لیا۔ان میں ربوہ کے تعلیم الاسلام کالج، جامعہ نصرت اور تعلیم الاسلام ہائی اسکول بھی تھے۔بعد میں 1990ء میں حکومتی فیصلے کے تحت قومیائے گئے ادارے ان کے مالکان کو واپس کر دئے

گئے۔لیکن باوجود تمام شرائط پوری کرنے ،حکومت کو مطلوب ادائیگی کرنے اور مسلسل تتبع کرنے کے تین دہائیاں بعد بھی احمدیوں کے تعلیمی ادارے تا حال جماعت کو واپس نہیں کئے گئے ہیں اور واپس طلب ہیں۔

2۔**ربوہ کے نام کی تبدیلی:** جماعت کا مرکز ربوہ حکومت سے خرید کردہ اراضی پر خود تعمیر کردہ ایک شہر ہے۔1999ء میں پنجاب اسمبلی کی ایک قرارداد پر حکومت پنجاب نے اس شہر کا نام تبدیل کر کے پہلے نواں قادیان اور پھر چناب نگر رکھ دیا۔یہ بلا جواز اور غیر منصفانہ کاروائی قابل اصلاح ہے۔

3۔**جماعتی کتب ورسائل کی ضبطی:** پنجاب حکومت نے 19 دسمبر 2014ء کو اپنے ایک نوٹیفیکیشن کے ذریعہ حضرت بانی جماعت احمدیہؑ کی کتب ،دیگر جماعتی کتب ورسائل اور قرآن کریم کے جماعتی تراجم وتفاسیر کو ضبط کر لیا۔

ان کتب ورسائل کی اس ضبطی نے احمدیوں کو اپنی دینی تعلیم وتربیت کے اہم اور بنیادی ذرائع سے محروم کر دیا۔یہ ان کے ایک بنیادی حق کی نفی تھی۔یہ بے جا پابندی اٹھائے جانے کی منتظر ہے۔

4۔**جماعتی پریس کی بندش:** پنجاب پولیس کے محکمہ انسداد دہشت گردی نے 5 دسمبر 2016ء کو چھاپہ مار کر ربوہ میں واقع جماعت احمدیہ کے پریس سیل کر دیے۔اس اقدام نے جماعت کی نشرو اشاعت کی سرگرمیوں پر قدغن لگا دی۔یہ بھی ان کے ایک بنیادی حق کی نفی تھی۔یہ بلا جواز اور نامنصفانہ کاروائی تا حال اصلاح طلب ہے۔

وطن کے روشن احمدی ستاروں کا ذکر نہ کیا جانا: ایک اور قابل اصلاح امر درسی کتب میں اور میڈیا پر احمدیوں کی ان اعلیٰ خدمات کا بالارادہ ذکر نہ ہونا ہے جو انہوں نے پاکستان کے اعلیٰ ترین مفاد میں کیں اور جن سے پاکستان کو دنیا میں غیر معمولی نیک نامی اور شہرت حاصل ہوئی۔ان کا درسی کتب اور حسب موقع ذکر احمدیوں کی وطن سے محبت کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کا سبب ہوگا اور حکومت کی ان کوششوں میں مد۔ان عظیم پاکستانیوں میں چند نام یہ ہیں۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب: قائداعظم کے معتمد جنہیں ایک موقع پر آپ نے اپنا بیٹا کہا اور ہر اہم کام کے لئے ان کی طرف دیکھا۔جنہیں پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلمانوں کے وکیل، پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ اور پاکستان کو دنیا سے روشناس کرانے کے لئے اقوام متحدہ میں پاکستان کے پہلے وفد کی سربراہی کے اہم مناصب پر خود مقرر فرمایا۔یہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تھے۔جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے پاکستان اور عالم اسلام کی انتہائی شاندار خدمات انجام دیں۔

اقوام متحدہ میں اہل فلسطین کے حقوق کے لئے آپ کا اظہار حق کا اس وقت سب عرب مملک کے نمائندوں کی دل کی آواز ٹھہرا۔مسئلہ کشمیر پر آپ کی کامیاب وکالت سے اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں اس قرارداد کی متفقہ منظوری ممکن ہوئی جو آج تک اس مسئلہ کے حل کے لئے پاکستان کی آخری کامیابی ہے اور اسی کی بنیاد پر ہم کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔اقوام متحدہ میں آپ کی کامیاب وکالت کے نتیجہ میں ہی عرب مما لک مراکش، الجزائر اور لیبیا کو آزادی حاصل ہوئی۔جس کے اعتراف میں تیونس،مراکش اور اردن نے آپ کو اپنے سب سے بڑے نشان اعزاز سے نوازا۔

آپ پہلے اور آخری پاکستانی ہیں جو عالمی عدالت انصاف کے جج رہے۔بعد میں عدالت میں نشست کے حصول کی پاکستان کی تین کوششیں

کامیاب نہ ہوئیں۔آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ آپ عالمی عدالت انصاف کے سربراہ اور جنرل اسمبلی کے صدر رہے۔یہ ایسا منفرد اعزاز ہے جو دنیا بھر میں آج تک کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوا۔آپ کی وفات پر سوگ میں اقوام متحدہ کا پرچم سرنگوں کیا گیا۔آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ سعودی فرمانروا شاہ فیصل نے آپ کو حضورﷺ کے روضۂ اقدس کے اندر جانے کی اجازت دی۔

ڈاکٹر عبدالسلام: پہلے پاکستانی سائینسدان کی حیثیت سے ڈاکٹر عبدالسلام کا نوبل انعام حاصل کرنا پاکستان کے ماتھے کا ایک سدا بہار جھومر ہے۔ تقسیم انعام کی تقریب میں ڈاکٹر صاحب کی شخصیت نے پاکستان، اس کی تہذیب، اس کے لباس اور اس کی زبان اردو کو دنیا بھر میں بے مثل عزت و احترام دلوایا۔یہ ایک ہمیشہ یادرکھی جانے والی انوکھی مثال تھی۔اس سے پہلے انہوں نے صدر پاکستان کے اعلیٰ سائینسی مشیر، بانی چیئرمین سپارکو اور ممبر پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کی حیثیت میں ملک کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔آپ کا قائم کردہ ادارہ انٹرنیشنل سینٹر برائے تھیوریٹیکل فزکس پاکستان سمیت دنیا بھر کے نوجوان سائینسدانوں کی تربیت کررہا ہے۔

ایم ایم احمد صاحب: آپ پاکستان سول سروس کہ مایہ ناز افسر تھے۔سیکریٹری وزارت تجارت اور خزانہ کے علاوہ پاکستان پلاننگ کمیشن کے سربراہ بھی رہے۔آپ کی قیادت میں 1960 کا عشرہ پاکستان کی صنعتی پیداواری ترقی کا بہترین دور تھا۔جس میں جنوبی کوریا کے افسر تربیت حاصل کرنے پاکستان آتے تھے۔

جنرل اختر حسین ملک: آپ 1965 کی جنگ کے نمایاں ہیرو تھے۔جنہوں نے بہادری اور اعلیٰ جنگی مہارت سے دشمن کو شکست دی۔کشمیر کے محاذ پر ان کی قیادت میں پاکستانی فوج نے چھمب کو فتح کیا اور اکھنور تک پہنچ گئی۔اس بڑی کامیابی پر آپ کو ملک کا دوسرا سب سے بڑا اعزاز ہلال جرأت دیا گیا۔اور شاعروں نے ان کی تعریف میں گیت لکھے۔

جنرل عبدالعلی ملک: 1965ء کی جنگ میں چونڈہ دشمن کے پورے آرمرڈ ویژن کے ساتھ حملہ کے مقابل میں ٹینکوں کی عظیم جنگ میں پاکستان فوج کی کمان کی اور اپنی دلاوری، ہمت اور سوجھ بوجھ سے دشمن کو پسپائی پر مجبور کردیا اور ملک کا کامیاب دفاع کیا۔ان عظیم خدمات کے صلے میں انہیں ملک کا دوسرا سب سے بڑا اعزاز ہلال جرأت دیا گیا۔

میجر جنرل افتخار جنجوعہ: 1965ء کی جنگ میں آپ کی مردانہ وار قیادت نے دشمن کے وسیع علاقہ پر پاکستانی پرچم لہرادیا۔اور آپ ہیرو آف رن کچھ کہلائے۔اس شجاعت اور بہادری کے اعتراف میں آپ کو ملک کا دوسرا سب سے بڑا اعزاز ہلال جرأت دیا گیا۔1971ء کی جنگ میں کشمیر کے محاذ پر ایک بار پھر چھمب آپ کے ہاتھ سے فتح ہوا۔اور چھمب کا نام ان کے نام پر افتخار آباد رکھا گیا۔

دوران جنگ اگلے مورچوں پر ان کا ہیلی کاپٹر دشمن کے حملہ کی زد میں آ گیا اور اس بہادر جرنیل نے پاکستان کی حفاظت میں اپنی جان قربان کردی۔ اس عظیم کارنامے پر ایک بار پھر آپ کو ملک کا دوسرا سب سے بڑا اعزاز ہلال جرأت دیا گیا۔یوں جنرل افتخار جنجوعہ نے دو منفرد اعزاز حاصل کئے۔آپ جنرل رینک کے میدان جنگ میں شہید ہونے والے واحد افسر ہوے اور آپ کو دوبار ہلال جرأت دیا گیا۔

دیگر جانباز: اور بھی کئی احمدی افسر ملک کے دفاع میں بہادری سے لڑے اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ان میں میجر قاضی بشیر احمد شہید، میجر منیر احمد شہید، اسکوارڈن لیڈر خلیفہ منیرالدین شہید ستارۂ جرأت اور لیفٹیننٹ ممتاز انور شہید ستارۂ جرأت شامل ہیں۔

ایک اور بہادر میجر جنرل ناصر احمد تھے جو 1971ء میں میدان جنگ میں زخمی ہونے والے اپنے رینک کے واحد افسر تھے۔ نیز لیفٹیننٹ کرنل بشارت احمد تمغۂ امتیاز جو اگلے مورچوں میں لڑتے ہوئے جنگی قیدی ہونے والے اپنے رینک کے واحد افسر تھے۔

حرفِ آخر:

پس پنجاب کو اقلیت دوست بنانے کے خواب کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس راہ میں حائل مذکورہ بالا تینوں بگڑی سوچوں کی مسلسل ترویج، عملی نمونوں اور برخلاف کرنے والوں کی گرفت کے ذریعہ اصلاح کا عمل شروع کیا جائے اور تواتر سے جاری رکھا جائے۔ نیز ماضی میں کی جانے والی مذکورہ بالا سب ناانصافیوں کے ازالہ کی عملی کاروائی کی جائے۔ یہ سب کرنا ایک مضبوط عزم اور ارادہ کا متقاضی ضرور ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں ایسا خواب دیکھنا اور اس کا برملا اظہار کرنا بھی تو کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس پہلے قدم کے بعد درست سمت میں مزید آگے بڑھنا ضرور ممکن ہے۔ اے کاش۔



''خود کاشتہ پودا''

جناب آفتاب احمد صاحب بسمل۔ کراچی

اک میرے شناسا لگے فرمانے یہ اک روز
ہے احمدی انگریز کا ''خود کاشتہ پودا''
مانگا جو ثبوت ان سے تو شرمندہ سا ہو کر
کہنے لگے ''اک مولوی صاحب نے کہا تھا''
میں نے کہا معلوم حقیقت نہ ہو جس کو
اس کو سخن اس طرح کا زیبا نہیں دیتا
کچھ غور کرو عقل سے تم کام ذرا لو
کہتے ہوئے یہ بات ذرا تم نے نہ سوچا
جس شخص نے کی عمر بھر اسلام کی خدمت
جو دینِ مسیحی سے رہا معرکہ آرا
انگریز کے مذہب کے اُڑا ڈالے پرخچے
تثلیثی عقائد کئے جس نے تہ و بالا
جس شخص نے قرآں کے براہینِ قوی سے
اسلام کا سب دینوں پہ ثابت کیا غلبہ
جس بطلِ جری نے کیا اسلام کو زندہ
ایوانِ مسیحی میں کیا زلزلہ برپا
سب پادری جس مردِ مجاہد سے تھے لرزاں
اسلام کا دنیا میں تھا جو زندہ نمونہ
ناکارہ کیا جس نے نصاریٰ کا کفارہ
ثابت کیا کشمیر میں ہے مدفنِ عیسیٰؑ
جس مردِ حق آگاہ نے باطل کے فسوں کو
قرآن کے اعجازی نشانات سے توڑا
مغلوب کیا جس نے ہر اک دشمنِ دیں کو
اونچا کیا ہر سمت محمدؐ کا پھریرا
اس شخص پہ اور اس کی جماعت پہ یہ الزام
لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه

(الفرقان ربوہ، نومبر 1960ء)



خالقِ کائنات کی آیات

جناب میر اللہ بخش صاحب تسنیم

یہ شمس و قمر ابر و ہوا ارض و سماوات
سب انفس و آفاق کے خالق کی ہیں آیات
ہے خاک کے ذروں کی سر عرش رسائی
حیرت سے فلک تکتا ہے بندوں کے مقامات
ہے علم وہی علم جو لے جائے خدا تک
جو کچھ بھی ہے باقی وہ ہے شیطان کی خرافات
آدم نے دیا صلح کا پیغام جہاں کو
ابلیس نے ایجاد کئے جنگ کے آلات
انسان حقیقت میں بہت کم ہیں جہاں میں
ہیں بیشتر انسان کی صورت میں جمادات
ہم صلح و محبت کا جنہیں دیتے ہیں پیغام
کرتے ہیں وہی سنگ فشانی سے مدارات
بس سمجھو یقیناً کہ وہ دم توڑ رہا ہے
جو دین ہے اس دور میں محرومِ نشانات
ہے زندہ جاوید محمّد کی صداقت
باقی نہیں دنیا میں نشانِ ہبل و لات
دل نرم، نظر گرم، جگر خوف سے خالی
ہیں بندہء مومن کی یہ مخصوص علامات
تکتی ہے حقارت کی نظر سے ہمیں دنیا
یا رب ہے یہی کیا تیری پوجا کی مکافات
آساں نہیں منزلِ مقصودِ مسلماں
اس راہ میں آتے ہیں خطرناک مقامات
مٹی کو یونہی روند کے غافل نہ گزر جا
ہر ذرے میں پوشیدہ ہیں قوموں کی حکایات
تسلیم و رضا بندہء مومن کا وطیرہ
شیطان کا شیوہ ہے مگر فخر و مباہات
ہیں بر سرِ پیکار عقاید سے عقاید
تسنیمؔ خیالات کو کھاتے ہیں خیالات

(الفرقان ربوہ، مئی 1960ء)

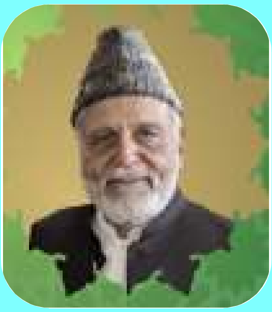


سیدنا حضرت احمدؑ قادیانی علیہ السلام

مصلح الدین احمد صاحب راجیکی

اٹھ کھل گئے آسماں کے دریچے
سنو آ گیا وہ مسیحائے ثانی
وہ طور و حرا کی اداؤں کا محرم
وہ عہدِ محبت کی زندہ نشانی
وہ عرفانِ یزداں میں ظلِّ محمّد
وہ ایمانِ ایزد میں یٰسینِ ثانی
وہ چرخِ نبوت کا ماہِ منور
وہ فرقِ ولایت کا تاجِ کیانی
وہ برجِ سعادت کا مہرِ درخشاں
وہ درجِ حقیقت کا لعلِ یمانی
وہ جانِ شریعت وہ روحِ طریقت
وہ اقلیم عفت کا صاحبقرانی
وہ عیسیٰؑ وہ مہدیؑ وہ محبوب ملت
وہ شاہِ جہاں احمدِ قادیانی

(الفرقان ربوہ، مارچ 1960ء)



ایک سنی لڑکی کی احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں شمولیت کی نہایت پُراثر حقیقت پر مبنی باتیں

تحریر کردہ: صفدر نذیر جاوید گولیکی واقفِ زندگی کینیڈا

ایک باہمت اور ایمان سے پُر ایک سنی لڑکی کی احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں شمولیت کی نہایت پُراثر حقیقت پر مبنی باتیں۔ یہ انٹرویو مسلم نیشنل ٹیلی ویژن احمدیہ MTA پر نشر کیا گیا۔

تعارف:

میرا نام مالاکوت ہے اور میرا تعلق پاکستان سے ہے۔ میں سنی گھرانے میں پیدا ہوئی۔ میرا خاندان جو والدہ کی طرف سے بہت ہی مذہبی لوگ ہیں۔ میری نانی جو خدا کے فضل سے حیات ہیں درس دیا کرتی تھیں بہت باپردہ اور ویل رسپیکٹڈ بیک گراؤنڈ ہے۔ میں ان کی لاڈلی نواسی ہوں۔ دین سے محبت اور تعلیم مجھے نانی جان سے ملی۔ کیونکہ میرا گہرا تعلق میری نانی جان کے ساتھ تھا۔ اسلامی کہانیاں اور قصے واقعات سنے ہوئے تھے۔ انبیاء کے ساتھ جو واقعات بیتے تھے۔ وہ سب سنے ہوئے تھے۔ میرا اسلامی علم جتنا بھی تھا اور جتنی بھی انفرمیشن تھی وہ میری نانی اماں کے ذریعہ منتقل ہوئی۔ اور میری نانی جان کے علم کی بنیاد مودودی صاحب کی تعلیم پر تھی۔ وہ مودودی صاحب کو بہت پڑھتی تھیں۔ اس لئے ایک وقت میں ان کا کافی رجحان جماعت اسلامی کی طرف بھی رہا ہے۔ اور مجھے یاد ہے کہ میری نانی جان کثرت سے ڈاکٹر اسرار احمد کے لیکچرز سنا کرتی تھیں اور ایک وقت ایسا بھی تھا کہ ڈاکر نائیک کے لیکچرز سنتیں رہیں اور متاثر ہوئیں اور یہ لیکچرز وَن ٹیلی ویژن پر آیا کرتے تھے میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر سنا اور دیکھا کرتی تھی اور کہتی تھیں کہ دیکھو کس طرح ایک دم میں حوالے کے ساتھ بات کرتے ہیں اور قرآن کے ساتھ جواب دیتے ہیں، یہ میرا بیک گراؤنڈ ہے۔

سوال: آپ نے اسلام احمدیت کیوں قبول کی؟ جواب: احمدیت سے میرا جو پہلا تعارف تھا وہ میری امی جان کی طرف سے ہوا۔ اور وہ ایک غلطی سے ہوا۔ وہ اس طرح ہوا کہ ہم پاکستان میں کہیں سے گزر رہے تھے اور ہم اپنی فیملی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ میں اس وقت پانچویں چھٹی کلاس میں تھی اور میں اس عمر تھی کہ میرے امی ابو جو بات کر رہے ہیں وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے غور سے سنا۔ رات کا وقت تھا۔ میری امی نے ابو سے پوچھا کہ یہ کس کی بلڈنگ ہے۔ تو میرے ابو جان نے کہا کہ یہ قادیانیوں کی مسجد ہے۔ جب میں نے یہ بات سنی تو جھٹ سے سوال کیا کہ قادیانی کون ہوتے ہیں تو میری امی نے جواب دیا کہ

''یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ سو سال پہلے آئے تھے اور اب ان کی وفات ہوگئی ہے۔ مجھے نانی جان کی طرف سے یہ بتایا گیا تھا کہ سارے انبیاء گزر چکے ہیں اب کسی نبی نے نہیں آنا۔ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ اس سے پہلے امام مہدی آئیں گے۔ یہ باتیں مجھے پتہ تھیں لیکن جب امی جان نے یہ بات کی تو میں نے فوراً سوال کیا کہ مجھے پتہ ہے کہ وہ غلط ہیں اور ہم صحیح ہیں، لیکن ہم ان کو کیا عقلی دلیل دیں اور بتائیں کہ وہ غلط ہیں اور ہم صحیح ہیں۔ میری امی نے جواب دیا کہ ''اللہ بہتر جانتا ہے۔'' اور پھر بتایا کہ میری جو بچپن کی سہیلی ہے جسے تم خالہ کہتے ہیں وہ بھی قادیانی ہیں۔ اور خالہ کا نام صالحہ ہے۔ میں ان سے ایک دو بار ملی ہوں گی، بچپن میں لیکن گھر میں ان کا اتنا ذکر ہوتا تھا کہ

صالحہ خالہ یہ اور صالحہ خالہ وہ۔ تو اس لئے مجھے پتہ تھا۔ اور ملاقات بھی ہوئی ہوئی تھی۔ اور جب میری امی جان نے مجھے یہ بتایا کہ ''صالحہ خالہ بھی قادیانی ہیں تو مجھے بہت Shok لگا تھا۔ اچھا وہ بھی یہ مانتی ہیں کہ امام مہدی جو ہیں وہ آ چکے ہیں۔ بہر حال یہ ایک اتنا سا واقعہ تھا جو ہوا وہ ہمیشہ کے لئے میرے ذہن میں اک اثر چھوڑ گیا۔ اور یادکی طرح میرے ذہن میں محفوظ ہو گیا کہ اچھا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ امام مہدی آ چکے ہیں۔ بہت عرصہ گزر گیا لیکن مجھے یاد نہیں آیا پھر ایک وقت آیا کہ وہ بات یاد آئی اور یہ میرا پہلا تعارف تھا احمدیت سے لیکن پہلے قادیانیت کے طور پر پتہ تھا لیکن بہر حال یہ پہلی انڈر سٹینڈنگ تھی۔ اور اس بات کو کافی سال گزر گئے اور میں ایف ایس سی میں آ گئی تھی اور مجھے یاد ہے کہ اس وقت پاکستان میں۔ مارننگ شوز کا بڑا رواج تھا اور لوگ بڑی باقاعدگی سے یہ شُوز دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے کالج سے چھٹی کی ہوئی تھی۔ جب میں لیونگ روم میں گئی تو امی جان مارننگ شو دیکھ رہی تھیں اور اس شو میں مولوی صاحب آئے ہوئے تھے اور کئی علماء بیٹھے ہوئے تھے۔ اور موضوع زیر بحث آثار قیامت تھا کہ یہ قیامت کے آثار ہیں۔ علماء کہہ رہے تھے کہ لوگ انگریزوں کی طرف انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ جبکہ احادیث میں ہے قرب قیامت میں عورتیں مردوں کی شکلیں اختیار کر لیں گے یہ تو دجالیت ہے، بڑا فتنہ ہے امریکہ جو ہے کتنا پاورفل ہے کہ ہر بندہ جانتا ہے دجال والی ساری نشانیاں ہیں۔ لوگ دوسروں پر تنقید کرتے ہیں۔ اور میں نے غور کیا اور سمجھا کہ ہم مسلمان اپنے اعمال کی طرف نہیں دیکھتے دوسری دنیا کو چھوڑ دیں صرف پاکستان میں کتنے مسلمان ہیں، انہوں نے بتایا کہ ستر فیصد مسلمان پاکستان میں نماز ہی نہیں پڑھتے۔ اور اعمال اپنی جگہ پر اور نماز کی جو حالت ہے وہ بھی سب جانتے ہیں گویا اپنی طرف نہیں دیکھتے دوسروں کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ قیامت کی نشانیاں ہیں۔

موجودہ مسلمانوں کی حرکتیں اور اعمال قیامت کی نشانی۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی حرکتیں اور اعمال کیا قیامت کی نشانی نہیں ہیں۔ جب میں نے یہ بات سنی تو مجھے آج تک ان کی بات بھولی نہیں جب میں نے یہ بات سنی تو میں بہت شرمندہ ہوئی اور پھر یہ شوق پیدا ہوا کہ کاش میں کسی نبی کو دیکھتی اور یہ شوق کسی کو نہیں ہے کہ کاش ہم بھی ایسے وقت میں ہوتے جب خدا کا نبی ہم میں ہوتا کہ وہ کس طرح کے لوگ ہوں گے۔

شرمندگی کیوں ہوئی۔ مجھے اس بات سے شرمندگی ہوئی کہ میں بھی ستر فیصد لوگوں میں سے ہوں جو نماز نہیں پڑھتے اور حضرت عیسیٰؑ کے ظہور کی باتیں کرتے ہیں۔ اور میری حالت یہ تھی کہ مہینے میں شاید ایک نماز یا دو نمازیں پڑھتی تھی اور میں کثرت سے ایسے لوگوں کو جانتی ہوں اور ایسا ہوتا ہے جب شرمندگی ہوئی تو میں ڈری اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے مہینہ میں دو نمازوں کی جگہ اب روزانہ چار نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ فجر کی نماز میں سستی ہوتی، پر کوشش جاری رہی اور میں نے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ اس طرح کچھ مہینے گزرے ہوں گے اس حالت میں کہ سچی خواب۔ پہلی سچی خواب آئی میں دیکھتی ہوں کہ میں قیامت کا سا نظارہ ہے (یہ نظارہ میں کبھی نہیں بھولا سکتی) پاکستان ملک ہے۔ سڑکوں میں گڑھے پڑ گئے ہیں اور وہ ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں جیسے کوئی خطرناک قسم کی تباہی آئی ہوا اور ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے اور ہر کوئی بھاگ رہا ہے اور وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے ہیں کہ بھاگو، بھاگو قیامت آ گئی ہے۔ میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ جس گھر میں میں ہوں اور وہ گھر ایسا ہے جو محفوظ ہے۔ قلعہ نما جہاں تباہی نہیں آئی میں امی ابو کو دیکھ رہی ہوں وہ بھی اور میں پریشان ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کو پناہ دے رہے ہیں اور جس کو پناہ دے رہے ہیں اس بارہ میں بھی پریشان ہیں کہ جس شخص کو پناہ دے رہے ہیں اس کو کیسے چھپائیں اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا۔ اسے چھپا کر کیسے نکالیں۔ لوگ تو اسے مار ڈالیں گے تو وہ اس طرح کی پریشانی میں ہیں تو میں اپنے بھائی کو دیکھتی ہوں۔ سب کھڑے ہیں وہ چھوٹا سا ہے اس کی عمر 7 سال ہے اس کی طرف میری نظر جیسے ہی پڑتی ہے تو میں دیکھتی ہوں کہ اس کا قد ایک دم لمبا ہو جاتا ہے اور اس جگہ ایک اور شخص کھڑا ہے

جب میں اس کے چہرے کی طرف دیکھتی ہوں تو کیا دیکھتی ہوں کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہیں بالکل جوان اور چمکتا ہوا چہرہ ایسا چہرہ کہ جیسے چاند ہے۔ وہ میری طرف دیکھ رہے ہیں اور میں ان کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ وہ مجھے ایسے دیکھ رہے ہیں مسکرا کر جیسے میں نے کوئی کارنامہ کیا ہے، بہت ہی خوشی کا اظہار کر رہے ہیں مجھے یاد ہے کہ میں ان کی طرف دیکھتی جارہی ہوں اس قدر چمکتا چہرہ اور نورانی ہے کہ آنکھیں کھلتی نہیں ہیں۔ دیکھنے کے لئے پھر ایک دم نظارہ بدل جاتا ہے۔

میں اپنے کمرے میں ہوں اور ایک الماری میں چھپی ہوئی ہوں اور الماری میں سے جھانک کر میں دیکھ رہی ہوں اور سن رہی ہوں جب میں جھانکتی ہوں تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک کمرہ سا ہے اور ایک ڈاکٹر کی میز پڑی ہوئی ہے ڈاکٹر صاحب ہیں ان کے سامنے میرے امی ابو بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ڈاکٹر صاحب کے پیچھے الماری میں ہوں اور جب میری نظر ڈاکٹر صاحب پر پڑتی ہے تو کیا دیکھتی ہوں کہ یہ تو حضرت عیسیٰؑ ہیں میں چھپ کر دیکھ رہی ہوں میرے امی ابو حضرت عیسیٰؑ سے پوچھ رہے ہیں کہ ”کیا یہ سچ ہے کہ جو لوگ کہہ رہے ہیں قیامت آ گئی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں (بظاہر وہ ڈاکٹر ہیں)۔ کہتے ہیں کہ لوگ جسے قیامت سمجھ رہے ہیں یہ محض زلزلے ہیں، ابھی قیامت نہیں آئی یہ زلزلے ہیں۔ یہاں پر میرا خواب ختم ہو جاتا ہے۔

کیا خوب تھا یہ خواب۔ جب آنکھ کھلی پورا یاد تھا خاص طور پر آنحضرت ﷺ کا چہرہ جیسے ہم سورج کی طرف دیکھتے ہیں اور پھر کس اور چیز کو صحیح طرح نہیں دیکھ سکتے۔ اس قدر چمک کہ وہ چہرہ (آنحضرتؐ) کا بھلا نہیں پا رہی تھی۔ اس خواب کا ذکر میں نے امی سے کیا اور نانی جان کو بھی بتایا۔ اور پوچھا اس کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے کہا کہ بہت اچھی اور بابرکت خواب ہے۔ آنحضرتؐ کو دیکھنا تو بہت ہی، It is Blassing ہے۔ ظاہر ہے تعبیر تو اس کی نہیں سمجھ آئی لیکن خواب ہمیشہ کے لئے میرے ذہن میں محفوظ رہا۔

خواب پر تحقیق۔ میرا دل کہتا تھا کہ یہ خواب ایسے ہی نہیں آئی اس کا کوئی مطلب ہے۔ اس کا مجھے مطلب ہر حال میں ضرور جاننا ہے بہر حال اسی طرح دو تین سال اور گزر گئے اور میں اپنے والدین کے ساتھ سعودی عرب چلی گئی تھی عمرہ کیا اور چھٹیوں میں واپس پاکستان آئی۔ اس گھر میں ایک اور خواب دیکھی۔

ایک اور خواب۔ میں کوئی کسی قسم کی بات سوچ نہیں رہی تھی اور کوئی خیال نہ تھا۔ میں خواب میں دیکھتی ہوں کہ ایک سرسبز کھیت ہے جیسے میڈوز ہوتے ہیں وہ بالکل اس طرح جیسے لوپٹنگ لائنز میں بالکل سرسبز۔ میں جب آسمان کی طرف دیکھتی ہوں تو سورج اور چاند دو گلوب جو آسمان سے لٹکے ہوئے ہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں ایک سورج ہے اور ایک چاند ہے لیکن یہ بھی کہہ سکتے ہیں دونوں سورج ہیں یا دونوں چاند ہیں۔ میں خواب میں سوچتی ہوں کہ کیا خدا کی شان ہے۔ سورج اور چاند کو اکٹھا کر دیا ہے ایک ہی وقت میں۔ اور اس نظارہ کو دیکھ رہی ہوں خدا تعالیٰ کی کیا عجیب شان ہے۔ اور میری آنکھ کھل جاتی ہے، اس خواب کا بھی مجھ پر بڑا اثر تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے میں نے یہ خواب بھی اپنی امی کو سنائی اور نانی جان کو سنائی۔ وہ کہنے لگیں بہت ہی اچھی ہے، لیکن پتہ نہیں اس کا کیا مطلب ہے لیکن میرے دل میں تھا کہ یہ ایسی خواب ہے جو سچی خواب ہے۔ لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ کچھ خوابیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو سچی نہیں ہوتیں ذہن کی پیداوار ہوتی ہیں۔ خیالات کی وجہ سے جو خواب دیکھے جاتے ہیں اس میں اور اس میں کیا فرق ہوتا ہے۔ لیکن سچی خواب کا ایک ایسا رُعب ہوتا ہے دل گواہی دیتا ہے کہ نہیں اس میں کوئی بات ہے۔ جو جکڑ لیتا ہے پھر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ خواب سچی ہے اور یہ خواب سچی نہیں ہے۔ بہر حال مجھے یہ سمجھ آ رہی تھی کہ جو تین سال پہلے خواب دیکھی تھی اور جو اب دیکھی ہے اس کا آپس میں لنک ہے جیسے Episode ایک اور Episode ٹو ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت ابھی سمجھنا باقی تھی۔ اب یہ ٹائم تھا کہ میں سعودیہ چلی گئی تھی اور اے لیول میں نے وہاں سے کیا۔ میں نے یونیورسٹی کے لئے اپلائی کیا اور

پاکستان آئی اور یہ بات ہے 2014ء کی اور اسلام آباد کی اچھی یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی اور اس وقت سیریا کے حالات بہت زیادہ بگڑنے شروع ہو گئے تھے۔ بم بلاسٹ ہو رہے تھے اور ہر وقت میڈیا میں یہی تھا کہ سیریا میں یہ ہوا۔ یہ تو قیامت کی نشانی ہے اور دجال کا جو فتنہ ہے جو پھوٹے گا وہ سیریا سے پھوٹے گا۔ جب یہ حالات دیکھے اور سنے تو ظاہر ہے خوابیں بھی دیکھی ہوئی تھیں۔ اور یہ بھی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے ایک دن آنا ہے اور امام مہدی نے آنا ہے۔ تو میرے دل میں یہی تھا کہ سیریا والی نشانی پوری ہوگئی ہے اب تو آئے کہ آئے۔ میرا کنسیپٹ یہی تھا کہ تیسری جنگ عظیم تو حضرت عیسیٰؑ نے آ کر لڑنی ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اور جو حالات چل رہے ہیں وہ تو جنگ عظیم کی طرف جا رہے ہیں۔ اور جب تک حضرت عیسیٰ ورامام مہدی آئیں گے نہیں تو یہ جنگ سٹارٹ نہیں ہو سکتی ہمارے اپنے عقیدہ کے مطابق۔

دعاؤں کی طرف توجہ۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت میں نے بہت دعائیں کیں۔ کئی سال پہلے میں نے اپنی نانی جان سے پوچھا تھا۔ کہ تمام نبی تو گزر گئے، حضرت عیسیٰ کا نزول ہونا ہے۔ مجھے یاد ہے میں نانی جان کے پاس بیٹھی تھی میں انہیں کہہ رہی تھی کہ آپ کا دل نہیں کرتا کہ آپ نبی کو دیکھتیں میرا دل کرتا ہے اور دعا کرتی ہوں کہ ہمارے ٹائم میں ہی حضرت عیسیٰ کا نزول ہو تو میری امی اور نانی کہتی ہیں، استغفر اللہ وہ تو دجال کا زمانہ ہوگا ایسی دعائیں نہیں کرتے ہوتے۔ لیکن انہوں نے تو ایسی بات کر دی لیکن میں کہتی تھی کہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی میں تو ہمیشہ دعا کرتی تھی کہ جو بھی ہو۔ اگر دجال کا زمانہ ہے تو کیا ہوا ہم حضرت عیسیٰؑ کو فالو کر لیں گے اور میں نے ہمیشہ یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ نبی کیسے ہوتے ہیں کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق ہوتا ہے یہ دعا ہمیشہ میرے دل میں رہی کہ میں اس کو فالو کر سکوں تب جب حضرت عیسیٰؑ آئیں گے۔

دعا میں شدت۔ میں یونیورسٹی میں تھی سیریا کے حالات ہو رہے تھے میں نے شدت سے دعا کرنی شروع کر دی کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہ پتہ ہے (جو ایک عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جنگ ہوگی اور حضرت عیسیٰؑ اس کو لیڈ کریں گے۔ اور دشمن کی سرکوبی کریں گے ان کو ماریں گے اور جو اسلام کا انکار کرے گا۔ اس کی گردن اڑا دی جائے گی مگر جو اسلام قبول کر لے گا اور کہے گا کہ ہاں ہاں میں مسلمان ہوں تو اس کی بخشش کر دی جائے گی ان باتوں کا مجھے علم تھا) تو میں نے دعا کرنی شروع کر دی کہ ان حالات میں کوئی نہ کوئی آرمی ہے جو چھپ کر تیاری کر رہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آئیں امام مہدی آئیں تا کہ ان کے ساتھ مل کر کام کریں۔ میں یہ دعا کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ وہ آرمی کہاں ہے، کون لوگ ہیں۔ مجھے یہ تو علم ہے کہ یقیناً وہ لوگ ہیں اور جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور انتظار کر رہے ہیں امام مہدی کے آنے کی اور حضرت عیسیٰؑ کے آنے کی۔ تو مجھے کسی طرح ان سے ملوا دے تا کہ میں بھی ان کا ساتھ دے سکوں تا کہ میں بھی اسلام کے لئے جو ہے اپنی قربانی دے سکوں۔ میرا بھی اس میں رول ہو۔ یہی میری دعا تھی اور مسلسل یہ دعا کرتی تھی۔ تو حالات چل رہے تھے اور سیریا سے خبریں بھی آ رہی تھیں۔ بہر حال دعا جاری تھی بلکہ شدت سے جاری تھی۔

تیسری جنگ عظیم کی طرف حالات جا رہے ہیں۔ اس نیت کے ساتھ مجھے ایک اور خیال آیا کہ حالات تو تیسری جنگ عظیم کی طرف جا رہے ہیں ہر وقت بمبنگ ہو رہی ہے ٹی وی پر بھی آ رہا ہے تو کیا یہ میرا ہی خیال ہے یا اور لوگوں کا ایسا ہی خیال ہے کہ دنیا ورڈ وار کی طرف جا رہی ہے تو اس نیت سے میں نے پتہ کرنا شروع کیا اور انٹرنیٹ پر میں نے ایک پلیٹ فارم جوائنڈ کیا جس میں بہت سے لوگ ہیں ملین ملین لوگ ہوتے ہیں اور مل کر باتیں کرتے ہیں۔ اوپن ڈسکشن فورم تھا۔ اور اس نیت کے ساتھ کہ میں ان سے بات کرتی ہوں کوئی گورا ہوگا۔ میں پوچھوں گی کہ ان کا کیا خیال ہے اس بارہ میں۔ جو حالات چل رہے ہیں واقعی ورڈ وار ہونے والی ہے۔ اس نیت سے آن لائن ہوئی۔ میں حیران ہوتی بلین لوگ تھے اس پر لکھا آتا ہے کہ کتنے لوگ اس میں شامل ہیں ایک بندہ سے میرا رابطہ ہوا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو احمدی تھے بلکہ وہ مربی صاحب تھے۔ میں نے ان سے پوچھا اور جنگ کے بارے

میں بھی بات ہوئی۔

احمدی احباب سے رابطہ۔ساری باتیں ان سے ہوئیں تو میں نے کہا کہ یہ جو مسلمان ہیں۔سعودی عرب بھی مسلمان ممالک کے خلاف ہے۔اور مسلمان مسلمان کو مار رہے ہیں۔کون سا سچا ہے۔سعودی عرب والوں کے پاس مکہ ہے خانہ کعبہ ہے ہمارے دلوں میں تو ان کے لئے ویسے ہی عقیدت اور محبت ہے لیکن سمجھ نہیں آتی کہ عقیدت اور محبت تو اللہ کے گھر کے ساتھ ہے لیکن اس گھر کی رکھوالی کرنے والوں کی جو حرکتیں ہیں وہ بہت خراب ہیں۔وہ مسلمان جو پڑوسی ممالک ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کبھی کوئی ملک کسی دوسرے میں کبھی کسی میں انوالو ہیں۔سعودی عرب ہی نہیں دوسرے مسلم ممالک کی بھی حرکتیں ایسی ہیں جو غیر مسلموں سے بھی بدتر ہیں۔یہ سوال میں نہیں کرتی بہت سارے لوگ بھی کرتے ہیں۔یہ ہیں مسلمان۔بہرحال یہ سوچ دل میں رہی تھی۔میں اس وقت 21،20 سال کی تھی۔میں نے ان سے پوچھا (بعد میں معلوم ہوا، وہ مربی صاحب ہیں) کہ یہ جو فرقے ہیں۔ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔ہمیں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ہمارا یہ فرقہ ہے وہ فرقہ ہے ہم سب کو ایک ہونا چاہئے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے یہ جو فرقہ بازی کی دوڑ لگی ہوئی ہے جب کہ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ تفرقہ میں نہ پڑو۔مربی صاحب نے جواب دیا (ان کا جو طریقہ تھا) کہ یہ جو آپ پوچھ رہی ہیں اگر آپ کا ارادہ یہ ہے کہ میں بتاؤں کہ میرا فرقہ کیا ہے تو میں بتا دیتا ہوں کہ میں احمدی ہوں۔اور پاکستان سمیت بہت سے ممالک میں ہمیں Non Muslim ڈکلیئر کیا ہوا ہے۔میں نے کہا مجھے تو اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ آپ کا اپنا پرسنل بلیف کیا ہے یا desenIt is ......آپ کا فرقہ کون سا ہے۔بہرحال آپ مطمئن رہیں کہ ہمارے گھر کی تعلیمات یہ ہیں کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔وہ مسلمان ہے۔میری امی کی جو بہت اچھی سہیلی تھیں (جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے) وہ بھی احمدی ہیں (خالہ صالحہ) اور ان کا ہمارے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے کبھی کسی نے انہیں کافر نہیں کہا اور انہیں ہمیشہ مسلمان ہی سمجھتے رہے۔میں نے مربی صاحب سے کہا کہ آپ فکر نہ کریں۔مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں۔جب آپ مسلمان اپنے آپ کو کہتے ہیں تو آپ مسلمان ہیں۔

پھر ہماری تھوڑی سی دینی گفتگو بھی ہوئی لیکن جب انہوں نے کہا میں احمدی ہوں تو میرے دماغ میں ایک سوالیہ نشان جو عرصہ سے تھا اور بچپن میں جو سنا ہوا تھا کہ جو احمدی ہیں قادیانی ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی آ چکے ہیں پھر میں نے مربی صاحب سے کہا کہ آپ اگر بُرا نہ مانے Just out of Cristy آپ سے سوال ہے تو انہوں نے کہا ہاں پوچھیں تو میں نے پوچھا۔

احمدی مربی سے سوال کہ میں نے سنا ہے ہوسکتا ہے کہ میں نے غلط سنا ہو کیا آپ بلیف کرتے ہیں کہ امام مہدی آ چکے ہیں لیکن مجھے تو یہ پتہ ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے انہوں نے کہا مانتے ہیں۔تو میں نے کہا قرآن پاک کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور امام مہدی نے ساتھ ساتھ آنا ہے۔یعنی آگے پیچھے لیکن ایسے تو نہیں ہوسکتا کہ امام مہدی پہلے آ گئے ہیں حضرت عیسیٰ نہیں آئے اور سو سال گزر جائے ایسے نہیں ہوسکتا۔تو میں نے کہا اس بات کو آپ کس طرح Justifay کرتے ہیں آپ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے۔تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ اگر قرآن پاک سے دیکھا دوں بلکہ انہوں نے کہا عیسیٰ اور امام مہدی کا جو آنے کا تصور ہے وہ ایک ہی بندہ جو آئے گا۔حضرت عیسیٰ تو فوت ہو چکے ہیں۔اور جو ایک بندے نے آنا ہے جس سے آپ بھی اتفاق کرتی ہیں میں بھی اتفاق کرتا ہوں یہ تو زیر بحث بات ہے ہی نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ جو آیا ہے وہ سچا ہے یا نہیں ہے۔میں نے کہا آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے نہیں آنا اور وہ ایک ہی بندہ ہے آپ کے پاس کیا پروف ہے ہاں اب انہوں نے کہا کہ اگر میں قرآں سے ثابت کردوں اور وہ آیات دکھاؤں (جس میں حضرت عیسیٰ کی وفات کا ذکر ہے) کیا آپ مان لیں گی۔یہ بات جوش والی بھی تھی اور میرے ایمان پر انگلی اٹھانے والی بات تھی دل میں میں نے سوچا How dearly میں نے کہا دیکھیں۔اگر قرآن پاک کہتا ہے تو میری کیا مجال کہ میں انکار کروں۔

آپ مجھے دکھائیں میں کون ہوتی ہوں انکار کرنے والی میں تو کہتی ہوں کہ میرا قرآن پر ایمان ہے۔اس پر انہوں نے مجھے alislam.org لکھ کر دیا اور کہا آپ دیکھ لیں اور اپنی ریسرچ کر لیں۔

نئی تحقیق۔ان دنوں میں یونیورسٹی میں تھی اور ساتھ ساتھ وہ دیکھ رہی تھی اور جو حالات ہو رہے تھے اور دوبارہ جوش بھی چڑھا تھا۔ نمازیں بھی پڑھ رہی تھی۔میں نے کچھ عرصہ قبل نوافل بھی مانے ہوئے تھے اور دو تین سال سے بلکہ جب میں عمرہ پر گئی تھی تو میں نے نیت باندھی تھی کہ 4 نوافل روزانہ پڑھوں گی اگر داخلہ یونیورسٹی میں ہو گیا تو۔تو پھر جب میرا داخلہ یونیورسٹی میں ہو گیا جس میں مَیں چاہتی تھی،تو میں نے مسلسل دو تین سال روزانہ نوافل پڑھتی رہی۔یعنی روزانہ چار نوافل ادا کرتی رہی۔شاید اللہ تعالیٰ کو میری یہ بات پسند آئی یا جو بھی تھا۔جب مربی صاحب نے کہا اور پوچھا۔نوافل کی ادائیگی کے لحاظ سے میں اس وقت ایک ریلیجس لڑکی سمجھی جاتی تھی اب بھی ہوں۔یونیورسٹی میں جب تھی جنون چڑھا،نمازیں تو پڑھتی تھی خیال آیا قرآن کو بھی تفصیل سے پڑھنا چاہیئے۔

مودودی صاحب کی تفسیر کا مطالعہ۔مجھے اس وقت جیب خرچ 5 ہزار ملتا تھا۔کرایہ وغیرہ بھی دینا ہوتا تھا مجھے یاد ہے اس وقت میں نے تفسیر خریدی جو دو ہزار کی آئی اور وہ تفسیر مودودی صاحب کی تفسیر قرآن تھی اور میں اسے بڑے شوق سے پڑھتی تھی انہی دنوں مجھے مربی صاحب نے مجھے جو لنک دیا اس کو میں نے کھولا اور تمام آیات جو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تھیں ان کو نوٹ کیا اور ایک ایک کر کے چیک کرنا شروع کیا مربی صاحب نے صرف ایک لنک نہیں دیا بلکہ مختلف لنکس دیئے اور کہا کہ مختلف ذریعوں سے مطالعہ کریں،چیک کریں جو بھی ذہن میں ہے اس کا حل نکل آئے گا۔تو میں نے مودودی صاحب کی تفسیر کے ساتھ کراس چیک دوسرے تراجم اور تفاسیر کے ساتھ کئے تو ایک بار یہ ہوا کہ جب میں یہ ریسرچ کر رہی تھی تو alislam.org پر میں نے ایک پیج پر ایک ٹائٹل دیکھا۔ Time ImaNead of ۔ضرورۃ الامام۔ورلڈ کرائسز اینڈ پاتھ وے ٹو پیس۔یہ دو چیزیں ایسی تھیں کہ میرے دماغ میں جو بات حالات کے مطابق چل رہا تھا بلکہ ان کا جواب ان دو کتب میں تھا۔جس میں سے یہ تھا کہ حضرت امام مہدی نے کب آنا ہے تو جب میں نے یہ دو کتب دیکھیں فوراً سیو کر لیں۔

ضرورت الامام کا مطالعہ۔جب میں نے ان کتب کو پڑھنا شروع کیا اور ضرورت الامام کا آخری صفحہ ہے ایک خط ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے درج کیا ہوا ہے۔حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحب کا۔خط ہے جو انہوں نے اپنے کسی دوست کو لکھا تھا کہ وہ کس طرح اپنے دوست کو بتا رہے ہیں مولوی صاحب خود احمدی ہو گئے ہیں اور خط میں اپنے دوست کو بتا رہے ہیں۔اور اس سے پوچھتے ہیں کہ جو بات مجھے کلک کی وہ حوالہ یوں تھا۔

وہ پوچھتے ہیں کہ کیا میں بُرا آدمی ہوں کیا میں زانی ہوں،کیا مجھ میں خرابی ہے۔میں بھی ایک عورت سے پیدا ہوا ہوں۔اسی طرح میرے اندر بشری کمزوریاں ہیں،اپنے ماں باپ کے ساتھ جو خونی تعلق ہے جو جوش ہے ویسا ہی ہے جیسے لوگوں کا ہوتا ہے۔اپنے دوست کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میں درس دینے والا آدمی ہوں جب میں درس دیتا ہوں تو لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں رو رو کر ان کی ہچکیاں نکل جاتی ہیں میں اس طرح کا آدمی تھا تم مجھے جانتے ہو میں نے اس بیک گراؤنڈ سے نکل کر حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کیا اور بیعت کی قبولیت کے بعد میں ایک چھوٹے سے کمرے میں رہ رہا ہوں میرے ماں باپ بوڑھے بزرگ ہیں۔میرا باپ دل کا مریض ہے(شاید اس طرح بات لکھی تھی) کہ ان کی کسی وقت وفات ہو سکتی ہے تو کیا چیز ہے کہ میں سب کو چھوڑ چھاڑ کر گھر بار،رشتہ دار چھوڑ کر اور کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر۔میں ایک چھوٹے سے کمرے میں رہ رہا ہوں سب کچھ میں نے چھوڑ دیا عزت وغیرہ تو کیوں؟۔کیا کوئی انسان دنیا میں ایسا کام کرتا ہے جس سے اسے فائدہ نہ ہو رہا ہو۔میں نے سوچا کہ ہم تو ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے اگر

ہمارا فائدہ نہ ہو۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں نہ ہی دوستی ہے جسے ہم نبھاتے ہوں۔ بے لوث کام کوئی نہیں ہوتا بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی بینیفٹ ضرور ہوتا ہے۔ تو مولوی صاحب اپنے دوست سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں۔ کیا چیز ہے آخر جو مجھے ادھر لے آئی۔ کیا تم سوچتے نہیں ہو میں بھی تو انسان ہوں۔

نوٹ۔ اصل تحریر میرے خیال میں وہ پورا خط جو ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 502۔503 ہے، دوستوں کو پڑھنا چاہیئے۔ بہت ہی روح پرور اور پُر اثر ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب میں بیان باتیں کس طرح دلوں کو بدلتی ہیں۔ 120 سال بعد بھی اس خط نے اثر دکھایا اور دل کو راہِ ہدایت پر لے آیا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ خط ملاحظہ فرمائیں۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 503 پر خط تمام قارئین توجہ سے پڑھیں۔

جب انہوں نے یہ کہا اور میں نے وہ پڑھا۔ تو میرے دل میں بات ایسی کھب گئی اور میں بے ساختہ رونے لگ گئی۔ وہ بات میں نے جب پڑھی اور میں سوچنے لگی کہ یہ بالکل ٹھیک ہے آخر کیا چیز ہے جو ان کو ماننے پر مجبور کر رہی ہے۔ ظاہر ہے میں alislam.org پر ریسرچ کر رہی تھی اور ترجمہ کراس چیک کر رہی تھی۔ وفات مسیح کے بارہ میں جب آیات پڑھتی جاتی تھی ہر آیت پر میرا کافی وقت لگا۔ میرا یونیورسٹی کا بھی کام تھا۔ چونکہ یہ میرے لئے بہت ہی اہم بات تھی میرے لئے یہ exorting چیز تھی۔ میں اسے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ پڑھائی تو ثانوی چیز بن جاتی ہے۔ اگر چہ جاب ہو یہ سب بے معنی چیز ہے دنیا میں ٹھیک آپ نے کہیں پہنچنا ہے۔ That is not end gole زندگی گزارنے کے لئے ہیلپ فُل ہے۔ لیکن آپ کو اصل Destination تک نہیں پہنچا سکتی۔ اصل حقیقت نہیں پا سکتے اگر چہ وہ آپ کی تعلیم ہو یا جاب ہو یا جو بھی ہو آپ کا پیسہ ہو۔ تو پھر ان چیزوں کا کیا فائدہ اس کتاب کا مجھ پر بہت اثر ہوا کتاب کے شروع میں ہی ایک حضرت مسیح موعودؑ نے حدیث بیان فرمائی ہے کہ جو شخص اپنے وقت کے امام کو جانے بغیر مر گیا وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔

نوٹ۔ ضرورۃ الامام صفحہ 1۔ فرمایا۔ امابعد واضح ہو کہ حدیث صحیح (مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 96 مطبوعہ بیروت ناشر) سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔ ناقل)

یہ حدیث میں نے پہلے سنی ہوئی تھی اور مجھے پتا تھا کہ امام کی Signification کیا ہے اور یہ کہ It is not choise کہ جب امام آجائے اور آپ سنیں کہ امام آگیا ہے اور وہ بھی امام مہدی جس کے بارہ میں پہلے پیشگوئی کی گئی تھی۔ یا مسیح موعود کے بارہ میں۔ آپ کو پتہ لگ رہا ہے آپ تک پیغام پہنچ رہا ہے کہ کسی نے دعویٰ کیا ہے تو یہ آپ کا اخلاقی فرض بن جاتا ہے کہ آپ اس کے بارے میں تحقیق کریں۔ بہر حال یہ میرا ایمان تھا۔ میرا مائنڈ سیٹ تھا۔ اور میں کتاب پڑھ رہی تھی کتاب میں مَیں نے ایک اور جگہ یہ لکھا ہوا پایا سورج اور چاند گرہن کے بارہ میں پیشگوئی کا ذکر کیا گیا تھا۔ ضرور الامام میں ایک بات بیان کرنا بھول گئی کہ مربی صاحب ایک دینی آدمی ہیں اور دین کا کافی علم ہے یہ بات مجھے محسوس ہوئی حالانکہ اتنی زیادہ بات نہیں ہوئی تھی۔ میں ان سے خوابوں کی تعبیر سے متعلق بھی پوچھا کہ کیا آپ تعبیر کر لیتے ہیں۔ تو کہتے ہیں ہاں بالکل۔ آپ خواب سنائیے۔ میں نے انہیں اپنی دونوں خوابیں سنا دیں۔ مجھے ان کے چہرے کے تاثرات کا تو علم نہیں۔ بہر حال انہوں نے کہا کیا تم کو پتہ ہے کہ نبی کریمؐ کی یہ پیشگوئی ہے کہ جب مسیح و مہدی آئے گا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ دو نشان آسمان پر ظاہر کرے گا۔ سورج اور چاند گرہن ہوگا۔ وہ رمضان کے مہینے میں اور اس کی باقاعدہ تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔ انہوں نے صرف اتنی سی بات کی تھی تو میرا دھیان اس طرف گیا اور خیال پیدا ہوا کہ کوئی تو بات میری خواب سے متعلق معلوم ہوئی۔ سچ ہے یا نہیں کچھ تو علم ہوا ہے۔ میری خواب کا تو پھر میں نے alislam.org پر ریسرچ شروع کر دی حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بارہ میں جو آیات بتائی تھیں وہ میں نے بعد میں جا کر صحیح تحقیق پر پہنچی پہلے جو میرا انٹرسٹ پیدا ہوا وہ چاند سورج کا خواب میں دیکھنے والی بات تھی۔ اور چاند سورج کی گرہن والی

بات ہے۔کہاں میں نے سالوں پہلے میں نے خواب دیکھ لی تھی۔سورج اور چاند کے متعلق کہ وہ اکٹھے ہورہے ہیں اور میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس میں کچھ ہے I am very close بات میں دم ہے۔میں ریسرچ کرنے لگی۔جب مجھے سورج چاند گرہن کے بارہ میں پتہ چلا تو میری ریسرچ اور زیادہ تیز ہوگئی۔اور میں نے مختلف کتب alislam.org سے پڑھنے لگی۔اور خلیفۃ المسیح الرابع کی کتاب امن،دنیا کے لئے امن کا راستہ،کے بارہ میں وہ پڑھی مجھے یاد ہے کہ ریسرچ کرتے کرتے میں اور کئی کتب پڑھ گئی اسلام کے اوپر اتنی خوبصورت کتب جو حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے لکھی ہیں۔جب میں پڑھتی تھی تو میں سوچتی تھی کہ یہ تو سب اسلام کی باتیں ہیں اور جو باتیں میں پڑھ رہی ہوں وہ تو بالکل ٹھیک ہیں پس اس سے Agrey کرتی ہوں۔دل میرا مانتا ہے تو ہوسکتا ہے میرے امی ابو نے مجھے بتایا ہی نہ ہو۔ہم تو احمدی ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ جو باتیں کہتے ہیں اصل میں یہی اسلام ہے۔اور جو میں ریسرچ کررہی تھی تو بہت سارے دماغ میں سوال تھے جو بچپن سے،کورس میں جیسے پاکستان میں ہم سنتے اور پڑھتے ہیں ہمارے دماغ میں ڈرل کیا ہوا ہے کہ خاتم النبیین کا مطلب ہے آخری نبی۔اور لا نبی بعدی کی حدیث اور اس طرح کی چیزیں جو مثلاً حضرت رسول پاکؐ نے فرمایا ہے میں جیسے ایک عمارت ہو اور اس میں آخری اینٹ رہ گئی تھی۔وہ اینٹ میں ہوں اور عمارت مکمل ہوگئی ہے۔میرا آنا ایسا ہی ہے۔اس طرح کی چیزیں ہم نے سنی ہوئی ہیں۔انہی باتوں کو سنتے سناتے پلے بڑھے ہم نے کسی کو کوئی سوال نہیں کیا۔اس طرح کی چیزیں میرے دماغ میں تھیں کہ یہ حدیثیں جو ہم نے سنی ہیں وہ کیا ہیں۔ان کا مطلب کیا ہے تو پھر میں نے مربی صاحب سے پوچھا (وہ مربی صاحب پیس ویلج کینیڈا میں ہوتے ہیں) کہ ان باتوں کا جواب جماعت کیا دیتی ہے یہ بھی تو دلائل ہیں ان کا ہم کیا کریں۔ان کو آپ کس طرح Justifuy کر سکتے ہیں۔قرآن تو ہم سمجھ سکتے ہیں۔حدیث کا ہم کیا کریں۔کیا احادیث کو سائیڈ پر کردیں انہوں نے کہا بالکل نہیں۔انہوں نے مجھے Ahmadiyya کی ویب سائیڈ کا بتایا کہ ایک جگہ پر ان سب سوالوں کا جواب دیا گیا ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں ساری چیزیں آپ کو اکٹھی مل جائیں گی۔ہر بات کا جواب۔ریفرنسز کے ساتھ موجود ہے تو آپ بے شک ادھر سے بھی چیک کرلیں۔اس وقت ویب سائیڈ تھی۔ Ahmadiyya Answer کا چینل تو نہیں ہوا کرتا تھا۔یہ 2016 کی بات ہے۔ویب سائیڈ بھی مکمل نہ تھی۔ابھی شروع ہوئی تھی۔بہت اچھی تھی اس نے میرا بڑا ساتھ دیا۔جتنے میرے سوال تھے یا جتنی باتیں سنی ہوئی تھیں ان سب کے جوابات ملے اور کراس چیک بھی کرتی جاتی تھی۔اور معلوم ہوتا جاتا تھا کہ اس بارے میں جماعت کا یہ یہ موقف ہے۔اور صحابہ کرام کا موقف بھی معلوم ہوتا گیا۔سب چیزیں اکٹھی ہیں تو میں کہہ سکتی ہوں Ahmadiyya Answer پروگرام کے ساتھ میری وابستگی ہے کیونکہ اس نے میرا مشکل وقت میں ساتھ دیا اور بہت کام آیا ورنہ میرا بہت مزید وقت لگ جاتا۔ تو الحمدللہ کہ میرے دل میں سوال آیا مسیح موعود ہونے کا جو دعویٰ ہے بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اور میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ جو بھی لکھا ہے وہ سچ ہے اس میں بہت زیادہ طاقت ہے لیکن میں کیا چیز ہوں 21 سال کی لڑکی یہ فیصلہ کرے گی کہ یہ شخص امام مہدی ہے یا نہیں ہے؟ جس کو سعودیہ کے علماء اور پوری دنیا کے مسلمان علماء جن کو کافر کہہ رہے ہیں (نعوذ باللہ) ان کے برخلاف کیسے جاسکتی ہوں۔ہمارے لئے سعودی عرب سے بڑھ کر کوئی عقیدت والا ملک نہیں ہے۔ وہاں کے علماء جو کہتے وہ ہمارے لئے ایسے ہی ہے جیسے پتھر پر لکیر۔تو اگر وہ سارے کہہ رہے ہیں یہ غلط ہے تو میں کیسے کہہ سکتی ہوں میری کیا انڈرسٹینڈنگ ہے نہ مجھے عربی آتی ہے نہ مجھے قرآن کا اتنا علم ہے صرف دل کی بات کو بنیاد بنا کر کیسے فیصلہ کروں اور کس سے میں پوچھوں۔میرے لئے اس سوال کا جواب بہت آسان تھا۔میں نے سوچا کہ اب میں جس سے بھی پوچھوں گی وہ اپنے خیال کے حساب سے جواب دے گا۔اپنے عقیدہ کے حساب سے جواب دے گا۔

میں مسیح موعودؑ کے متعلق کس سے پوچھوں؟ اب اگر سنیوں سے پوچھوں گی تو وہ اپنے عقیدہ کے مطابق جواب دے گا اگر شیعوں سے پوچھوں گی تو وہ

اپنے عقیدہ کے مطابق جواب دے گا۔ ہر کوئی اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق بتائے گا۔لیکن ایک ذات ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو سب سے اوپر ہے ہر ایک سے اعلیٰ و ارفع ہے۔تو کیوں نہ میں خدا تعالیٰ سے ڈائریکٹلی پوچھوں۔

خدا کے حضور سجدہ ریز ہوئی۔ مجھے اس بات پر یقین تھا میری نانی نے مجھے سکھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اس کی خاطر ایک قدم چلو گی تو وہ دس قدم تمہاری طرف آئے گا اور اگر تو چل کر جائے گی تو وہ دوڑ کر آئے گا تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوئی اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ میں کسی سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتی۔ تجھ سے پوچھتی ہوں تجھ سے سوال کرتی ہوں میں مشکل میں پھنس گئی ہوں گویا میں نے ایک الزام خدا پر لگا دیا ہے خدا کو ڈھونڈنے کی خاطر، خدا کی رضا کی خاطر اے خدا تو نے کہا ہے کہ جب مسیح آئے گا تو اس کی بیعت کرنا۔ کیونکہ وہ مسیح جو آنے والا ہے وہ خدا کی طرف سے آئے گا۔ وہ ایک نبی ہے اس کو جھٹلانا اس کی بیعت نہ کرنا کفر کے برابر ہے تو میں خدا تعالیٰ سے یہ دعا کرنے لگی کہ اے خدا میں نے قدم اٹھالیا ہے تیری خوشنودی کی خاطر۔ ہوسکتا ہے میری سوچ غلط ہو میں آج تجھ سے اس موڑ پر دعا کر رہی ہوں کہ تو مجھے ہدایت دے میں نہیں جانتی۔ اصل حقیقت کیا ہے۔ دنیا میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جو پورے یقین کے ساتھ کوئی بات کہے اور پرفیکٹ تو کوئی بھی نہیں سوائے خدا تعالیٰ کے خدا ہی کامل اور تمام علوم کا منبع ہے۔ اور خدا خود قرآن مجید میں فرماتا ہے (اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ) تم مجھ کو پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔ بس اے خدا میں تجھ سے پوچھتی ہوں تو بتا اور اگر تو نے نہ بتایا اور میں بہک گئی اور گمراہ ہوگئی۔ تو قیامت کے دن تو مجھ سے سوال کرے گا کہ کیوں ہدایت قبول نہیں کی تو میں کہہ دوں (نعوذ باللہ) تیرا قصور ہے مجھے تو نے نہیں ہدایت کا راستہ بتایا میں تو تجھ سے پوچھ رہی ہوں میں تجھ سے سوال کرتی تھی تو نے مجھے جواب نہیں دیا اب میں نوافل ادا کر رہی تھی اور استخارہ کی دعا پڑھ رہی تھی اتنی دفعہ پڑھی



جمیل الرحمٰن جمیل شاعر کی یاد میں



عاصی صحرائی

سخن سازی نرالی تھی تیری ہمدم زمانے سے
محافل رنگ پکڑتی تھیں محض اک تیرے آنے سے
تیرے شعروں کی پروازیں بلندی پر ہواؤں کی
فضائیں گونجتی تھیں ایم ٹی اے پر حسیں تیرے ترانے سے
خلافت کا تُو خادم تھا خلافت کا شیدائی تھا
رکھے گی یاد دنیا شعر تیرے گنگنانے سے
تیری وہ نیک یادیں تُو نے جو چھوڑی یہاں پیارے
رہیں گی یاد دل کی دھڑکنوں میں ہر بہانے سے
مجالس کی تُو رونق تھا ہوئیں ویران بن تیرے
کہاں ہوگا بھلا پورا ، خلا وہ تیرے جانے سے
یہ جیوَن ہے یہی کچھ، اے میرے دلبر میرے جانم
سجا رہتا ہے یہ بازار سب کے آنے جانے سے
رہے گا یاد تُو ہم کو نہیں بھولیں گے ہم تم کو
خدا بخشے تجھے عاصی وہ بخشش کے خزانے سے

✿✿✿✿✿✿✿

کہ مجھے یاد ہوگئی۔

مئی 2016ء آ گیا۔ یہ بات ہے مئی 2016ء کی اور میں نے اپنی ریسرچ مکمل کر لی تھی اور اس مقام پر پہنچ گئی تھی کہ یہ شخص سچا ہے یا سچا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بتا سکتا ہے اور کوئی نہیں جو بتا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے نشان مانگا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے نشان مانگا کہ میری مرضی کا نشان ہوگا اور میں نے ایک مشکل سا (اپنے خیال میں) نشان choose کیا جو کسی کے بس میں نہیں ہے۔ صرف خدا تعالیٰ ہی اسے

دیکھا سکتا تھا۔تا کہ بعد میں یہ خیال نہ آئے کہ یہ میرے نفس کا وہم وگمان کی وجہ سے ہے۔جیسا کہ میں سوچ رہی ہوں کہ خواب آئے میں نہیں اس طرح چاہتی۔میں نے کہا کہ اگر یہ شخص مرزا غلام احمد علیہ السلام سچے ہیں تو مجھے آسمان سے بادلوں میں ''احمد'' لکھا ہوا نظر آئے کسی طرح تو مجھے دیکھا دے۔میں یہ دعا کرتی جاتی تھی اور ہر بار آتی جاتی۔جب کبھی بادل نظر آتے تو غور سے دیکھنا اور میں اصل میں لکھا ہوا دیکھنا چاہ رہی تھی۔مجھے یاد ہے مئی کا مہینہ اسی طرح گزرا کہ ایک ہفتہ گزرا دو ہفتے گزرے اور اب میں بڑی پریشان ہونے لگی اور اضطرابی حالت میں میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہی تھی اور یہ خیال غالب تھا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا سے پوچھا جائے اور خدا تعالیٰ جواب نہ دے۔اس کا کیا فائدہ ہے۔ 14 مئی قریب تھی آنے والی تھی۔14 مئی میری سالگرہ کا دن تھا مجھے خیال آیا کہ میں جو اتنی زیادہ محنت کر رہی ہوں تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ میری سالگرہ پر مجھے یہ گفٹ دے دے۔اور میرا مانگا ہوا نشان مجھے مل جائے۔بہر حال 14 مئی سے پہلے کی رات میں وضو کر کے نوافل ادا کر کے استخارہ کی دعا کر کے سوئی۔تو صبح تک کوئی خواب نہیں کچھ نہیں۔مجھے بہت افسوس ہوا کہ یہ کیا اللہ تعالیٰ لوگ تو سالگرہ پر تحفے تحائف مانگتے ہیں میں نے تو ایک نشان مانگا ہے۔کیا تیرے لئے اتنا مشکل کام ہے۔تیرے بس میں تو ہر چیز ہے اک نشان تو کیوں نہیں دکھاتا،کیا میں واقعی گمراہ ہوگئی ہوں؟ پھر میں نے ضد چھوڑ دی۔میں نے کہنا شروع کر دیا کوئی نشان مجھے دکھا دے یہ صحیح ہے۔نہیں صحیح کسی طرح مجھے نشان دکھا دے۔میری کوئی شرط نہیں کہ میں کون سا نشان دیکھنا چاہتی ہوں اسی طرح کچھ وقت اور گزر گیا 18 مئی کی بات ہے مجھے یاد ہے میں براہین احمدیہ پڑھ رہی تھی کہ پڑھتے پڑھتے۔

براہین احمدیہ پڑھتے ہوئے میری کیفیت۔یہ میرے اوپر عجیب کیفیت طاری ہوئی کہ میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے دل کے اندر ایک شمع جلائی ہے اور وہ جو شمع ہے وہ نور دل سے نکل کر میرے سارے جسم میں پھیل گیا ہے اور میرے جسم کے ہر عضو میں وہ سفر کر رہا ہے۔میرے بازوؤں میں میری ٹانگوں میں اور اس طرح جیسے وہ بھر گئے ہوں میں کانپنے لگ جاتی ہوں اور ساتھ ہی خیال آتا ہے کہ۔

اللہ تعالیٰ سے اپوائینٹمنٹ مل گئی۔مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدا تعالیٰ سے ملاقات کا وقت مل گیا۔میری باری آگئی ہے اور مجھ پر کپکی طاری ہے۔میں اپنا لیپ ٹاپ جلدی سے بند کرتی ہوں اور بھاگ کر جاتی ہوں اور وضو کر کے دو نوافل استخارہ کے پڑھ کر سو جاتی ہوں اس خیال واثق سے کہ آج مجھے اپوائنٹمنٹ ملی ہے آج میرے پیارے خدا نے مجھے میرے سوال کا جواب دینا ہے۔

میرا تیسرا سچا خواب۔میں خواب میں دیکھتی ہوں میں کمرے میں ہوں(میں اس وقت ہاسٹل میں رہتی تھی اور اکیلی تھی میری رومیٹ بھی اپنے گھر گئی ہوئی تھی۔میں دیکھتی ہوں کہ میں اٹھ گئی ہوں صبح ہوگئی ہے اور اپنی کھڑکی سے باہر جھانک رہی ہوں میں دیکھ رہی ہوں کہ بادل چھائے ہوئے ہیں اور میں اداس ہو کر خدا سے کہتی ہوں آج پھر تو نے مجھے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔میں باہر کھڑکی کی طرف بھی دیکھ رہی ہوں،دھلے ہوئے سفید بادل ہیں اور ان پر کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہوتا۔کوئی نشان نہیں ہوتا میں اپنی نظر اندر کرنے ہی لگتی ہوں تو مجھے بادلوں میں حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور بادلوں کے عین درمیان میں محمد لکھا ہوا نظر آتا ہے میں دیکھتی ہوں اور میں کہتی ہوں جسے میں اور اللہ تعالیٰ کی آپس میں باتیں کر رہے ہیں تیسرا تو کوئی نہیں میں کہتی ہوں۔اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کھڑکی کے پار اللہ تعالیٰ ہے۔اس کی موجودگی مجھے محسوس ہوتی ہے۔میں جب محمد لکھا ہوا دیکھتی ہوں میں کہتی ہوں محمد کا ہونا تو ایک اچھی بات ہے لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں تھا۔اور میں روٹھ جاتی ہوں اور جیسے روٹھ کے آدمی ادھر ادھر دیکھتا ہے تو یکدم دل سے آواز آتی ہے کہ ذرا اب دیکھ میں آنکھیں اٹھا کر دیکھتی ہوں تحریر بدلنے لگتی ہے۔اور اب کی بار ''احمد'' لکھا جاتا ہے یہ بادلوں کے درمیان لکھا ہوا ہے اور اس کے پیچھے آیات لکھی ہوئی نظر آتی ہیں اور احمد کو ہائی لائیٹ کیا ہوا ہے میں دیکھ رہی ہوں اور میں اس قدر خوش ہوئی کہ آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور میری آنکھ کھل جاتی

ہے اور میں کہتی ہوں ۔ ’’میں احمدی ہوں‘‘

اور میں کہتی ہوں میں احمدی ہوں۔ میری آنکھوں میں آنسو اور ہنس رہی تھی مجھے لگ نہیں رہا تھا کہ میں سو کر اٹھی ہوں۔ اور میں جلدی سے چار پائی سے اٹھ کر کھڑکی کی طرف گئی پردہ ہٹایا تو وہاں بادلوں کی بجائے سورج چمک رہا تھا کوئی بادل کا نشان نہیں تھا۔ دھوپ تھی میں دل سے احمدی ہوگئی۔ میرے ماں باپ سعودیہ میں رہتے تھے۔ ان کی وہاں ملازمت تھی۔ ثمر وکیشن گرمیوں کی چھٹیوں میں انہوں نے آنا ہوتا تھا۔ میں نے اپنی امی کو فون پر بتایا جب کہ میں اسلام آباد میں یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہ رہی تھی۔

میں نے والدہ کو بتا دیا میں احمدی ہوگئی ہوں۔ میں نے امی کو فون پر کال کر کے بتایا کہ امی میں نے آپ سے ایک بات کرنی ہے لیکن جب آئیں گی تو میں بتاؤں گی۔ پھر وقتاً فوقتاً امی پوچھتی رہیں کہ کیا بات ہے۔ بتادو، ابھی بتادو۔ لیکن میں نے کہا جب آپ آئیں گی ناں تو میں نے آپ کے ساتھ گفتگو کرنی ہے۔ ایک مرتبہ میری امی نے مجھ سے ایک بار پوچھا فون کال سے کہ ’’تم نے آرمی تو نہیں جوائنڈ کر لی‘‘ ان کو نہیں معلوم تھا کہ میں نے کون سی روحانی آرمی جوائنڈ کی ہے۔ جو مسیح موعودؑ کی آرمی جو ہے وہ جوائنڈ کی ہے میں نے کہا نہیں نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے لیکن میں تو سوچتی ہوں بہر حال ابھی امی کے آنے میں دو ماہ تھے۔ جب آئے تو میں ملنے گئی۔ امی کو بھی پریشانی تھی کہ کیا بات کرنی ہے آنے کے بعد دوسرے دن انہوں نے مجھے بٹھایا۔ اور پوچھا ہاں بتاؤ کیا بات ہے۔ ابو بھی تھے اور میری بہن بھی تھی چھوٹی۔ میں نے بہن کو پہلے بتایا تھا وہ مجھ سے بات نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ ہم دونوں بہنیں بہت زیادہ کلوز تھیں۔ ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتی تھیں جیسے گہرے دوست۔ مجھے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ بات کر دیتی اور میرا بھی کام ہو جاتا۔ لیکن جب سے اس نے میرے خیالات سنے کہ میں احمدی ہوگئی ہوں تو اس کا رویہ عجیب سا ہوگیا۔ ظاہر ہے اسے بھی پریشانی ہوتی ہوگی جب اس نے سنا تھا۔ اب امی ابو کے سامنے میں بیٹھی تھی اور وہ بھی موجود تھی۔ جب میں نے ساری بات سنائی جو اوپر میں نے بیان کی ہے تو بیچ میں میرے ابو مجھے غصہ سے دیکھتے تھے۔ میری امی نے ساری بات سنی میں نے اپنی خواب ختم کی اور کہا میں احمدی ہوگئی ہوں۔ میں احمدی ہوں۔ تھوڑی دیر میں ماحول بدل گیا اور سب سکتے میں آ گئے۔ میری امی کے لئے بہت مشکل تھا۔ غصہ میں تھیں۔ ان کا ریئکشن Reaction بہت سخت تھا۔ اور بہت ہنگامہ ہوا گھر میں۔ پہلے 4۔3 دن تو آپس میں گفتگو ہی ہوتی رہی امی تو مجھ پر اعتبار نہیں کر سکتی تھیں اور خوب لعن طعن کی۔ یہ کہے بغیر کہ ہم نے تمہیں یونیورسٹی میں اس لئے بھیجا تھا۔ تم نے امانت میں خیانت کی ہے تم پڑھنے گئی تھی۔ تم ان چیزوں میں ریسرچ کر رہی ہو اور وقت ضائع کر رہی ہو۔ میں نے یاد دلایا کہ اماں آپ لوگوں نے ہر مرحلے پر بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ یعنی امام مہدی کا ظہور ہونا ہے اور اب جبکہ میں بتا رہی ہوں کہ جب میں نے ریسرچ کی تو مجھے معلوم ہوا کہ امام مہدی آ گئے ہیں آپ کی بتائی ہوئی باتوں پر ہی تو عمل کیا ہے کوئی غلط کام تو نہیں کیا۔ کوئی چیز میں آپ کے سامنے چھپا نہیں رہی۔ اور میں نے تو اللہ تعالیٰ سے پوچھا ہے میرے ساتھ اس طرح ہوا ہے۔

میری معصومیت۔ میں سمجھی تھی کہ ساری عمر میرے والدین نے جو پڑھایا سکھایا جب میں بتاؤں گی کہ آپ نے جو باتیں بتائیں اس کے مطابق امام مہدی آ چکے ہیں تو وہ بہت خوش ہوں گے۔ شاباش دیں گے آپ نے تو بہت ہمارے لئے کام آسان کر دیا شروع میں شائد مجھے بیوقوف بھی کہیں گے، کیسی باتیں کر رہی ہو۔ وہ بھی تحقیق کریں گے لیکن یہاں تو معاملہ الٹ نکلا وہ تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اس معاملہ میں مَیں یہ قدم خود اٹھاؤں۔ (ان کی مرضی کے بغیر) اکیلے یہ کام کروں۔ ظاہر ہے میں والدین کی سرپرستی میں تھی۔ پہلے 4 دن تو خوب لڑائی جھگڑا ہوا والد صاحب نے نرمی دکھائی اور

وہ سمجھتے تھے کہ میری یہ بیٹی عقل وشعور سے بات کرتی ہے۔اسے سمجھانے کے لئے دلیل کے ساتھ بات کرنی پڑتی ہے۔اور جب میں دلیل سے بات کروں گا تو یہ بات مان لے گی۔لیکن اگلے چھ سال جو گزرے وہ بہت ہی مشکل تھے۔

مشکلات کا دور۔ میں نے پہلے ماں باپ کو بتایا اور پھر اپنی کزن تھی اس کے ساتھ ڈسکس کی اور کچھ باتیں بتائیں اس نے کہا کہ ہماری امی جان کی ماں جو تھیں وہ بھی احمدی تھیں لیکن بعد میں احمدیت چھوڑ دی تھی۔میں نے کہا اچھا۔کیونکہ مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔اس نے میری امی سے لے کر سارے خاندان کے ہر فرد تک میرے بارے میں بات کو پھیلایا۔اور اب مخالفت بھرپور طریقے سے شروع ہوئی۔میری نانی جس کی میں لاڈلی تھی۔انہوں نے کہا ہاں مجھے لگ رہا تھا کہ یہ کچھ اس چکر میں ہے مخالفت میں جب شروع ہوئی تو ہر بندے کا رویہ بدل گیا اور چڑ کہ لگانا اس کا فرض بن گیا کہ ہم اس کو سیدھے راستے پر لائیں گے اور حق اور سچ بات بتائیں گے۔اور وہ لوگ جو دین سے دور ہوں اور کوئی دینی رجحان بھی نہ ہو وہ مجھے سیدھے راستے پر لانے کے لئے کوشاں ہیں۔چلو ٹھیک ہے میری نانی جو ہیں وہ تو دینی ہیں وہ کچھ کہیں تو بھی بات بنتی ہے۔

احمدیت کے بعد ضروری نہیں کہ گھر سے نکالا جائے یا مار پڑے ہاں جو تکالیف دینی ہوتی ہیں اور جو ٹارچر کیا جاتا ہے وہ بہت ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔اور ایسے ہی مجھے ٹارچر کیا گیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا ابھی تو دو ماہ ہوئے تھے جب بات کرتی تھی تو بات نہیں کر پاتی تھی وہ سمجھتے تھے اس کی برین واشنگ ہوئی ہے کیا یا ہوا ہے۔بہرحال چھ سال کا عرصہ مسلسل اسی طرح کی صورت حال میں گزرا۔ہر وقت کسی نہ کسی طرف سے چڑ کا لگتا۔یہ نہیں کہ ایک کی طرف پر کوئی اپنا فرض سمجھتا کہ مجھے ذہنی طور پر ٹارچر کرے۔

شادی کی تیاری۔ ایک وقت آیا کہ امی ابو نے کہا کہ ہم تمہاری باتوں کے چکروں میں نہیں پڑ سکتے چلو چھوڑو سب کچھ۔گھر بیٹھو۔ہم تمہاری شادی کرتے ہیں ہم تمہیں اس کام میں ملوث نہیں ہونے دیں گے میں نے بھی کچھ فیصلے کئے میں ایک مہنگی یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی میں یہ سوچتے ہوئے کہ میں مزید ریسرچ نہیں کر سکتی تو میں نے گورنمنٹ یونیورسٹی میں اپنی فیلڈ بدل کر داخلہ لے لیا۔اس خیال سے والدین کے اوپر بوجھ نہ بنوں۔ہر مرتبہ باربار یہ دھمکیاں بھی سنی کہ ہم تمہیں گھر سے باہر نکال دیں گے۔لیکن الحمدللہ۔یہ نوبت نہیں آئی اس وقت یہ ہوا 4 ماہ بعد امی ابو کو واپس سعودیہ جانا پڑا۔اس دوران کبھی فون ضبط کر لیا۔لیپ ٹاپ لے لیا۔کوئی کام نہیں کرنے دینا۔صرف ٹی وی دیکھو۔بس۔مووی دیکھ لو۔دینی کام نہیں کرنا۔اگر کرنا ہے تو ہمارے سامنے ہو۔میں نے بڑی کوشش کی کہ امی ابو وہ پڑھ لیں جو میں پڑھتی ہوں۔شاید ان کی نظر پڑے اور دل بدلے لیکن ان کا اس طرف کوئی رجحان نہیں ہوتا تھا اور ڈانٹ دیتیں کہ پتہ نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے کن چیزوں میں پڑ گئی ہو۔

والدین کی سعودیہ سے واپسی۔ ایک سال بعد امی ابو واپس پاکستان آ گئے اس خیال سے کہ ہمارے بچے اپنی راہ سے ہٹ رہے ہیں تو ان کے پاس رہنا چاہئے۔میں انہیں کہتی رہی کہ اگر تو اس لئے آ رہے ہیں کہ آپ آ کر مجھے میرے خیالات سے ہٹا سکیں گے یا روک سکیں گے تو یہ ناممکن ہے آپ ایسے نہیں کر سکیں گے یہ میرا حق بنتا ہے کہ دین کے اندر کوئی جبر نہیں ہے آپ مجھے روک نہیں سکتے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ مجھے احمدی ہونے سے روک لیں گے تو یہ نہیں ہو سکے گا۔آپ اپنا نقصان کریں گے۔اس کام کے لئے آپ نہ آئیں۔بہرحال وہ آ گئے۔اور پھر تو گھر میں ہر وقت فساد و فتنہ رہا۔لڑائی جھگڑا ہوتا۔گھر کا امن بالکل تباہ ہو گیا۔میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔میں نے صرف اپنے اندر تحمل پیدا کیا۔دین پر عمل زیادہ کرنے لگ گئی۔وہ یہ سب چیزیں دیکھتے تھے لیکن ان کو یہ بات منظور نہ تھی مثلاً رات کو میں کوئی کتاب پڑھ رہی ہوں یا قرآن پڑھ رہی ہوں اور تفسیر کر رہی ہوں۔تو وہ مجھے کہتے کیا ضرورت ہے پڑھنے کی۔یہ امی کہتی تھیں۔کہ کوئی ضرورت نہیں تفسیر ترجمہ پڑھنے کی سادہ قرآن پڑھو۔یہ کافی ہے۔لیکن میں سمجھتی تھی کہ یہ ضروری ہے۔میں نے

اپنا لیونگ پیٹرن سب بدل دیا ہوا تھا۔راتوں کو پڑھتی تھی جب سارے سوئے ہوتے تھے۔یہ نہیں تھا کہ ان حالات میں رُک گئی تھی۔اسٹڈی بھی چل رہی تھی اور ساتھ ساتھ تحقیق اور مطالعہ بھی جاری تھا اور مطالعہ گہرا سے گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ابھی بھی میں نے ختم نہیں کیا۔یہ سفر اب بھی جاری ہے۔بہر حال مجھے یاد ہے 2018ء کی بات ہے میرے امی ابو سعودیہ سے واپس آ گئے تھے۔میری خالہ نے۔میرے تمام کاغذات، پاسپورٹ، شناختی کارڈ سب لے لئے تھے کہ شائد میں کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جاؤں۔ان کے ذہن میں جو جو غلط خیال آیا اس پر عمل کیا۔اور میرے ساتھ سلوک کیا۔میرے سے پیسے لے لینے اور میرے پاس کچھ نہ ہونا۔میرے سرٹیفکیٹ تک لے لئے۔

غیر احمدی مولوی سے بحث۔ میری خالہ نے یہ رائے دی کہ تم بڑا لوجیکل مائنڈ رکھتی ہو کیوں نہ تم اپنے مولوی کو یا مربی کو بلاؤ اور ہم اپنے مولوی کو بلاتے ہیں بات کرتے ہیں۔سب کچھ کلیئر ہو جائے گا۔میں نے کہا ٹھیک ہے۔تو پھر ہوا یوں کہ انہوں نے مولوی بلا لئے مجھے کسی کو بلانے کے لئے اجازت نہ دی یعنی فون وغیرہ سب ضبط کئے ہوئے تھے تو میں کس طرح کسی کو بلاتی، اجازت بھی نہ تھی۔بہر حال انہوں نے اپنے مولوی صاحب کو بلا لیا۔ختم نبوت کے پہلوان جو آئے انہوں نے مسلسل بدزبانی کی، کہا تم قادیانی ہو۔میں نے کہا میں ہوں یا نہیں ہوں۔اس بات کو چھوڑیں جس بات کے لئے آپ کو بلایا گیا ہے اس مسئلے کے لئے آپ قرآن سے ثابت کریں کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں اور آسمان پر گئے ہیں اور وہ آئیں گے ان کا ظہور ہوگا۔ وہ آئے تھے مغرب کے وقت 6،5 بجے اور رات ایک بجے واپس گئے۔مولوی صاحب سو کالڈ مولوی صاحب پہلوان صاحب اپنے ساتھ ایک لگج بیگ کتابوں کا بھر کر لائے تھے۔اور اس بیگ کو جب کھولا تو اس میں مسیح موعودؑ کی کتب روحانی خزائن تھیں۔انہوں نے اپنے خیال میں باتیں شروع کیں اور مجھے راہ حق پر لانے کی کوشش میں کہوں گی راہ حق سے ہٹانے کی کوشش کی۔میرا ایک ہی مطالبہ تھا کہ قرآن کریم سے بتائیں مگر وہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب پر حوالے پیش کرنے میں وقت لگایا اور ایسی باتیں جو متعلقہ نہ تھیں وہ حوالے نکال نکال کر دکھاتے رہے۔اور مثلاً کشتی نوح کا حوالہ کہ مسیح موعودؑ نے کشف میں حضرت فاطمہؓ کی ران پر اپنا سر رکھا ہوا دیکھا۔میں کشتی نوح پڑھ چکی تھی مجھے پتہ تھا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں میرے پاس نہ الفاظ تھے۔ میں جب بات کرتی تھی تو کانپ جاتی تھی۔مجھے جواب دینا نہیں آتا تھا۔انہوں نے سارا وقت اپنی باتوں میں ضائع کیا۔اور بار بار کتب کھول کھول کر دکھاتے کہ یہ دیکھو انہوں نے یہ بات کی ہے۔یہ بات کی ہے۔سب جھوٹے اعتراضات بیان کئے۔میرے ماں باپ کو زیادہ علم نہ تھا متنفر کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اور پھر جو گھر میں فساد ہوئے میں بیان نہیں کر سکتی۔گھر تو ایک سکون کی جگہ ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے پیار اور ہمدردی کا سلوک ہوتا ہے سب کچھ ختم ہو گیا تباہ ہو گیا۔اور کسی کو احساس نہیں ہوا کہ وہ کیا کر رہے ہیں ان باتوں کا اثر مجھ پر جو ہو رہا تھا وہ تو تھا ہی۔میرے بہن بھائیوں پر اس کا بہت ہی غلط اثر ہوا۔اور مجھے منع کر دیا کہ تم نے بہن بھائیوں سے کوئی بات نہیں کرنی دوسری طرف سے انہیں میرے خلاف بھرا جا رہا تھا۔اور ان کو بھی اجازت نہ تھی کہ وہ مجھ سے اس بارہ میں ڈائریکٹ بات کر سکیں۔اس طرح کے علماء سو گھر میں دو سے تین مرتبہ آئے ہیں بلکہ ایک تو رات کو رہنے کے لئے بھی آ گئے اور فیملی بھی ساتھ لے آئے۔جب بھی چاہتے مولوی کو بُلا لیتے۔اور انہیں کہتے کہ آئیں اور اس کو سمجھائیں، بتائیں۔بہت ہی مشکل سفر تھا جو میں نے اختیار کیا۔اور بھی بہت ساری چیزیں ہوئیں۔جہاں آپ جاتے ہیں طعنہ زنی کرتے ہیں تکلیف دہ باتیں کرتے ہیں، سائیکلوجیکلی ٹارچر کرتے ہیں عورت کی جو ذات ہوتی ہے۔ایک عزت ہوتی ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے۔اس قدر اعتراضات اور طرح طرح کے الزامات۔یہاں تک کہ مجھے یہ بھی سننا پڑا کہ اس کا دماغ ٹھیک نہیں رہا اور پاگل ہوگئی ہے۔ 5،4 سال اسی طرح گزرے۔

رشتہ کے لئے لوگ آنے لگے۔اب لوگ رشتہ کے لئے بھی آنے لگے۔امی ابو نے کہا کہ اب اس کا رشتہ کرنا ہے۔میں نے کہا ٹھیک ہے۔میں شادی

کروں گی مگر کسی احمدی لڑکے سے کروں گی۔ کیونکہ دوسرے لوگ تو اس بات کو نہیں مانے گے کہ ایک احمدی لڑکی سے شادی کرے۔ تو جن احمدی فیملیز سے میرا رابطہ تھا وہ بھی ہمارے گھر میں آئے۔ اور میری ٹیچر بھی آئیں۔ میں بیچ میں ہاسٹل چلی گئی تھی لیکن گھر والوں نے کہا اس کا پہلے علاج کروانا ہے اور پاگل ہے۔ اور مجھے گھسیٹ کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ اور جب ڈاکٹر سے باتیں ہوئیں۔ تو مجھے بھی محسوس ہوا کہ واقعی میری دماغی حالت کافی بدل گئی ہے اور مجھے اندازہ بھی نہیں تھا کہ میں کہاں پہنچ چکی ہوں میرا جنون مجھے آگے لے کر جا رہا ہے جب ڈاکٹر نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ تو میں نے بتایا کہ مجھے زبردستی لایا گیا ہے آپ کو مسئلہ ہے اور میں رو پڑی اور میں نے کہا کہ مجھے زبردستی لایا گیا ہے اور میں نے ساری بات بتائی۔ میرے والدین میرے ساتھ زبردستی کر رہے ہیں اور مجھے نہیں معلوم کہ کیا کروں اور what I have done wrong میرا صرف ایمان ہی ہے ابھی تو عمل شروع نہیں کیا۔ تو ڈاکٹر نے کہا آپ کو ذہنی طور پر ٹارچر کیا جا رہا ہے۔ میرے بہت سے ٹیسٹ ہوئے آرمی کے ہسپتال میں مجھے ہر طرح سے ہر قسم کا چیک اپ کروایا۔ خالہ میری آگے آگے تھیں۔ بہت سے اعتراضات ہوئے لیکن جب ایسا وقت آیا جب میں سمجھتی تھی کہ اب میری بس ہوگئی ہے۔ تو میں اپنے آپ سے کہتی۔ بس پہلے تو بڑے نشان مانگ رہی تھی اب کیا ہوا۔ میرا ضمیر مجھے جھنجھوڑتا اور میں پھر پوری طاقت سے کہتی نہیں نہیں جب تک میری جان میں جان ہے میں اس سچی راہ کو نہیں چھوڑوں گی۔ خواہ میری جان ہی کیوں نہ نکل جائے اس سارے عرصہ میں میں اکیلی ہی سب مشکلات جھیلتی رہی۔ مربی صاحب سے جو رابطہ تھا وہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔ میں سوچتی تھی کہ میں کیا کروں کس کے پاس جاؤں کوئی اموشنل سپورٹ بھی نہیں مل رہی تھی اور سمجھنے لگی اگر ایسی رہی تو واقعی پاگل ہو جاؤں گی۔ کسی سے بات نہیں کر سکتے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس صورت حال کو کیسے حل کروں۔

ایک اپنی صالحہ خالہ سے رابطہ۔ اس خالہ کے ذریعہ ہی تو بچپن میں احمدیت کا تعارف ہوا تھا۔ میں انے ان کو فون کیا میں نے میسج کیا اور کہا کہ میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں میری امی کو نہ بتانا۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید جو سوشل میڈیا پر جو حالات چل رہے ہیں اس کے متعلق کوئی بات کرنا چاہتی ہے تو انہوں نے کہا اس وقت تو میں مسجد میں ہوں۔ اگلے دن میسج آیا کہ اب بتاؤ کیا بات ہے۔ تو میں نے تحریری طور پر ساری بات لکھ کر بھیجی۔ جب تھوڑی دیر کے لئے فون ملتا تو میں جلدی جلدی اس طرح کا کام کر لیتی تھی۔ میری خالہ نے میری بات پڑھ کر Shook شوک میں چلی گئیں کہ یہ کیا بات کہہ رہی ہے۔ پھر بعد میں اس خالہ نے بتایا کہ میں جب سے تمہاری ماں پیدا ہوئی اس وقت سے دعا کرتی چلی آ رہی ہوں کہ اللہ کرے یہ احمدی ہو جائے تو میری دعا قبول ہوگئی۔ اب اس کی بڑی بیٹی احمدیت کے آغوش میں آ گی۔ الحمدللہ۔ اور بتایا کہ جب تمہاری امی کے لئے بھی دعا کرتی تھی اور وہ تصویر دکھائی کہ انہیں گود میں اٹھایا ہوا ہے اور بڑے پیار سے میری امی کو دیکھ رہی ہیں پھر جب پانچویں میں تھی تب بھی دعائیں جاری رہیں۔ دعا کرنی کبھی نہیں چھوڑی اور آج دعا قبول ہوئی۔ میرے احمدیت قبول کرنے پر انہوں نے بڑی تسلی دی اور پھر فون کر کے باقاعدہ پوچھا کہ احمدی ہوگئی ہو نا تو میں نے کہا آپ کو بتانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں احمدی ہوگئی ہوں۔ پھر میں نے انہیں حضور انور کے نام خط لکھ کر بھیجا کہ وہ حضور کو میری طرف سے بھیج دیں۔ اور ای میل ایڈریس بھی دیا۔ میری خالہ نے وہ خط حضور انور کی خدمت میں بھیجا۔ اس کا جواب امریکہ میں پہنچا۔ سب حیران ہو گئے کہ یہ کون لڑکی ہے (کیونکہ خط امریکہ سے گیا تھا) جو احمدی ہے اور ہم نے اس کے بارہ میں نہیں سنا۔ خالہ بتا رہی تھیں کہ جب انہوں نے بات کی تو معلوم ہوا وہ پاکستان میں ہے اور خالہ نے وہ خط لے لیا کہ وہ خط میں سمجھ گئی کہ مالاکوٹ کے بارہ میں ہوگا اور خالہ نے بتایا ابھی اس نے بیعت کرنی ہے۔ پھر حضور کی طرف سے رابطہ ہوا۔ ایک فیملی نے مجھے کال کی اور ایک بزرگ آنٹی اور ان کی بیٹی آئیں ملاقات ہوئی بزرگ آنٹی میری نانی کی طرح تھیں اللہ تعالیٰ نے مجھے

نہایت اعلیٰ اخلاق کے لوگ دے دیئے جب میں تکلیف میں ہوتی تھی تو انہیں کال کرتی تھی اور یونیورسٹی آتے جاتے جب میں بہت ڈپریشن میں ہوتی ان کے گھر چلی جاتی تھی وہ گھر جنت کی طرح میری لئے ہوتا تھا، دکھ سکھ کرنا اور چیزیں سیکھنی، بات کرنے سے دل ہلکا ہوجاتا تھا پھر باقاعدہ جماعت سے رابطہ ہوا۔ میں نے پوری تفصیل بتائی جو کچھ ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا دیکھیں پاکستان میں حالات ایسے ہیں کہ بیٹیوں کے لئے تو بالکل ناممکن ہے۔ ہم ان کی بیعت لے لیں کیونکہ کیس ہوجاتے ہیں۔ اور اس طرح کے واقعات ہو چکے ہیں۔ ہم بیعت نہیں لے سکتے۔ اس وقت تو میں چپ ہوگئی مجھے یاد ہے۔

مکرم عابد صاحب کی ڈائری۔ میں ان دنوں مکرم عابد خانصاحب کی ڈائری پڑھا کرتی تھی۔ اور اس میں پڑھتی تھی کہ مختلف لوگ حضور سے ملتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ہم نے بیعت کی ہم نے کیا پایا کیسا محسوس کیا۔ شروع میں مجھے بیعت کرنے کا جوش نہیں تھا۔ لیکن جب ایک پوائنٹ آیا کچھ عرصہ بعد جب ڈائری پڑھتی تو اویئرنس بھی آئی کہ میری تو ابھی بیعت نہیں ہوئی۔ حالات تو میرے بھی ویسے ہی ہیں بہرحال بیعت نہیں ہوئی۔ میں بھی اپنے اندر تبدیلی چاہتی ہوں کیونکہ بیعت تو دل کا سودا ہے بلاوجہ نہیں ہے۔ جماعت والوں نے کہا کہ تمہاری بیعت نہیں ہوسکتی۔ بہرحال آپ احمدی ہیں لیکن میرا دل کہتا تھا کہ نہیں اس طرح دل گھٹ رہا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ جاؤ بیعت کرو جاؤ بیعت کرو۔ میری حالت اس قدر تکلیف دہ ہوجاتی تھی ایک بوجھ سا مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ میرا سانس لینا مشکل ہوجاتا تھا اور پھر 2019ء کی بات ہے۔

میں حضور کو خط لکھنے لگ گئی۔ میں حضور کو خط لکھنے لگ گئی (نوٹ ان کے لکھے ہوئے خطوط سکرین پر دکھائے گئے) اور جب خط لکھ لیتی تو حالات بہتر ہوجاتے۔ اور خط لکھ کر پیپر پر کہیں چھپا دیتی تھی۔ بھیج تو نہیں سکتی تھی لکھ لکھ کر چھپاتی جاتی۔ اب میں نے خط نکال کر پھر پڑھے۔ تو میں حیران رہ گئی کہ جو جو میں نے خلیفۂ وقت کو دعا کے لئے لکھا تھا اور وہ خط ان کو پہنچا بھی نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ساری دعائیں جو تھیں جو تکلیف کے وقت لکھتی رہی وہ سب پوری ہوئیں۔ اور گھر میں جو مخالفت کی آگ جل رہی ہوتی تھی اس میں کمی آجاتی تھی۔ اور معاملہ ٹھنڈا ہوجاتا تھا۔ میری بیعت نہیں ہو رہی تھی میں بہت پریشان تھی۔ مجھے یاد ہے ایک رات میں خواب میں حضور انور خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو دیکھا (میں ایم ٹی اے بہت دیکھتی تھی۔ احمدیت سے جو عشق پیدا ہوا ہے وہ ایم ٹی اے کی وجہ سے بھی ہوا ہے۔ تمام پروگرام سوال و جواب مجالس عرفان، سچائی کا راستہ راہ ہدیٰ کیا کچھ نہیں دیکھا۔ میں دیکھتی جاتی تھی اور خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ میرا ایک ایسا روحانی تعلق قائم ہوگیا جب کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔ ایک روحانی تعلق قائم ہوگیا تھا) صبح کے وقت کہ حضورؒ کی کال آتی ہے حضور خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے میں حضور کو کہتی ہوں حضور حضور میری بیعت لے لیں۔ میری بیعت کوئی نہیں لے رہا۔ (مالا کوت جذباتی ہوکر رو رہی تھیں) حضور فرماتے ہیں آپ مجھے اپنی پوری بات لکھ کر بھیجیں میں جماعت کو کہتا ہوں اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔

پیاری وسیمہ آنٹی۔ میری ایک پیاری وسیمہ آنٹی ہیں ان کو میں اپنی خواب بتاتی ہوں۔ میں نے ان سے قرآن سے عشق کیسے ہوتا ہے سیکھا ہے تو وہ بھی جس طرح میری زندگی میں آئیں وہ بھی معجزہ سے کم نہیں بہرحال میں نے اپنی خواب ان کو بتائی کہ میں نے حضور کو ایسے دیکھا ہے تو آنٹی نے کہا فوراً حضور کو خط لکھو اور بتاؤ کہ میں نے یہ دیکھا ہے میں نے حضور کو خط لکھا فیکس کیا، کچھ عرصہ بعد جواب آیا۔ مجھے مسجد سے کال آئی کہ حضور نے فرمایا ہے کہ بچی کی پاکستانی قانون کے مطابق بیعت تو نہیں ہوسکتی اس کا نام مبائعین میں شامل کرلیں۔ یہ احمدی ہے اس کو جو جو پروگرام ہوں اس میں شامل کریں۔ ان سے رابطہ رکھیں اور تعلق رکھیں۔ جب مجھے یہ حضور کا پیغام ملا تو وہ بوجھ تھا جو میرے کندھوں پر وہ ختم ہوگیا۔ کیونکہ میری بیعت ہوگئی ہے۔ جب کبھی میں کہتی بیعت فارم پُر کرلیں کہتے وہ کاغذی کاروائی ہے آپ فکر نہ کریں۔ آپ احمدی ہیں۔ آج سے دو سال قبل جب میں نے فارم پُر کئے ہیں تو واقعی

ایسے لگ رہا تھا کہ ایک کاغذی کاروائی ہورہی ہے۔الحمدللہ۔

اب جب کہ میرا جماعت سے رابطہ ہوا ہے پھر جماعت کے ذریعہ میرا رشتہ ہوا میرے امی ابو مان گئے تھے میرا رشتہ ہوا اور پھر میں پاکستان سے ہجرت کرکے باہر آگئی ہوں اور میں خدا تعالیٰ کے فضل سے خلیفہ وقت کے قریب رہنے کا موقعہ مل رہا ہے۔الحمدللہ۔میں نے جتنی دعائیں کی تھیں اور جتنی باتوں کے متعلق میں نے حضور کی خدمت میں لکھا تھا وہ سب قبول ہوئیں۔اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اپنے اس سارے سفر میں دیکھا جس نے مجھے تھامے رکھا اور اب بھی میں دیکھ رہی ہوں کہ جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے اللہ کا ہاتھ سر پر ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ وہ خدا جو ماں باپ سے زیادہ پیار کرنے والا ہے آپ کو اکیلا چھوڑ دے جو سفر آپ خدا کے لئے کرتے ہیں خدا تعالیٰ مددگار رہتا ہے اور راہنما ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج میری حضور انور سے پہلی ملاقات ہے۔ میں دعا کرتی ہوں کہ یہ ملاقات ہر لحاظ سے بابرکت ہو اور سننے والوں اور (پڑھنے والوں۔ ناقل) سے بھی میری یہی درخواست ہے۔ میرے والدین کے لئے، میری فیملی کے لئے۔میرے بہن بھائیوں کے لئے میری خالہ، آنٹی کے لئے دعا کریں کہ ان کو بھی یہ روشنی نصیب ہو۔ یہ دعا صرف میرے گھر والوں یا خاندان والوں کے لئے نہیں بلکہ وہ تمام نیک لوگ جو دل میں سچ کی طلب رکھتے ہیں یا وہ ایک سچی زندگی چاہتے ہیں اور اللہ سے حقیقی عشق رکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اس پر ریسرچ کریں اور حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کریں جس طرح حضرت محمد ﷺ نے ہم پر یہ ذمہ داری عائد کی تھی کہ جب ہمارا مہدی آئے گا تو اگر برف کے پہاڑوں کے اوپر سے گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر اس تک پہنچنا پڑے تو اس تک جانا اور اسے میرا السلام علیکم کہنا اور اس کی بیعت کرنا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿



جمالِ سرمدی

مولوی مصلح الدین صاحب راجیکی

ملالِ زندگی پہ ہے مدارِ زندگی اب بھی
کوئی سمجھے تو ظاہر ہے ہماری بے بسی اب بھی

وہ صحرا جس میں کھویا تھا کبھی نقشِ قدم تیرا
اسی صحرا میں جویاں ہے جنونِ عاشقی اب بھی

ترے حسنِ ازل نے گرچہ لاکھوں آستاں بدلے
مگر جیسے تھا ویسے ہے خلوصِ بندگی اب بھی

نگاہِ ما عرفنا سے جو دیکھا تو وہی دیکھا
تری جلوہ گری میں ہے ادائے بے منی اب بھی

کلیم و طور کا قصہ نہیں ہے قصہء ماضی
کوئی ڈھونڈے تو ملتا ہے چراغِ ایزدی اب بھی

ترے نفسِ گنہ پرور نے ویراں کر دیا جس کو
اسی ایوانِ دل میں ہے متاعِ زندگی اب بھی

بتوں کو دیکھنے والے خدا تجھ کو نظر بخشے
خلیل اللہ سے خالی نہیں ہے آذری اب بھی

تجھے آتی نہیں منصور کی بادہ کشی ورنہ
بہت کچھ کہلواتی ہے شرابِ بیخودی اب بھی

اگر آنکھوں میں ہو اندازِ مَا زَاغَ الْبَصَر پیدا
کھلے منہ جگمگاتا ہے جمالِ سرمدی اب بھی

(الفرقان ربوہ، ستمبر 1960ء)



مکرم چوہدری محمود احمد چیمہ صاحب مربی سلسلہ انڈونیشیا

ایک باوفا، صاحبِ علم، دعا گو، خادمِ سلسلہ اور عظیم بزرگ



"پیش کردہ صفدر نذیر جاوید گولیکی واقف زندگی کینیڈا"

مکرم محمود چیمہ صاحب کے متعلق ایک مضمون حاضر ہے جو آپ کی بیٹی نے لکھا تھا اور الفضل میں شائع ہوا۔انڈونیسیاء۔ یں احمدیت کے 100 سال پورے ہونے پر ادارہ قندیل حق نے جنوری فروری مارچ 2026 کے شمارہ میں 18 سے زائد مضامین شائع کئے 220 صفحات کا رسالہ تھا "حق تو یہ ہے حق ادا نہ ہوا" والا معاملہ ہے بہرحال کوشش جاری ہے۔مکرم مولانا مختار احمد چیمہ صاحب نے کچھ ناراضگی کا اظہار کیا کہ ان کے خسر محترم کا ذکر نہیں کیا لیکن حیرت یہ ہے کہ انہوں نے خود معلومات باہم نہیں پہنچائیں۔ خاکسار نے کوشش اور تلاش کر کے اور مکرم مولانا محمود وردی صاحب سے مل کر یہ مضمون تلاش کیا اور نشر مقرر کے طور پر قارئین قندیل حق کی ایمان کی تازگی کے لئے پیش خد۔ت ہے۔ یقینا مولانا کی خدمات کو بار بار پیش کرنے کی ضرورت ہے تا کہ نئی نسل اس سے فائدہ اٹھائے۔ میں نے بھی جب اپنی کتاب مجددین امت محمدیہ اور ان کے تجدیدی کارنامے تحریر کی اور اسمیں مجددین انڈونیشیاء کا بھی ذکر کیا گیا جو ولی سانگو کہلاتے تھے مجھے مولانا عبدالباسط مرحوم امیر و مشنری انچارج نے 6 صفحات پر مشتمل انڈونیسین زبان میں مضمون انڈونیشیاء سے بھیجا اس کا ترجمہ مکرم مولانا چیمہ صاحب نے میری گزارش پر بڑی خوشدلی سے کر کے دیا یہ کتاب آن لائن موجود ہے **فجزاھم اللہ فی الاخرہ**

ان بیٹی لکھتی ہیں

میرے والد محترم محمود احمد چیمہ صاحب 14 جولائی 2009ء کو 81 سال کی عمر میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ یقیناً موت وحیات قدرتِ الٰہیہ کے نظام کا حصہ ہے اور ہر ذی روح کے لئے اٹل ہے۔ مگر نیک دلوں کا ذکرِ خیر زندہ رکھنا الٰہی جماعتوں کا دستور ہے۔ خصوصاً ان واقفینِ زندگی کے حالات کو تاریخ میں محفوظ کرنا ضروری ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اعلیٰ مقاصد کی خاطر قربان کر دیا اور اپنے والدین، بیوی بچوں اور عزیز صحبتوں کو چھوڑ کر دیارِ غیر میں اپنی جوانی کے ایام کو بسر کیا اور سلسلہ کی ترقی کو اپنی سب سے اولین ترجیح سمجھا۔

میرے والد صاحب کا تعلق بھی ان ابتدائی واقفینِ زندگی میں سے تھا جنہوں نے وقف کی حقیقی روح کو ہمیشہ زندہ رکھا اور وقت کی عملی تصویر بن کر اپنے مالکِ حقیقی کے حضور حاضر ہوئے۔

سہتے ہیں جو دنیا کے ستم صبر و رضا سے	پاتے ہیں وفاؤں کا صلہ اپنے خدا سے
کچھ بھی ہو نبھاتے ہیں وہ پیمانِ محبت	لکھتے ہیں وہ رودادِ الم خونِ وفا سے

خدا تعالیٰ نے والد صاحب کو تقریباً نصف صدی سے زائد عرصہ تک بیرونِ پاکستان سلسلہ عالیہ کی خدمات کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ نے یہ تمام عرصہ اپنی فیملی کے بغیر گزارا۔ آپ کی فیملی اس تمام عرصہ میں پاکستان میں قیام پذیر رہی اور یوں ہجر و وصال کے بدلے موسموں کی دھوپ چھاؤں نے ہماری فیملی پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارا شمار ان خوش قسمت افراد میں ہے جو ابتدائی واقفین کی اولاد ہیں اور والدین کی

قربانیوں کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی زمانہ کے سرد وگرم کا مقابلہ کرنے کا موقع ملا۔ میری والدہ محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ نے نہایت صبر وشکر کے ساتھ وقت گزارا۔ والد صاحب کا بیرونِ ملک قیام اکثر 7،8 برسوں پر محیط ہوتا۔ پرائمری میں جو بچے چھوڑ کر جاتے اور واپسی پر کالج یونیورسٹی تک پہنچ جاتے۔ والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی ازدواجی زندگی کا عرصہ 41 سال پر محیط ہے جس میں سے آپ دونوں کو مختلف وقفوں سے تقریباً 10 سال اکٹھے رہنے کا موقع ملا۔ ایک دفعہ والد صاحب جلسہ سالانہ انڈونیشیا کے وفد کے ساتھ پاکستان تشریف لائے تو ہم چاروں بہنوں میں سے کسی کو بھی پہچان نہ پائے اور شروع کے چند دنوں تک تو بار بار ہمیں جلسہ کے لئے آنے والے گھر میں ٹھہرے مہمانوں میں شمار کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات تک کوشش کے باوجود ہم سب بہنوں کی آپ کے ساتھ بہت زیادہ بے تکلفی نہ ہوسکی اور ہمیشہ ایک حجاب مانع رہا۔ آپ طبعاً خاموش مزاج تھے اس لئے 2002ء سے وفات تک آپ میرے پاس رہے مگر جھجک مانع رہی اور آپ اکثر ضروری باتیں لکھ کر دیا کرتے۔

ابتدائی زمانہ میں رابطہ کا نظام حالیہ دنوں جیسا نہ تھا۔ اس لئے والدہ صاحبہ اور والد صاحب کا رابطہ بہت کم رہتا۔ ایک دفعہ آپ انڈونیشیا کے وفد کے ہمراہ جلسہ سالانہ ربوہ پر تشریف لائے تو آپ کے آنے کی خبر آپ کی فیملی کو نہیں تھی۔ والدہ صاحبہ انڈونیشیا کے وفد کی خواتین کے استقبال کے لئے گیسٹ ہاؤس گئیں۔ وہاں والد صاحب کو اچانک دیکھ کر ایسا گھبرائیں کہ ان کو ملنے کی بجائے فوراً گھر لوٹ آئیں، شدتِ جذبات سے بولا نہیں جا رہا تھا اور کہنے لگیں تیاری کرو تمہارے ابا جی آئے ہیں۔

جب میں ماضی میں گزرے ماہ وسال پر نظر ڈالتی ہوں تو والد صاحب کی بیرونِ ملک رہائش کے باعث والدہ صاحبہ کو تن تنہا مختلف مسائلِ زندگی سے نبرد آزما ہوتے دیکھتی ہوں۔ صبر ووفا کی کامل تصویر بن کر والدہ نے والد صاحب کے وقف کو نبھایا اور کبھی حرفِ شکایت آپ کے لب پہ نہ آیا۔ ایک دفعہ والدہ صاحبہ نے خاکسارہ کو اپنڈیسائٹس کی تکلیف کی وجہ سے سول ہسپتال فیصل آباد میں داخل کروا رکھا تھا، دن کے وقت میرے پاس ہسپتال میں رہتیں اور رات کو ماڑی انڈس ٹرین کے ذریعے ربوہ دوسری بہنوں کے اکیلا ہونے کی وجہ سے ربوہ آجاتیں۔ اس زمانے میں ربوہ ریلوے اسٹیشن کے اردگرد ویران جگہ تھی۔ ہمارا بچپن تھا تو والدہ صاحبہ جوانی کے دور سے گزر رہی تھیں۔ رات کو سٹیشن سے گھر تک پہنچتے ہوئے نہایت خوفزدہ ہوتیں، آوارہ کتے گھر تک بعض اوقات پیچھا کرتے۔ چنانچہ والدہ صاحبہ کی وفات 1992ء کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا: ''اس کو وقف کہتے ہیں۔ خاوند نے وقف کیا اور کامل وفا کے ساتھ بیوی نے اپنی زندگی کی ساری جوانی دین کے حضور پیش کر دی اور سارے دکھ خود اٹھائے اور خاوند کو بے فکر کر کے دین میں چھوڑ دیا۔''

ہم چاروں بہنوں کی شادیوں کے موقع پر والد صاحب موجود نہیں تھے۔ وقت کی روح کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے ہمیشہ یہ اظہار کرتے کہ دعا کرو میرا وقف احسن طریقے سے نبھایا جائے۔ جماعت سے کبھی کوئی جائز مطالبہ بھی کرنا سخت ناپسند تھا۔ والدہ صاحبہ کی بیماری کے آخری ایام میں ان کو بسلسلہ علاج لاہور لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ اس اظہار پر کہ گاڑی بہتر ہے لے لیں آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں اپنے ذاتی کام کے لئے جماعت سے کوئی مطالبہ نہیں کرنا چاہتا۔

مختصر حالاتِ زندگی

میرے والد صاحب 6 اگست 1928ء کو چک نمبر 35 جنوبی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ پیدائشی احمدی تھے۔ آپ کے والد چوہدری عطاء اللہ صاحب چیمہ کو آپ کے نانا حضرت چوہدری مولا بخش صاحبؓ (صحابی حضرت مسیح موعودؑ) کے ذریعہ سے احمدیت کا تعارف حاصل ہوا۔ 1922ء

میں آپ کے والد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاتھ پہ بیعت کی۔ میرے والد صاحب کا تعلق زمیندار طبقے سے تھا اور آپ اپنے والدین کی اکلوتی نرینہ اولاد تھے۔ میرے دادا کو دعوت الیٰ اللہ کا بہت شوق تھا اور انہوں نے قادیان میں مربیان کی دیہاتی کلاس پاس کی اور 10 سال تک بطورِ دیہاتی مربی کام کیا۔ انہوں نے والد صاحب کو 1939ء میں حصولِ تعلیم کے لئے قادیان بھجوایا۔ آپ وہاں جا کر مدرسہ احمدیہ کی پہلی کلاس میں داخل ہوئے۔ اس وقت مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر حضرت میر محمد اسحاق صاحب تھے۔ 1945ء میں سات کلاس پاس کیں۔ 1944ء میں آپ نے وقف کیا اور 1945ء میں جامعہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد تقسیمِ برصغیر کی وجہ سے والد صاحب جامعہ احمدیہ کے طلباء کے ساتھ پہلے چند ماہ چنیوٹ پھر احمد نگر اور بعد ازاں ربوہ منتقل ہوئے۔ 1949ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ 1950ء میں میٹرک انگلش کا امتحان پاس کیا۔ ستمبر 1957ء میں آپ کی شادی فاطمہ بیگم صاحبہ بنت حضرت چوہدری عبداللہ خان صاحب رفیق حضرت مسیح موعودؑ (قلعہ کالروالا) سے ہوئی۔ ستمبر 1952ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ سے شاہد کا امتحان پاس کیا۔ 1953ء میں وکالتِ تبشیر میں حاضری دی۔ اور 1954ء کے آخر تک پاسپورٹ اور ضروری امور کی انجام دہی ہوئی۔ 1955ء کے آغاز میں ہی والد صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سیرالیون (مغربی افریقہ) بطور مربی بھجوایا۔ سیرالیون (فری ٹاؤن) میں آپ کا قیام چار سال 1955ء سے 1958ء تک رہا۔ آپ دورانِ قیام دعوت الیٰ اللہ کا فریضہ اور تعلیم وتربیت کے امور سرانجام دیتے رہے اور سعید روحوں کی جماعت میں داخل ہونے کی مساعی جاری رکھی۔ سیرالیون سے پاکستان واپس آئے اور اپریل 1959ء سے جون 1962ء دفتر وکالت تبشیر میں کام کرتے رہے۔

جولائی 1962ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو مغربی جرمنی بھجوا دیا۔ جہاں آپ اپریل 1966ء تک دعوت الی اللہ کے فرائض بطور مربی سرانجام دیتے رہے۔ 4 سال قیام کے دوران دو سال ہیمبرگ اور دو سال فرینکفرٹ میں رہے۔ جرمنی کے قیام کے دوران متعدد افراد کو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی سعادت ملی۔ 1966ء میں آپ کو حج کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ 1966ء میں پاکستان رخصت پہ آئے اور اگست 1966ء تا اکتوبر 1969ء ساڑھے تین سال وکالتِ تبشیر میں کام کرنے کا موقع ملا۔ بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے آپ کو انڈونیشیا بھجوا دیا۔ نومبر 1969ء سے ماہ فروری 2002ء، 31 سال آپ کو انڈونیشیا میں بطور مربی، امیر و مربی اور پرنسپل جامعہ احمدیہ انڈونیشیا کام کرنے کا موقع ملا۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے چار بیٹیوں سے نوازا: (1) مکرمہ امۃ الحمید فوزیہ صاحبہ (ایم اے عربی) اہلیہ مکرم پروفیسر مختار احمد چیمہ صاحب مربی سلسلہ کینیڈا، (2) خاکسار طیبہ چیمہ (ایسوسی ایٹ پروفیسر فزکس) اہلیہ مکرم تنویر احمد مہار صاحب (ڈائریکٹر ہارٹیکلچر)، (3) مکرمہ بشریٰ عارف صاحبہ (ایم اے ایجوکیشن) اہلیہ مکرم کرنل عارف محمود گوندل صاحب، (4) مکرمہ ثمینہ ظفر صاحبہ (فارماسسٹ) اہلیہ مکرم ظفر احمد (فارماسسٹ) کینیڈا۔

آپ کے خدا تعالیٰ کے فضل سے 14 نواسے نواسیاں ہیں۔

دعوت الی اللہ اور خلافت سے وفا کا تعلق

میرے والد صاحب بنیادی طور پر محنتی اور اپنی ذمہ داریوں کو محض خدا تعالیٰ کی خاطر انجام دینے والے تھے۔ مختلف ممالک میں بحیثیت مربی قیام کے دوران آپ نے دعوت الی اللہ کو کامیاب بنانے کے لئے متعلقہ ممالک کی زبانیں سیکھیں۔ خصوصاً جرمن اور انڈونیشین زبان میں مہارت حاصل کی۔ جرمن زبان جرمن یونیورسٹی سے سیکھی۔ آپ کو دعوت الی اللہ کا بے حد شوق تھا۔ آپ کی اکثر ڈائریوں اور یادداشتوں میں پرانے اولیاء اور مربیان کے طریقِ دعوت الی اللہ کا ذکر ملتا ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کی زندگی کا محور و مرکز محض دعوت الی اللہ ہی تھا۔ چنانچہ سیرالیون میں بطور مربی

آپ نے دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ملک کے متعدد حصوں کا دورہ کیا اور پیغام حق پہنچایا۔سینکڑوں احباب کو حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لانے کی توفیق ملی۔ملک سیرالیون میں آپ کا قیام تین سال تک رہا۔آپ اپنا ایک ہفتہ وار اخبار The Crescent تھے جو ایک عیسائی پرنٹنگ پریس سے شائع کرواتے تھے۔ایک دفعہ اس نے انکار کر دیا تو ایک احمدی بھائی قاسم صاحب نے ہزاروں پاؤنڈ دیئے تا کہ نیا پرنٹنگ پریس خریدا جائے۔

قبولِ احمدیت سے قبل قاسم صاحب۔

قبولِ احمدیت سے قبل قاسم صاحب نے اپنے گاؤں باھو باھو کے قریب بہنے والے دریا کو دیکھ کر کہا کہ اگر یہ دریا الٹا بہنا شروع کر دے تب بھی میں مہدی پر ایمان نہیں لاؤں گا۔خدا تعالیٰ اسی طرح سعید روحوں کو احمدیت میں داخل کر کے نافع الناس وجود بناتا ہے۔

مغربی جرمنی میں قیام کے دوران آپ ہیمبرگ اور فرینکفرٹ میں دعوت الی اللہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔افرادِ جماعت کی تربیت کے ساتھ ساتھ آپ نے غیر از جماعت احباب سے گہرا رابطہ رکھا اور متعدد افراد آپ کی دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے۔فرینکفرٹ میں ڈاکٹر کیوس مشن ہاؤس میں تشریف لائے۔آپ آٹھ زبانوں کے ماہر تھے اور بنیادی طور پر اٹلی سے تعلق رکھتے تھے۔یعنی اطالوی تھے۔انہوں نے عربی زبان سیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ابا جان نے ان کو یسرنا القرآن قاعدہ پڑھایا۔عربی زبان سکھانے کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ جاری رکھی۔بالآخر انہوں نے بیعت کر لی اور انہیں اسپرانٹو زبان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ کرنے کی توفیق ملی۔جرمنی میں اخبارات میں اجتماعات کے اعلانات کروا کر لوگوں کو جلسوں میں Invite کیا جاتا اور لٹریچر تقسیم کیا جاتا۔اس طرزِ دعوت الی اللہ کو والد صاحب نے جاری رکھا اور بہت سی نیک روحیں حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئیں۔

والد صاحب کو انڈونیشیا میں سب سے لمبا عرصہ کام کرنے کا موقع ملا۔آپ 31 سال دو ماہ بحیثیت مربی، بحیثیت امیر وانچارج مشنری اور بحیثیت پرنسپل جامعہ احمدیہ انڈونیشیا میں قیام پذیر رہے۔اس طویل قیام کے دوران دعوت الی اللہ کے مختلف انداز، بے شمار واقعات، انتظامی امور کی انجام دہی کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور مشکلات ابا جان کی ڈائریوں اور یادداشتوں میں مذکور ہیں۔پھر خدا کے فضل اور احسان کی بارشوں کے تذکرے جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر جو لوگ بھی جدوجہد کرتے ہیں خدا تعالیٰ ان کی مشکلات کو دور کرتا ہے اور اپنے خاص فضل کا سلوک کرتا ہے۔

مل جاتی ہے ان لوگوں کو ایمان کی دولت	ہر لحہ بسر کرتے ہیں جو صدق و صفا سے
رہتی ہیں یوں مولیٰ کی طرح ان پہ ہمیشہ	ہو جاتے ہیں وہ دور ہر اک حرص و ہوا سے

ابا جان کا اوڑھنا بچھونا جماعت تھی۔خلافت سے آپ کو عشق تھا۔آپ کے انڈونیشیا قیام کے دوران جماعت نے غیر معمولی ترقیات کی منازل طے کیں۔چنانچہ مختلف بیوت الذکر کی تعمیر، جماعتی اغراض کے لئے ہالوں (Halls) کی تعمیر، کلینک، ہوسٹل، گیسٹ ہاؤس، لجنہ کے لئے تین منزلہ عمارت، موصیان کے لئے قبرستان کا حصول وغیرہ۔گویا ایک پورا تربیتی مرکز یعنی تربیتی شہر بسایا۔

الغرض جماعت انڈونیشیا بتدریج ترقی کرتی چلی گئی۔آپ کے قیام انڈونیشیا کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ وہاں تشریف لائے۔حضور نے والد صاحب کی گذشتہ مساعی پر خوشنودی کا اظہار کیا اور لجنہ اماء اللہ انڈونیشیا کے بارے میں فرمایا کہ جماعتی ترقی میں لجنہ انڈونیشیا کی مساعی دنیا کی تمام لجنہ سے نمبر 1 پر ہے۔ چنانچہ 3 جون 1992ء کو والد صاحب کے ایک خط کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا:

”پیارے برادرم محمود احمد چیمہ! خلافتِ احمدیہ سے آپ کی پُرخلوص وفا اور اطاعت کے تعلق کو دیکھ کر میرا دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے بھر گیا ہے۔خدا تعالیٰ

ان نیک جذبات کوقبول فرمائے اوراس عہدِ بیعت کوآخری سانس تک اصل وفا کے ساتھ نبھانے کی توفیق بخشے (آمین) مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یادرکھتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم ذمہ داری کواپنی رضا کے مطابق نبھانے کی توفیق بخشے۔‘‘

1993ء میں ایک اورخط میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا:

اللہ آپ کوجزادے،آپ نے (دعوت الی اللہ) کے میدان میں ایک کامیاب تاریخی دورگزارا۔اللہ تعالیٰ اس کا بہترین اجردےاوردونوں جہان کی حسنات سےنوازے۔اب آپ کی صحت اورعمرزیادہ محنت اورذمہ داری کے کاموں کی متحمل نہیں،اس لئےآپ جامعہ احمدیہ کے تدریسی فرائض سنبھال لیں۔اللہ کرے کہ آپ کے فیض سے انڈونیشیا میں بہترین اوراعلیٰ نمونے کے(مربیان) پیدا ہوں۔(آمین)

عوام الناس کودعوت الی اللہ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے مختلف ملکی عہدیداروں اورسیاسی شخصیات کوبھی لٹریچر دیا اوران سے ملاقات کر کے جماعتی تعارف پیش کیا۔چنانچہ 1978ء میں وزیرامورِمذہب الحاج عالم شاہ سے 1979ء میں سماٹرا کے گورنرآزرصاحب، جولائی 1979ء گورنر جکارتہ، نائب صدرانڈونیشیا آدم ملک، گورنر بالی سے ملاقاتیں کیں اور جماعتی تعارف پیش کیا۔اسی طرح تھائی لینڈ کے وزیرِ سائنس وٹیکنالوجی اورانڈونیشیا کے وزیرِسائنس Dr.Habibbi سے بھی ملاقات ہوئی اوران کوقرآن کا انگریزی ترجمہ وتفسیر کتابی شکل میں پیش کیا۔یوں انڈونیشیا میں جماعت کا سیاسی اورملکی سطح پر بھی تعارف ہوا۔

انڈونیشیا میں بھی جماعت کومختلف ادوار میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔چنانچہ مئی 1982ء میں تاسک فلایا میں ایک آتش فشاں نے اپنا لاوہ نکالنا شروع کردیا۔اس لاوے نے ایک گاؤں کوتباہ کردیا۔اس گاؤں میں جماعت کی بہت مخالفت تھی۔ابا جان نے بتایا کہ اس گاؤں میں ہمارے پانچ احمدیوں کوشہید کیا گیا تھا۔باوجوداس کے جماعت نے اس گاؤں کے لوگوں کی مشکل وقت میں مددکی اوران کوعارضی گھر بنا کر دیئے۔یوں افراد جماعت احمدیہ نے حضرت مسیح موعودؑ کے اس پیغام کوزندہ کیا کہ

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو	کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

اسی طرح ماہ جون 1980 مجلس علماء انڈونیشیا نے ہماری جماعت کے خلاف کفر کا فتویٰ شائع کیا۔جماعت کی مجلس عاملہ نے ان کولکھا کہ ہم سے تحریری مباحثہ کرلیں۔وہ نہ مانے۔ وزیرامورمذاہب کوبھی لکھا کہ وہ ثالث بن کرمباحثہ کروادیں۔لیکن انہوں نے بھی تسلی بخش جواب نہ دیا۔جس پر والدصاحب نے مجلس عاملہ کی مدد سے اس فتویٰ کفر کا جواب طبع کروایا اورصدرسوہارتو اورنائب صدر،وزراءاورعلماءکویہ کتاب بھیجی۔اکثرافراد نے شکریہ ادا کیا اورکتاب پڑھ کرصدر نے اپنے خطاب میں کہا کہ۔

’’یہ مناسب نہیں کہ کسی شخص کے مذہبی جذبات کوٹھیس پہنچائی جائے یاکسی کی مذہبی آزادی میں دخل دیا جائے۔‘‘

آپ کے انڈونیشیا میں قیام کے دوران پہلے تاسک ملایا میں اور بعد میں بانڈونگ میں ایک معلم کلاس کا آغاز ہوا۔اسی کلاس کوتین سالہ کورس میں بدل دیا گیااوریوں جامعہ احمدیہ کی بنیاد پڑی۔2002ءتک اس میں پانچ کلاسیں اور 80 طالب علم داخل تھے۔ہرسال فارغ التحصیل ہونے والے طالب علم نہ صرف انڈونیشیا کی دوسو(200) جماعتوں کی ضروریات کوپورا کرتے ہیں بلکہ سنگاپور، ملائیشیا،فلپائن، تھائی لینڈ،کمبوڈیا کی جماعتوں کی تعلیمی وتربیتی ضروریات کوبھی پوری کرتے ہیں۔والدصاحب نے بطورمربی سنگاپور، ملائیشیا،فلپائن اورتھائی لینڈ کی جماعتوں کے دورے بھی کئے۔

تصانیف،مضامین اورمقابلہ جات

والدصاحب بنیادی طور پر محنتی اور عالمانہ مزاج رکھتے تھے۔کتب کا مطالعہ کرنا اور تحقیقی امور کی انجام دہی آپ کا مشغلہ تھا۔چنانچہ آپ نے انڈونیشین زبان میں مندرجہ ذیل موضوعات پر کتب اور پمفلٹ تحریر کئے۔

1۔تین ضروری مسائل(وفاتِ مسیح،مسئلہ ختمِ نبوت،صداقتِ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ)۔2۔امام مہدی کی آمد کی خوشخبری۔3۔اسراء اور معراج نبیؐ۔4۔ 36 سوالوں کے جواب۔5۔معجزاتِ امام مہدی۔6۔سیرت المہدی۔7۔مسئلہ وحی۔8۔خاتم النبیین کے معانی۔9۔دنیا کی عمر۔10۔خلافت کے قیام۔11۔سوانح حیات حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ۔12۔سوانح حیات مصلح موعود۔13۔سوانح حیات حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ۔14۔آخری زمانہ کی دس علامات اوران کے حوالے سے تفسیر۔15۔غیر از جماعت کے تذکرہ پر اعتراضات کے جواب بذریعہ خط۔16۔رسالہ''مینارا سلام'' جس میں جماعت کے خلاف تحریر کردہ تین کتب(i) ''احمدیت کے راز ظاہر ہوگئے'' (ii) ''احمدیت کے متعلق حقیقت''(iii) ''ھندہ القادیانیہ کا جواب'' آپ نے انڈونیشین زبان میں تحریر کیا۔

انڈونیشیاجماعت سے پیار کا تعلق

والدصاحب نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ انڈونیشیا میں گزارا۔آپ وہاں کے نیشنل بن چکے تھے۔انڈونیشین زبان پر آپ کومکمل عبور حاصل تھا۔والد صاحب انڈونیشین قوم سے بہت پیار کرتے تھے۔انڈونیشین لوگوں کے بارے میں والدصاحب کی یہ رائے تھی کہ وہ بہت مخلص،بااخلاق،مہمان نواز اور پیار کرنے والے ہیں۔والدصاحب کو جماعت احمدیہ انڈونیشیا کے ساتھ والہانہ عشق تھا۔انڈونیشین جماعت بھی آپ سے بے حد پیار کرتی تھی۔والدصاحب کے انڈونیشیا قیام کے دوران بھی اگر کوئی انڈونیشیا جماعت سے احمدی مرد،خواتین اور بچے پاکستان آتے اور ہم سے ملاقات ہوتی تو والدصاحب کے ذکر پر ان کی آنکھوں میں خوشی اور پیار کی جھلک ملتی اور والدصاحب کو''بابا'' کہتے ہوئے ان کی آواز بھرّا جاتی۔جب والدصاحب جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے اور پاکستان واپس آنے لگے تو جامعہ کے طالب علموں کی دو بسیں بھر کر آپ کو الوداع کہنے آئیں۔آپ کے پاکستان میں قیام کے دوران انڈونیشیا سے بہت لوگوں کے خطوط آتے۔جامعہ احمدیہ انڈونیشیا کے طالب علموں کے محبت سے بھرے،یادوں میں ڈوبے 80 کے قریب خطوط ہیں۔ان خطوط میں والدصاحب سے والہانہ محبت کا اظہار طالب علموں نے اپنی شکستہ اردو میں کیا ہے۔نمونے کے لئے خط کا حصہ درج کرتی ہوں۔بودی رحمان صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا ایک بڑا سادہ شخص ہے۔آپ سادہ زندگی آپ بے فائدہ کام کرنے کی بجائے اپنے سارے وقت مطالعہ کرنے کے لئے ہمیشہ استعمال کرتے ہیں۔آپ کے منہ سے بے فائدہ بات کبھی نہیں نکلتی۔آپ کے منہ سے ہمیشہ علم و نصائح نکلتے ہیں۔''کہ تم غافل بات چھوڑ دو اپنے وقت ضائع نہ کر ہمیشہ قرآن پڑھو۔'' مجھے یقین ہے کہ اگر ہم ان نصائح پر عمل کرتے تو کامیاب ہوتے۔''

(روزنامہ الفضل 14 اپریل 2012ء)

آپ پاکستان واپس آگئے،مگر آپ کا دل انڈونیشین جماعت سے ملنے کے لئے بے قرار رہتا۔وقف زندگی کی شاید یہی روح ہے کہ اپنے مقصد،اپنی Cause سے اس قدر وابستگی ہوجائے کہ دیگر رشتے اور تعلقات اس کے سامنے قدرے ثانوی حیثیت اختیار کر جائیں۔آپ کی صحت کی کمزوری کی وجہ سے دوبارہ انڈونیشین جماعت سے ملاقات نہ ہوسکی۔وفات سے ایک ماہ قبل آپ نے انڈونیشیا جانے کی تیاری مکمل کر لی تھی،مگر ان دونوں دل کی تکلیف زیادہ ہوگئی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔

آپ کی وفات پر مکرم امیر صاحب انڈونیشیا کی طرف سے آمدہ فیکس بنام محترم وکیل التبشیر صاحب میں افسوس کا اظہار کیا گیا اور لکھا کہ

''مکرم محمود احمد چیمہ صاحب کا نام انڈونیشین جماعت مشکل سے بھلا پائے گی۔ کیونکہ اس قدر نافع الناس وجود نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ انڈونیشیا کی 31 (اکتیس) برس تک بہت خدمت کی ہے۔ بحیثیت مربی، امیر جماعت اور رئیس دعوت الی اللہ کے علاوہ آخر میں جامعہ احمدیہ انڈونیشیا کے پرنسپل کے طور پر خدمات انجام دیں۔ ہم ان کی کمی کو شدت سے محسوس کریں گے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی تمام خدمات کو قبول فرمائے اور ان سے راضی ہو اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے'' (آمین)

والد صاحب انڈونیشیا سے آنے والے افراد کو گھر مدعو کرتے۔ بیرون ملک ہوتے ہوئے بھی ربوہ آنے والے انڈونیشینز کی دعوت کے لئے کہتے۔ انڈونیشیا کی موجودہ دو تین نسلیں واقعی آپ کو بھلا نہ پائیں گی۔ قادیان کے جلسے پر انڈونیشین خواتین سے میں نے اپنا تعارف کروایا تو والد صاحب کے حوالے سے انہوں نے نہایت عقیدت اور محبت کا اظہار کیا۔ والد صاحب کی وفات پر انڈونیشین جماعت کا ہماری فیملی کے ساتھ اظہارِ تعزیت ان الفاظ میں تھا۔

''مرحوم انتہائی سادہ، ملنسار، فرض شناس اور دعا گو شخصیت تھے۔ جماعت احمدیہ انڈونیشیا کے تمام افراد کے دکھ درد اور خوشی میں باقاعدہ شامل ہوتے تھے۔ وہ ہم سب کے لئے ایک باپ کی طرح تھے اور ساری جماعت بھی ان سے اسی طرح پیار کرتی تھی۔ یہ خبر سن کر ہر دل دکھی اور افسردہ ہوا ہے لیکن

جانے والا ہے سب سے پیارا　　　اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

سیرت وعادات

محترم والد صاحب طبعاً سادہ مزاج تھے۔ خاموش طبع، منکسر المزاج، نرم خو اور گہرے عارفانہ مزاج کے مالک تھے۔ عبادت گزار اور دعاؤں اور ذکر الٰہی میں ہر لحہ مشغول رہنے والے۔ ہم نے آپ کو بے تکلفی سے دنیا داری کی باتیں کرتے کبھی نہیں سنا۔ والد صاحب اپنے والدین کی اکلوتی نرینہ اولاد تھے، خدا کے فضل سے صاحبِ جائیداد تھے، مگر دنیاوی خواہشات کی طرف آپ کی طبیعت مائل نہ تھی۔ اپنی وفات سے تقریباً بیس سال قبل اپنی تمام جائیداد بچوں کے نام کر دی۔ اپنی ضروریات اس قدر محدود تھیں کہ آپ کو زیادہ رقم کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔ مثال کے طور پر آپ کے پاس جوتوں کا ایک جوڑا تھا۔ مسجد میں نماز پڑھنے جاتے مسلسل استعمال کی وجہ سے بوٹ کھلے ہو گئے تھے اور پاؤں باہر آ جاتا مگر نئے بوٹ لینے کا ہمارا اصرار انکار میں بدل جاتا۔ کپڑوں کے معاملے میں بھی سادگی پسند تھے۔ آپ ہمیں چند سوٹوں کے علاوہ نئے کپڑے بنانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس معاملے میں وہ مکمل طور پر حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے۔ آپ چوہدری صاحب کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ آپ کی خوابوں کی ڈائری جس میں 1950 سے 2009 تک دیکھی جانے والی ساری خوابوں کا اندراج تاریخ اور سن کے ساتھ ہے، اس ڈائری کو پڑھنے کے بعد مجھے دو باتیں کثرت سے نمایاں نظر آئیں۔ ایک تو بار بار خوابوں میں چوہدری صاحب سے ملاقات اور دوسرا بار بار آپ کو جنت کی خوشخبری دی گئی تھی۔ باوجود صاحبِ جائیداد ہونے کے سادگی وقناعت کا یہ حال تھا کہ ایک سوئی دھاگہ جو کبھی ٹانکہ لگانے کے لئے استعمال کرتے، بتاتے تھے کہ یہ 1962 میں جرمنی سے لی تھی۔ دنیاوی اشیاء کی محبت سے دل خالی تھا۔ چنانچہ انڈونیشیا سے پاکستان آتے تو انڈونیشین لوگ بہت زیادہ تعداد میں تحائف دیتے مگر آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انڈونیشین جماعت میں زیادہ مستحقین ہیں اس لئے تمام تحائف مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ آخری مرتبہ جب پاکستان آئے تو وہاں کے افرادِ جماعت نے کچھ رقم آپ کو تحفہ میں دی، آپ نے پاکستان آ کر ساری رقم نظارت مال میں جمع کروا دی۔ اظہار یہ ہوتا تھا کہ جماعت کے

لوگوں کی طرف سے دی گئی ایک سوئی بھی میرے لئے جائز نہیں۔آپ اپنی ذات کے لئے تو بہت قناعت پسند تھے مگر دوسروں کے لئے سخی اور کھلے دل کے مالک تھے۔غرباء کی خفیہ مدد کرتے۔کسی بھی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔

آپ زمانہ طالب علمی سے موصی تھے اور چندوں میں بہت با قاعدہ۔آپ نے لسٹیں بنائی ہوئی تھیں۔جن میں حضرت محمد ﷺ ،خلفائے راشدین، حضرت مسیح موعود، رفقاء اور پھر اپنے خاندان کے بزرگوں کی شامل کر کے سب کے نام کا چندہ ادا کرتے۔والد صاحب ایک مسافر کی مانند زندگی بسر کرتے رہے، ہر وقت اپنے رب کے پاس جانے کے لئے تیار رہتے۔خدا کے ساتھ اپنا معاملہ صاف رکھنے کی کوشش کرتے۔چنانچہ ربوہ میں ایک دس مرلہ کا پلاٹ آپ کے والد صاحب نے آپ کے نام خریدا تھا۔بعد میں نہ جانے کیوں آپ کو یہ خبر ہوئی کہ یہ چچا صاحب کے لئے خریدنے کی نیت تھی۔چچا کا کہنا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں مگر پلاٹ فروخت ہونے پر اس کی قیمت زبردستی چچا کو بھجوادی۔یہ تقویٰ کی باریک راہیں ہیں جن پر راہِ حق کے مسافر قدم دھرتے ہیں۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو	کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو	اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے روحانی تبدیلی اپنے رفقاء اور بعد میں آنے والے افرادِ جماعت میں پیدا کی، میرے والد صاحب بھی حضور کے اس روحانی ورثے سے فیض یاب تھے۔میں نے والد صاحب کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری آٹھ سال گزارے۔میں نے آپ کو نہایت عبادت گزار اور خدا تعالیٰ کی محبت میں گم پایا۔ہمارے ساتھ رہتے ہوئے بھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں رہے۔ان کی تمام تر ترجیحات کا مرکزی نقطہ خدا کی ذات تھی۔شاید یہ اندازِ فکر وقت کی قربانی کا انعام تھا۔میرا قلم شاید ان کی عبادت کا معیار بیان نہ کر سکے مگر یہ ضرور بتانا چاہوں گی کہ عبادت کے بلند معیار کا وصف آپ کو اپنے ننھیال کی طرف سے وراثت میں ملا ہے۔آپ کے نانا چوہدری مولا بخش صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے آپ کی والدہ محترمہ سکینہ بی بی صاحبہ اور پھر ماموں اور ممانی خدا تعالیٰ سے گہرا تعلق رکھنے والے اور عبادت گزار تھے۔آپ کے ماموں چوہدری ہدایت اللہ ڈھیڈ سہ چک 35 جنوبی غیر معمولی عبادت گزار اور حقیقی معنوں میں مساجد آباد کرنے والوں میں سے اور والد صاحب کا ماموں اور ممانی سے بہت محبت اور عقیدت کا تعلق تھا۔ ہمیں ہمیشہ توجہ دلاتے کہ ان کو دعا کے لئے درخواست کیا کرو۔میرے یہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ نیکی اور روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی عبادات کے معیار کو بہتر بنائیں تو یقینا اس کا اثر ہمارے بچوں کے علاوہ رشتہ دار بچوں اور عزیز و اقارت کی اولادوں پر بھی پڑے گا۔والد صاحب کی روحانی ترقی میں ان بچپن کی تربیت اور خاندانی ماحول کا اثر موجود تھا۔والد صاحب کی زندگی میں تو ہمارے گھر رات نہیں ہوتی تھی۔ہم گھر والے سونے کے لیے لیٹتے تو آپ کی بیداری کا وقت ہو جاتا۔کیونکہ بہت خاموش طبع تھے، اس لئے کم اور آہستہ بات کرتے۔اکثر لکھ کر بات کرتے۔مگر ساری رات ان کے کمرے سے اونچی آواز میں تلاوت کی آواز آتی رہتی۔

وقت کی پابندی سختی سے کرتے تھے۔جو کام ایک بجے کرنا ہے اس کو ایک بجے پانچ منٹ پر نہیں کرتے تھے۔اس لئے ہر نماز سے پندرہ منٹ قبل بیت الذکر میں پہنچ جاتے۔14 جولائی 2009 کو آپ کا انتقال ہوا اور خدا کے فضل سے 13 جولائی کو بھی آپ نے تمام نمازیں بیت الذکر میں ادا کیں۔طبیعت کی خرابی اور کمزوری کسی حال میں بھی نماز گھر نہیں پڑھتے تھے۔جب ہم کمزوری یا بیماری کی وجہ سے گھر نماز پڑھنے کے لئے کہتے تو یہ بات نہیں مانتے تھے۔اور کہتے تھے کہ مجھے 5 منٹ بیت الذکر میں جانے اور 5 منٹ واپسی میں لگتے ہیں اور اس طرح میری دن میں 50 منٹ کی سیر بھی ہو جاتی

ہے۔میں جب آپ کے کمرے کے پاس سے گزرتی،آپ کو چاشت،اشراق کی نماز پڑھتے ہوئی پاتی۔ باجماعت نماز کے اس قدر پابند تھے کہ بیرون ملک سے ربوہ رات کو پہنچنے تو فجر کی نماز بیت الذکر میں ادا کرنے جاتے اور سفر کی تھکن باجماعت نماز کی راہ میں کبھی بھی حائل نہ ہوتی۔ والد صاحب مطالعہ کرنے اور لکھنے کے بے حد شوقین تھے۔ کمرے میں صرف دو چیزیں نظر آتی تھیں،کتابیں یا دوائیاں۔آخری برس میں باوجود ریٹائرمنٹ کے دعوت الی اللہ کرتے رہتے۔اگر آپ محسوس کرتے کہ کوئی غیر از جماعت بحث نہیں کر رہا تو اسے لکھ کر ضروری مسائل اور ان کے جواب فائل کی شکل میں دے دیتے اور اس سے درخواست کرتے کہ ان کو ضرور پڑھ لے۔

لوڈ شیڈنگ میں بھی والد صاحب کی روٹین میں فرق نہیں آتا تھا۔مطالعہ کو گرمی کی شدت میں بھی جاری رکھتے۔سخت گرمی میں گیس لیمپ جلا کر Magnified Glass لگا کر پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتے۔بچے حیرت سے دیکھ کر کہتے کہ لگتا ہے صبح نانا ابو کا پرچہ (Exam) ہے۔نہ ٹی وی دیکھتے اور نہ ریڈیو کی ان کو کوئی ضرورت تھی۔بس یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کی الگ ہی دنیا ہے،جس کا مرکز بس خدا ہے۔

ابا جان کو قرآن کا وسیع علم تھا۔آپ مطالعہ اس حوالے سے کرتے۔قرآن کے ہر صفحہ کے ساتھ ایک سفید کاغذ لگوا کر جلد کروائی ہوتی اور اس پر ضروری نوٹس لکھتے۔جب دعوت الی اللہ کے دوران غیر از جماعت کو قرآن کے حوالے سے مسائل سمجھا رہے ہوتے تو بیان کرنے میں اتنی روانی ہوتی کہ محسوس ہوتا تھا کہ دریا بہہ رہا ہے اور اس کے راستے میں کوئی روک نہیں۔

آپ کو اکثر سچے خواب آتے۔اپنے ہر خواب کو تحریر کرتے اور آپ کی ڈائری میں سن کے ساتھ خوابوں کا اندراج ہے۔1975 میں آپ نے خواب دیکھا اور اپنی ڈائری میں تحریر کیا کہ خاکسار کو انڈونیشیا جماعت کا چارج ملا جو کہ 1977 میں اس رنگ میں پورا ہوا کہ مکرم امام دین سابق مشنری انچارج انڈونیشیا کی دل کی بیماری کی وجہ سے مکرم وکیل التبشیر صاحب کے ارشاد پر والد صاحب کو مشنری انچارج بنا دیا گیا۔بچوں کی پیدائش سے قبل بھی آپ کو خوابوں کے ذریعے اطلاع ملی۔

آپ بے حد محبت کرنے والے تھے مگر اظہار کے معاملے میں ذرا محتاط اور طبیعت میں حیاء اور جھجک تھی۔جس کی وجہ سے ان سے بے تکلفی کا تعلق پیدا نہیں ہو سکا۔آپ جماعت کے اندر ہمیشہ اتحاد اور محبت کی فضا دیکھنا چاہتے تھے۔چنانچہ جہاں جہاں بھی آپ کا بحیثیت مربی یا مشنری تقرر ہوا،آپ نے جماعت میں پیار کی فضا کو یقینی بنانے کے لئے تگ و دو کی۔انڈونیشیا میں مشنری انچارج بننے کے بعد پہلا کام اہم یہ کیا کہ ممبران جماعت سماٹرا جو دو حصوں میں بٹ چکے تھے اور ان میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔اس وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث جماعت سے ناراض اور پریشان تھے۔والد صاحب نے دونوں فریقوں کے حالات سنے،ان کی غلط فہمیاں کا ازالہ کیا اور زیادتی کرنے والے فریق کو نصیحت کی۔اور دوسروں کی بھائیوں کی خطائیں معاف کرنے کی نصیحت کی۔اور جماعت میں اتحاد کی یہ فضا جماعت انڈونیشیا کی بے پناہ ترقی کا ذریعہ بنی۔

والد صاحب کھانے میں بے انتہا سادگی پسند تھے۔صرف وقت پر کھانا دیا جاتا کیونکہ وقت کی پابندی کو پسند کرتے۔اگر دو دن بھی لگاتار ایک ہی قسم کا کھانا پیش کیا جاتا تو کبھی اظہار نہ کرتے کہ نیا کیوں نہیں ہے۔کسی کھانے پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرتے تھے۔آپ کو غلط بیانی سے نفرت تھی۔اس لئے آپ رپورٹنگ کے حوالے سے ہمیشہ محتاط انداز اختیار کرتے اور الفاظ کی خوبصورتی اور حاشیہ آرائی کو رپورٹنگ میں ناپسند کرتے۔ہر رپورٹ محض سچائی اور حقیقت پر مبنی ہوتی۔

اپنی کسی مساعی کا محفل میں اظہار نہ کرتے۔آپ اپنی جماعتی خدمات کا زیادہ تر نجی محفل میں ذکر نہ کرتے اور نہ اپنی ذات کی تعریف اور توصیف کا

شوق تھا۔ گھر کے باہر نام کی تختی سے چوہدری کا لفظ ختم کر دیا۔

کثرت سے بزرگانِ سلسلہ اور ان کی اولاد کو بذریعہ خطوط اپنے انجام بخیر ہونے کی دعا کی درخواست کرتے۔ بشریت کے تقاضے سے پورے کرتے ہوئے آپ نے اپنے مولیٰ سے حد درجہ پیار کرتے ہوئے اسے ہر حال میں راضی رکھنے کی کوشش کی۔ وفات سے قبل مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے عطیہ چشم بھی دے دیا۔ وفات کے وقت آپ کے چہرے پر جو سکون اور بے پناہ حسن کی جھلک تھی اس سے تو دل یہی گواہی دیتا ہے کہ خدا نے آپ کی خواہش کو پورا کر دیا۔ آپ کے ساتھ پیار کا سلسلہ کیا تھا۔ کسی لمبی بیماری کی اذیت سے بچایا۔ ہر قسم کی محتاجی سے محفوظ رکھا اور آپ کا انجام بخیر کیا۔

آپ کی وفات کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

”چوہدری محمود احمد چیمہ جو ہمارے بڑے پرانے مربی سلسلہ تھے۔ 14 جولائی 2009ء کو وفات پا گئے ہیں۔ بڑے نیک، مخلص، باوفا اور خدمتِ دین کا جذبہ رکھنے والے فدائی واقفِ زندگی تھے۔ ان کی طبیعت میں بڑی سادگی تھی۔ خلافت سے انتہائی وفا کا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیاں ان کی نسلوں تک جاری رکھے۔ آمین“

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ والد صاحب مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے اور مقربین میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کی نسل کو آپ کی خوبیوں کا وارث بنائے۔ (آمین)۔ (روزنامہ الفضل 16 اپریل 2012)

میں انڈونیشیاء کے احباب کو تلقین کرتا ہوں کہ وہ اس نابغہ ہستی کے حالات زندگی کو انڈونیسین زبان میں ترجمہ کر کے شائع کریں تا کہ آنے والی نسلیں ان کے فیض سے بہرہ ور ہوتی رہیں۔



عیدِ قربان

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

وہ آئی عیدِ قرباں مومنو تیار ہو جاؤ
بہ بذلِ مال و جاں اک پیکرِ ایثار ہو جاؤ
خلیل اللہ کی سنت تازہ کرنے کو کمر بستہ
پئے تعمیلِ حکمِ حاکمِ دادار ہو جاؤ
بوقتِ جائداد و نظم و ضبط و خدمتِ دینی
ثمر اندوزِ نعمتہائے عقبیٰ الدار ہو جاؤ
سلوکِ باہمی صدق و ریاضت اور محنت سے
نمونہ ایسا دکھلاؤ کہ اک معیار ہو جاؤ
تمہارے پاس جو کچھ ہے لگا دو راہِ مولیٰ میں
فقیرِ بے نوا بن کر شہِ دربار ہو جاؤ
سردار آ کے اپنی موت سے اک زندگی پاؤ
سہولت سے ابد تک قوم کے سردار ہو جاؤ
ہزاروں راگ خاکستر کے ہر ذرے سے پیدا ہوں
جلا کر رختِ ہستی اپنا ”موسیقار“ ہو جاؤ
صدف بن کر سمیٹو قطرہ ہائے آبِ رحمت کو
پھر آب و تابِ پا کر گوہر شہوار ہو جاؤ
بہ فیضِ ساقیءِ وحدت مئے گلرنگِ عرفانی
پیو بھی اور پلاؤ بھی کہ سب سرشار ہو جاؤ
ابھی تو دور ہے منزل بڑھے جاؤ بڑھے جاؤ
نشانِ نقشِ پا دیکھو سبک رفتار ہو جاؤ
خلش کانٹوں کی پاؤں تیز کر دے اور بھی اکمل
گلِ صد برگ بن کر اس گلے کا ہار ہو جاؤ



حضرتِ اقدس سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

محترم جناب قیس مینائی کراچی

حضرتِ اقدس سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کل نبیوں کے قائدِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
دائرہ کُل محورِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
انگشتِ نبوت کے خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
رُوحِ مقدس جانِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
جسمِ محمدؐ نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
نقشِ قدم تھا زینتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
آپؐ کے دم تھا دمِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
چشمہ رحمت چشمِ پُر نم صلی اللہ علیہ وسلم
آبِ وضو ہے کوثر و زمزم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ قدرت، آیہء رحمت، رازِ فطرت، سرِ حقیقت
قاسمِ نعمت، منعِم و منعَم صلی اللہ علیہ وسلم
صبحِ شریعت، نورِ طریقت، ماحیِ ظلمت، قیمِ وحدت
دستِ شفقت، ناصر و ہمدم صلی اللہ علیہ وسلم
ابرِ در افشاں، انجمِ رخشاں، ماہِ تاباں، مہرِ درخشاں
ہر ذرہء خاکِ زیرِ قدم صلی اللہ علیہ وسلم
شافعِ محشر، ساقیءِ کوثر، سارے رسولوں کے افسر
ہادیِ برحق، مصلحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
سر پر آپؐ کے تاجِ رسالت، ساتھ ہے عالمگیر شریعت
ہاتھ میں ہے توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
پیٹ پہ پتھر پشت ناقہ، آگے آگے فقر و فاقہ
پیچھے پیچھے جاہ و حشم صلی اللہ علیہ وسلم
غارِ حرا کا منظرِ عالم، یادِ خدائے راحم و ارحم
دستِ دعا و دیدۂ پُر نم صلی اللہ علیہ وسلم
وہ خندق، وہ کردارِ عمل، وہ عظمت و شانِ وقارِ عمل
اللہ اللہ کاوشِ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم
ہر ایک نبی اک دریا ہے، ہر دریا آپؐ میں گرتا ہے
آپؐ ہیں دریاؤں کے سنگم صلی اللہ علیہ وسلم
سارے نبی ہیں چار ستارے سقفِ فلک پر جیسے منارے
آپؐ ہیں سب کے نیّرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
سارے رسولوں کی تصویریں آپؐ کی صورت میں ہیں پنہاں
کل تصویروں کے ہیں البم صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں مظہرِ ذات صفاتِ خدا ہیں جلوہ گر انوارِ ہدیٰ
آئینہ ء صافی عکسِ اتم صلی اللہ علیہ وسلم
آدم سے تا حضرتِ عیسیٰ سب کی دعاؤں کا ہیں نتیجہ
موعودِ ادیانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
حضرتِ آدمؑ سے تا ایں دم سارے نبی ہیں آپؐ میں مدغم
ہیں آئینہ ء قدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
روح سے بڑھ کر جان سے پیارا، قیس کی امیدوں کا سہارا
قیس کے زخمِ دل کا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم
از فرشِ زمیں تا عرشِ فلک ہر جنّ و بشر ہر حور و ملک
اے قیس یہ گاتے ہیں ہردم صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم

(جنوری،فروری 1960ء)



اس عاجز کے والد (میاں فضل الرحمن بسمل) مصلح موعودؓ کے قدموں میں

(انجینئر محمود مجیب اصغر)

ہمارے والد صاحب حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے مداح اور ان کے للہی عشق و محبّت میں سرشار رہنے والے وجود تھے۔ ہمارے گھر میں حضرت مصلح موعودؓ کا چرچا رہتا تھا۔آپ بتایا کرتے تھے کہ انہوں نے میٹرک ٹی آئی ہائی سکول قادیان سے کیا تھا اور ان کی کلاس کی الوداعی تقریب میں جو گروپ فوٹو ہوا اس میں والد صاحب کو حضرت مصلح موعود کے عین قدموں میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ دل میں ہمیشہ یہ حسرت رہی کہ غیب سے وہ تصویر مل جائے ۔ خدا تعالیٰ جو دلوں کی نیک خواہشاتِ کو پورا کرنے والا اور دعاؤں کا سننے والا ہے اس نے خود غیب سے اس گروپ فوٹو کے ملنے کے سامان پیدا فرما دیئے۔الحمدللہ



اس کا پس منظر یہ ہے کہ اس عاجز نے ماں باپ پر اپنے ایک مضمون میں (جو روزنامہ الفضل ربوہ میں 3 نومبر 2007 میں شائع ہوا) تحریر کیا۔

’’1926ء میں والد صاحب نے حضرت مصلح موعود کے زیر سایہ قادیان سے میٹرک کیا تھا۔فرماتے تھے کہ حضرت مصلح موعود تشریف لائے تھے اور حضور کے ساتھ گروپ فوٹو بھی ہوا تھا (کاش یہ گروپ فوٹو مل جائے)‘‘

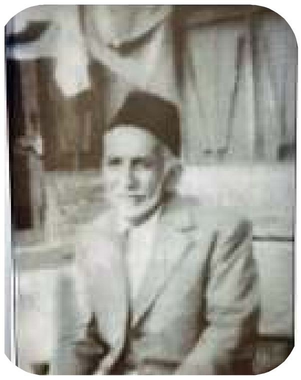
کچھ عرصہ بعد یہ معجزہ رونما ہوا کہ ایک شادی کی تقریب میں ایک صاحب اس عاجز کے پاس تشریف لائے اور فرمایا

" آپ مجھے نہیں جانتے مگر میں آپ کو جانتا ہوں اور آپ نے جس گروپ فوٹو کا اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے اس میں میرے والد صاحب بھی ہیں۔اور وہ گروپ فوٹو میرے پاس ہے۔میرا نام وسیم احمد شاکر ہے اور میں عبدالرحمن شاکر صاحب کا بیٹا ہوں اور والد صاحب وفات سے پہلے تصویر کے نیچے نام بھی لکھ گئے تھے۔میں واپس واہ کینٹ جا کر نام بھی چیک کروں گا اور آپ کو تصویر بھیج دوں گا۔آپ اس کی کاپی بنوا لینا"

چنانچہ انہوں نے واپس واہ کینٹ جا کر اس عاجز کو فون کیا کہ تصویر کے نیچے نام انہوں نے پڑھے ہیں اور حضرت مصلح موعود کے عین قدموں میں جو لڑکا بیٹھا ہوا ہے ان کا نام "فضل الرحمن" لکھا ہوا ہے۔یعنی اس عاجز کے والد صاحب۔

انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ کے ہمراہ وہ تصویر اس عاجز کو ربوہ وقف جدید کے دفتر میں بھجوا دی کہ اس کو ری پرنٹ کروا کر تصویر واپس بھیج دیں۔ جو خاتون تصویر لے کر آئی تھیں وہ حافظ مبارک احمد صاحب مرحوم پروفیسر جامعہ احمدیہ کی صاحبزادی تھی اور یہ عاجز اس گھرانے کو بھیرہ میں بچپن سے اچھی طرح جانتا تھا۔

حافظ مبارک احمد صاحب کے والد اور دادا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے 313 صحابہ میں سے تھے جو بھیرہ میں بھی رہتے رہے ہیں عبدالرحمن شاکر صاحب والد صاحب کے قادیان کے کلاس فیلو تھے اور والد صاحب ان کا ذکر اکثر کیا کرتے تھے۔ہمارے والد صاحب نے



قادیان میٹرک کے دوسال حضرت مصلح موعود کی پاک صحبت سے فیض پایا خدا نے اسے والدصاحب کی ساری زندگی پر پھیلا دیا۔والد صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے مولد و مسکن بھیرہ میں پیدا ہوئے تھے اور احمدیت کے ابتدائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ کے والد اور دادا نے 1898ء میں قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دستی بیعت کر آئے تھے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھیروی نے ایک مبشر خواب جس میں حضرت مسیح موعود کو گنج (منڈی) بھیرہ میں دیکھا تھا اس خواب کی تعبیر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔۔۔۔بھیرہ سے ہمیں نصرت پہنچی ہے۔۔۔۔

چوہدری حمید اللہ صاحب مرحوم وکیل اعلیٰ تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان (ربوہ) نے اس عاجز کی کتاب "میرے ماں باپ" کے تعارفی نوٹ میں لکھا ہے" اس حوالہ سے یہ خاندان بھی بھیروی ہونے کے ناطے سے اس بشارت میں شامل ہے۔اس بشارت کے تناظر اور حضرت مصلح موعود کے فیض صحبت سے والد صاحب کو مقدور بھر خدمت دین کی توفیق ملی آپ نے حضرت مصلح موعود کی دعا اور ہماری والدہ کے تعاون اور وفا اور انتھک محنت سے بی اے بی ٹی تک (زیادہ تر) پرائیویٹ تعلیم حاصل کی اور زیادہ عرصہ گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں سینئر انگلش ٹیچر کے طور پر سروس کی اور ساتھ ساتھ مقدور بھر خدمت دین اور خدمت انسانیت کی توفیق پائی۔سروس میں آتے ہی آپ نے وصیت کر لی تھی اور پھر حضرت مصلح موعود کی ہر تحریک میں اپنا حصہ ڈالتے رہے تحریک جدید دفتر اول کے 5000 مجاہدین شامل ہوئے۔ہماری والدہ کی بھی وصیت کروائی۔

اپنی اولاد کی اسی نہج پر تربیت فرمائی جو طریق آپ نے مصلح موعود سے سیکھا تھا اور ان کو خلافت کے دامن سے مضبوطی سے وابستہ کر دیا۔بچپن سے ملاقاتیں کروائیں اور دعا کے لئے خطوط لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا۔آپ کو اپنے بچوں کی جسمانی ذہنی اخلاقی اور روحانی تربیت مطلوب تھی۔

جسمانی نشونما کے لئے آپ ہماری والدہ اور بچوں سمیت صبح کی سیر کے لئے دریا یا سکول کے وسیع باغ میں لے جاتے تھے۔کیکر کے مسواک بنا کر خود بھی مسواک کرتے اور بچوں کو بھی عادت ڈال دی۔نمازوں میں بالخصوص فجر کی نماز اور عشاء کی نماز میں بچوں کو لے کر مسجد جاتے۔

بھیرہ کے ماحول میں معاندین احمدیت سکول آتے جاتے آوازے لگاتے اور دکھ دیتے تھے۔آپ فرماتے اس کا بدلہ سجدے میں دعاؤں کے ذریعے لیا کرو۔اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہونے پر شکر ادا کرتے۔اس عاجز کو یاد ہے جب ہم ہیڈ ماسٹر صاحب کے سرکاری گھر سے میٹرک کا ریزلٹ گزٹ دیکھ کر باہر نکلے تو آپ سکول کے گراؤنڈ پر سجدہ میں گر گئے کیونکہ یہ عاجز اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہوا تھا۔کثرت سے نوافل ادا کرتے تھے۔سفر پر آتے جاتے نفل ادا کرتے۔غرضیکہ آپ نے اپنی اولاد کی تربیت اپنے عملی نمونے سے کی۔

ابھی ہمارے گھر میں بجلی نہیں آئی تھی۔جو مہمان آتا اسے اپنے ہاتھ سے پنکھا کرنا شروع کر دیتے۔ایک بیوہ جو احمدیت کی معاند تھی اسے سلائی مشین لے کر دی۔کئی رشتہ داروں اور غریبوں کے وظیفے لگوائے۔احمدی طلباء کو ریلوے کا کانسیشنل ٹکٹ بنوا کر ٹرین پر ربوہ جلسہ سالانہ پر لے جاتے۔اس عاجز کی سروس کے دوران حیدر آباد میں اس عاجز کو ایک شخص ملا جو بھیرہ کا رہنے والا تھا۔اس نے بتایا کہ میٹرک میں ان کے بہت اچھے نمبر تھے لیکن آگے پڑھنے کی مالی استعداد نہیں تھی۔اس نے بتایا کہ اس عاجز کے والد صاحب نے از خود ایک اور سکول ٹیچر کو ساتھ ملا کر اسے مونگ رسول داخل کروایا جہاں سے انہوں نے سول انجینئرنگ میں ڈپلومہ کیا اور زندگی میں بہت ترقی کی ۔ چنانچہ" مسجد فیصل" اسلام آباد کی تعمیر کے بہت بڑے منصوبہ کے وہی پراجیکٹ منیجر تھے۔جس طرح بچپن میں خلیفہ ثانی کے قدموں میں بیٹھے ہوئے ہیں عملا ساری زندگی حضور کے قدموں میں بیٹھے رہے اور اپنی اولاد کو بھی

خلیفہ وقت کے مبارک قدموں میں بیٹھنا سکھایا۔

ہمارے بچپن میں اپنے تین بڑے بچوں ۔(محمد عبداللطیف شاہد، احمد سعید اختر اور اس عاجز محمود مجیب اصغر) کی جلسہ سالانہ پر حضور سے ملاقات کرواتے تھے۔طارق منصور احمد اور خالد بلال احمد ابھی چھوٹے تھے(ہمارا کنبہ پانچ بھائی اور تین بہنوں پر مشتمل تھا)

والد صاحب اور والدہ صاحبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ہر تحریک میں شامل ہوتے رہے۔حضرت مصلح موعود کی وفات پر والد صاحب نے دو نظمیں لکھی جنہیں حضرت ام مریم مریم صدیقہ حرم حضرت مصلح موعود نے" یاد محمود" میں شامل فرمایا ۔حضرت مصلح موعود کے وصال کے بعد بھی حضور کی یاد سے کبھی الگ نہیں ہوئے۔مکرم نسیم سیفی صاحب ایڈیٹر روز نامہ الفضل ربوہ کہا کرتے تھے کہ مرحومین کے ذکر خیر پر جو مضامین آتے ہیں۔ان میں ہر قسم کی خوبیاں ان کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ یہ ممکن نہیں ہوتا۔یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ یہ عاجز بیان کر رہا ہے اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں۔

امیر جماعت احمدیہ بھیرہ:: بھیرہ ضلع سرگودہا پنجاب پاکستان میں واقع ہے۔والد صاحب کو خدا تعالیٰ نے دو ٹرم بھیرہ کا مقامی امیر رہنے کا موقع دیا ۔اس دوران انہوں نے بھیرہ کی تاریخ احمدیت لکھی جو مرکز کی منظوری سے شائع ہوئی۔

1974 کا ابتلاء:: اس وقت والد صاحب بھیرہ کے امیر جماعت تھے جب 1974ء کا ابتلاء آیا ربوہ اسٹیشن پر جو واقعہ ہوا اس کی آڑ لے کر حکومت کی آڑ میں احمدیوں پر ظلم کروائے۔ان کی جائدادیں لوٹی گئیں اور قتل وغارت کا سلسلہ شروع کیا گیا۔چنانچہ 31 مئی 1974ء کے روز نماز جمعہ کے بعد ایک مشتعل ہجوم نے پہلے احمدی دکانداروں کو لوٹا اور نذر آتش کیا اور پھر والد صاحب (امیر جماعت) کے مکان پر حملہ آور ہوئے۔والد صاحب زخمی ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے جان بچالی۔گھر کا قیمتی سامان لوٹ لیا اور کچھ جلا دیا اور س کی خبر ہفت روزہ عقاب (سرگودہا) میں شائع ہوئی تھی۔

ہفت روزہ عقاب:: بھیرہ میں مشتعل ہجوم نے متعدد دکانوں کو لوٹ کر آگ لگا دی۔نقصان اٹھانے والوں میں امیر جماعت احمدیہ،مبارک سٹیشنرز ،حکیم عباس اور اسحاق سائیکل ورکس شامل ہیں جاوید نگر میں بیت العزیز کو تباہ کر دیا گیا ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے ہوائی فائر کئے

بھیرہ۔31 مئی۔بھیرہ سے بذریعہ فون اطلاع ملی ہے کہ حادثہ ربوہ کے سلسلہ میں آج بعد نماز جمعہ ایک مشتعل ہجوم نے شہر میں گھس کر کئی دکانوں اور مکانوں کو لوٹنے کے بعد انہیں نظر آتش کر دیا۔۔۔۔۔۔۔تھوڑی دور جا کر ان لوگوں نے ماسٹر فضل الرحمان امیر جماعت احمدیہ بھیرہ کے مکان پر ہلہ بول دیا اور اس کے مکان سے متعدد ٹرانسسٹر ,زیورات اور پارچات لوٹ لئے اور باقی سامان و بجلی کے پنکھوں کو آگ لگا دی۔۔" (ضمیمہ ہفت روزہ عقاب سرگودہا یکم جون 1974ء)

تاریخ احمدیت بھیرہ:: اپنی امارت کے دوران والد صاحب نے بھیرہ کی تاریخ احمدیت تصنیف کرنے کا اہم کام کیا اور مرکز کی منظوری سے 1972ء میں شائع کروایا۔اول المبائعین اور خلیفۃ المسیح الاول حضرت مولوی نور الدین صاحب بھی بھیرہ کے رہنے والے تھے اور بھی کئی بڑے بڑے صحابہ کا تعلق بھیرہ سے تھا والد صاحب نے بھیرہ کے صحابہ اور ابتدائی احمدی خاندانوں کا مختصر ذکر اپنی تصنیف میں کیا ہے

جذبات دل:: والد صاحب ایک اعلیٰ پائے کے شاعر تھے آپ کی وفات کے بعد آپ کا جو منظوم کلام محفوظ تھا اس کو" جذبات دل" کے نام سے اس عاجز نے مرکز کی اجازت سے شائع کروا دیا ہے۔

پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ: بھیرہ میں والد صاحب گورنمنٹ سکول کی سروس سے ریٹائر ہو چکے تھے۔1974ء میں آپ سے معاندین سے مکان بھی چھین لیا تھا چنانچہ 1974ء کی آخری سہ ماہی میں والد صاحب نے پوری فیملی سمیت ربوہ ہجرت کر لی اور وقف بعد از ریٹائرمنٹ سکیم کے تحت حضرت

خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے آپ کو جامعہ میں پروفیسر لگا دیا جہاں کئی سال آپ فارسی، اردو اور انگریزی کے مضامین پڑھاتے رہے۔

محلہ دارالصدر شمالی ربوہ: ربوہ ہجرت کے بعد کچھ عرصہ والد صاحب کروائے کے مکان میں رہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے محلہ دارالصدر شمالی میں پلاٹ کے کر اپنا مکان بنانے کی توفیق دی اور باقی عمر ربوہ میں گزاری۔

جامعہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آپ قلمی خدمات کے علاوہ محلہ کی جماعت کی عاملہ میں شامل رہے اور آخر دم تک خدا کے کاموں میں لگے رہے جیسا کہ فرمایا۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (الحجر:100) اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہا یہاں تک کہ تجھ پر موت کی گھڑی آ جائے۔

وفات اور تدفین: والد میاں فضل الرحمن بسمل صاحب وصیت نمبر 5620 کی 10 جنوری 1993ء میں (اور والدہ عزیزہ بیگم صاحبہ وصیت نمبر 17502 کی 15 جنوری 1989ء) کو ربوہ میں وفات ہوئی اور تدفین بہشتی مقبرہ دارالفضل ربوہ میں ہوئی۔

بہشتی مقبرہ کے بارے میں حضرت مسیح موعود کا الہام انزل فیھا کل رحمۃ یعنی ہر قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں (رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد 20 ص 318)

"اس سے کوئی نعمت اور رحمت باہر نہیں رہتی" (ملفوظات جلد ہشتم اکتوبر 1905ء تا اکتوبر 1906ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کا جنازہ غائب بیت الفضل پلندن میں 27 مارچ 1993ء کو پڑھایا۔ اس سے قبل حضور نے والدہ صاحبہ کا جنازہ غائب مسجد طہ سنگاپور میں سفر کے دوران 2 جولائی 1989ء کو پڑھایا تھا۔ والدہ صاحبہ اور والد صاحب کی یکے بعد دیگرے وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے تعزیتی خطوط ملے اور جماعت کے کئی اور بزرگوں نے۔ بھی لکھے۔ چند ایک ذکر کرنا مناسب ہوگا

حضرت مرزا عبدالحق امیر ضلع سرگوہا: مرزا عبدالحق صاحب امیر ضلع سرگودہا ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے والد صاحب کی وفات پر اس عاجز کو لکھا "مرحوم کو میں شروع سے جانتا تھا ماشاء اللہ بہت مخلص اور بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ بحیثیت امیر بہت اچھا کام کرتے رہے اور پھر یہ بھی ماشاء اللہ بہت بڑی بات ہے کہ آپ جیسا بیٹا چھوڑا

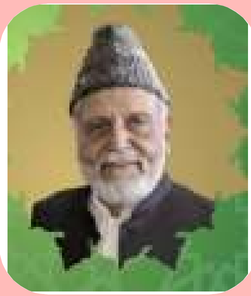
حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (صدر تحریک جدید):: آپ نے تعزیت نامہ میں اس عاجز کو تحریر فرمایا ''میں آپ کے والد محترم کو جانتا تھا کیونکہ جامعہ احمدیہ بھی تحریک جدید کے ماتحت تھا اور میں صدر تحریک جدید اس کا نگران تھا۔ بڑے بزرگ اور نرم دل انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔''

محترم حافظ مظفر احمد صاحب (ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد) آپ کے والد بزرگوار کے استاد الجامعہ کے لحاظ سے بھی ایک تعلق تھا۔ طبیعت اور مزاج کی سادگی دل کو موہ لینے والی تھی جو اپنے اندر عجز وانکسار سمیٹے نظر آتی تھی۔ مدیر خالد ہونے کے زمانے سے مجھے نظمیں بھجواتے تھے اور اس لحاظ سے تو بھیرہ کے زمانے سے تعارف تھا۔ پھر آپ سے خدام الاحمدیہ کے حوالہ سے، ایک مصنف، مخلص خادم اور دعوت الی اللہ میں خصوصی کا کردی کے نتیجہ میں جو للہی تعلق قائم ہوا ہے اس کے نتیجہ میں حقیقتاً نہ کہ رسماً ہمارے غم مشترک ہیں

قرارداد تعزیت

والد صاحب کی وفات پر جماعت احمدیہ بھیرہ نے ایک قرارداد تعزیت منظور کر کے روزنامہ الفضل ربوہ کو بھجوائی جو روزنامہ الفضل ربوہ میں 9 مارچ 1993ء کو شائع ہوئی۔





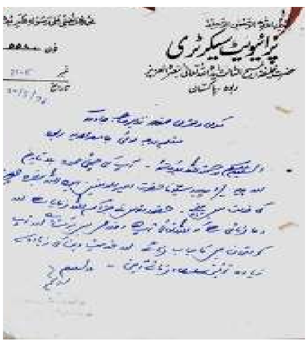
(نصرت بالرعب)

18 سال بعد خلیفۃ المسیح کے چرنوں میں ملاقات

(صفدر نذیر جاوید گولیکی واقف زندگی کینیڈا)

اللہ تعالیٰ میرے پیارے آقا کو صحت وسلامتی والی فعال زندگی عطا فرمائے آمین

خاکسار زندگی کی 69 بہاریں دیکھ چکا ہے ان گزرے ہوئے سالوں میں خلفاء احمدیت کی شفقتوں محبتوں کی لازوال اور ان مٹ نقوش موجود ہیں ان میں سے کچھ کا تذکرہ تحدیث نعمت کے طور پر کرنا ضروری سمجھتا ہوں ملاقات کے حوالے سے جب میں 6 سال کا تھا تو میرے والدمحترم مجھے اپنے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالی عنہ سے ملانے کے لئے لے گئے اور میں نے حضور کو ایک چار پائی پر بیٹھے دیکھا اور ہم آپ کے سامنے سے السلام علیکم کہتے ہوئے گزرے یہ نظارہ آج تک یاد ہے۔



حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ قریبا 20 ملاقاتیں ہوئیں جن میں اجتماعی بھی تھیں انفرادی بھی تھیں جامعہ میں داخل ہونے کے بعد درجہ ثانیہ میں جو سب سے پہلا دعائیہ خط کسی خلیفۃ المسیح کو لکھا وہ آپ کو لکھا اس کا نقش ملاحظہ فرمائیں۔

پاس ہونے پر حضور کے ساتھ ملاقات بھی تھی اور فوٹو بھی۔ اجتماعات اطفال الاحمدیہ کے موقعہ پر، جلسہ سالانہ کے موقعہ پر۔ طاہر کبڈی ٹورنامنٹ کے موقعہ پر اور ناصر باسکٹ بال کے موقعہ پر۔ سب ایک ایک ملاقات یاد ہے



خوبصورت ایک یادگار تصویر

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی رحلت اور جسد خاکی کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے برف کے بلاکس لگانے اور کمرہ سے پانی نکالنے پر ڈیوٹی تھی



سب تصاویر لگانی اور پھر ہر ایک ملاقات کا احوال لکھنا طوالت مضمون چاہتا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ تو خلافت سے قبل ہی واقفیت تھی حضور انور مختلف مواقعہ پر ڈیوٹیاں لیا کرتے تھے اور اللہ کے فضل سے کام سے خوش تھے

1984ء میں جب حضور انور لندن تشریف لے گئے تو لندن میں ہونے والے حضور انور کی موجودگی میں پہلے جلسہ سالانہ 1985ء میں میری شمولیت محض اللہ کے فضل اور اس خادم پر حضور انور کی نہایت شفقت کا نتیجہ تھی 3 ماہ لندن میں رکھا اور فرمایا خوب سیر کرو جب تھک جاؤ تو پھر واپس جانا، مکرم مولانا طاہر مہدی امتیاز احمد (حال مینیجر الفضل انٹرنیشنل لندن) بھی ساتھ تھے پھر 1989ء 1991ء 2000ء میں بھی حضور انور سے ملنے کا موقعہ ملا۔



1985ء



1989ء



1991ء



1989ء



1995



1995

2005ء میں قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے جلسہ سالانہ پر خلافت کے مسند پر بیٹھنے کے بعد پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالی سے ایک ملاقات جو خلافت کے منصب پر فائض ہونے سے پہلے کی ہے انمنٹ نقوش لئے دل کے تہہ خانوں میں خدا تعالی کی حمد کے گیت بن کر یاد دلاتی رہتی ہے یہ میری تاریخ میں میرے لئے معجزے سے کم نہیں ہوا یوں کہ 2003ء کا واقعہ ہے میں وقف جدید میں سندھ کے بعض علاقوں میں تبلیغ اور تربیت نومبائیعین مقرر تھا روٹین کے دورہ پر ناصر آباد اسٹیٹ ضلع عمر کوٹ میں میں نے رات قیام کیا اور فجر کے بعد نسیم آباد جانا تھا نماز فجر پر میری دائیں طرف حضرت صاحبزادہ مسرور احمد صاحب بھی تھے (جو کہ ناظر اعلی صدر انجمن احمدیہ کے ساتھ ساتھ جماعتی زمینوں کے نگران اعلی بھی تھے) نماز آدا کرنے کے بعد صاحبزادہ صاحب نے مجھے فرمایا۔''گولیکی صاحب سیر نہیں کرتے''میں نے عرض کی میاں صاحب سیر کر لیتا ہوں مگر ناشتہ رہ جاتا ہے آپ نے فرمایا''اگر میں ناشتہ کروادوں تو''میں نے کہا پھر ٹھیک ہے،فرمایا چلو آؤ پھر۔میرا زندگی میں میاں صاحب سے پہلا اس طرح کا واسطہ پڑ رہا تھا میں تو ان کی مسحور کن شخصیت سے خوف زدہ ہی رہتا تھا کیوں کہ ان کے والد محترم کی شخصیت اور ان کی وجاہت اور کا رعب مجھ پر ہمشہ طاری رہا وہ نہایت پیار کرنے والے اور ہمدرد فرشتہ صفت انسان تھے اس کا پرتو صاحبزادہ صاحب پر خوب تھا ابھی سوچوں میں گم تھا کہ میاں صاحب محترم جوگر پہنے ہاتھ میں سیاہ رنگ کی خوبصورت سٹک لئے آئے میں آپ کے ساتھ ہو لیا صبح کے قریبا 6 بجے تھے ۔زمین کی پکڈنڈیوں پر چلتے رہے۔مکرم میاں صاحب بتاتے رہے کہ اس اس راستے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جایا کرتے تھے ایک جگہ بتایا یہاں پانی کا تلاب بھی تھا۔یہ سیر 3 گھنٹے کی تھی 9 بجے واپسی ہوئی،فرمایا ۔آو اب ناشتہ کرتے ہیں۔ناشتہ کیا تھا۔میز پر اللہ تعالی کی ہر نعمت تھی خود ڈال ڈال کر دے رہے تھے ۔یہ لو یہ کھاؤ۔مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ سب کر مفر مائیاں اس عاجز پر۔۔۔زہے نصیب۔۔۔اللہ تعالی مجھ جیسے حقیر پر تقصیر کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہ شخص کل کو ایک نہایت عظیم الشان منصب پر بیٹھنے والا ہے۔یعنی خلیفۃ المسیح کی مسند پر براجمان ہونے والا ہے۔جس کے فیض کی ایک جھلک ہے۔۔ایں سعادت بزور بازو نیست۔۔ناشتہ ختم ہوا اور میں خوابوں کی دنیا سے نکل کر نسیم آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔اوران حسین گزرے ہوئے لمحات کو میں نے دل ودماغ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔23 سال گزر گئے مگر اس واقعہ کے لمحہ لمحہ کی لذت وسرور میں کمی نہیں آئی۔2005ء کا حسین و جمیل سال بھی آیا جب میں حضور انور سے ملنے کے لئے بیتاب ہوا اور مجھے قادیان میں حضور انور سے ملنے کا موقعہ ملا۔



2003ء کی ناصر آباد کی ملاقات اور اب 2005ء کی ملاقات میں زمین و آسمان کا فرق تھا جو عظمت اور وجاہت اور اعلی اخلاق کی وجہ سے ایک رعب مجھ پہ طاری تھا وہ کئی چند بڑھ گیا تھا۔

قادیان میں ملاقات کے انتظار میں میں گیلری میں کھڑا نیچے احباب کو جو ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے اور کرسیوں پر بیٹھے تھے دیکھ رہا تھا نیچے سے کسی نے اشارہ کیا اپنے پیچھے دیکھو! میں نے مڑ کر دیکھا تو حضور انور تھے جو زائرین کو دیکھ رہے تھے میں نے السلام علیکم کہا آپ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ۔''بہت اچھی کتاب لکھتے ہو۔''(میں نے حضور انور کی خدمت میں ''پتیاں گلاب کی'' کتاب بھیجی تھی ۔الحمدللہ وہ حضور انور کی دعا سے مقبول عام ہوئی)

پھر باقاعدہ ملاقات ہوئی جتنی باتیں یاد کی تھیں کہ حضور انور کی خدمت میں پیش کروں گا وہ سب بھول گئیں۔یہاں تک کہ میں نے پکا ارادہ کیا تھا کہ حضور انور کی خدمت میں یہ بات پیش کروں گا کہ میری بڑی بیٹی گوہر تسنیم اُمید سے ہیں دعا کریں بیٹا ہو(کیوں کہ میری 3 بیٹیاں ہی ہیں)لیکن جب

بات کی تو منہ سے یہ نکل گیا حضور دعا کریں کہ بیٹی کے بیٹی ہو۔فرمایا ٹھیک ہے اللہ فضل فرمائے ، چنانچہ بیٹی ہوئی۔اس کا نام کاشفہ حضور نے رکھا اب وہ میڈیکل کی طالبہ ہے اس کے بعد بیٹا بھی ہوا ہے الحمد للہ میں اپنے ساتھ شہد لیکر گیا کہ حضور اسے بابرکت کردیں تا کہ گھٹی کے طور پر استعمال کرسکوں۔ چنانچہ یہ شہد کئی بچوں کو بطور گھٹی کے دیا گیا۔الحمدللہ

2008ء میں بھی جلسہ سالانہ صد سالہ خلافت جوبلی میں بطور نمائندہ انصاراللہ پاکستان شامل ہونے اور حضور انور کی شفقتوں اور محبتوں کا وارث بننے کی توفیق ملی۔الحمدللہ علی ذالک یہ ملاقات بھی ایک معجزہ سے کم نہیں، 2007ء کا جلسہ سالانہ قادیان پر دلی کیفیت اسطرف مائل رہی کہ لندن جا کر حضور سے ملا جائے اور اس جلسہ میں شامل ہوا جائے خوب دعائیں کیں ربوہ واپس آکر میں نے دلی کیفیت اور ملکی حالات کو پیش نظر رکھ کر ایک تفصیلی خط پیارے حضور کی خدمت میں لکھا۔پھر میں نے مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو پوچھا میرے خط کا کیا بنا انہوں نے بتایا تیاری کریں۔میں ہکا بکا رہ گیا ،کیا مطلب جو خط آیا وہ یہ تھا



میں نے اس خط کو کئی بار پڑھا سب سے پہلے مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کا خلیفہ وقت کی دعاؤں پر اس قدر پختہ یقین کو دیکھا کہ انہوں نے کہا جب حضور نے فرمادیا ''اللہ فضل فرمائے اور آپ کو ویزہ کے حصول میں کامیابی عطا فرمائے'' تو دعا عرش معلیٰ پر قبول ہوئی۔میں نے 20000ہزار بنک میں جمع کروائے تا کہ میری اسٹیٹ منٹ بن جائے فروری میں 20000 ہزار جمع کروائے اس سال انصاراللہ پاکستان کی مجلس عاملہ کی منظوری مارچ میں آئی اس بار اللہ کا کرنا ایسے ہوا کہ مرکزی مجلس عاملہ میں مجھے بطور قائد تربیت نومبائیعین مقرر کیا گیا صدر مجلس مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد مقرر ہوئے۔اب معجزہ یہ ہوا کہ اپریل میں ہر سال لندن جلسہ پر جانے والے نمائندگان کی منظوری حضور انور عطا فرماتے ہیں،امسال جو منظوری آئی تو اللہ تعالی کے فضل سے حضور انور نے مجھے بطور نمائندہ انصاراللہ پاکستان مقرر فرمایا۔الحمد للہ علی ذالک۔یہ سال بھی صد سالہ خلافت جوبلی کا تھا 45افراد کا وفد تیار ہوا سب کو خصوصی طور پر جرمنی جلسہ میں بھی شامل ہونے کے لئے بھی ویزے اپلائی کئے گئے 44 کو جرمنی کے ویزے ملے۔یہ جلسہ بھی اپنی شان آن میں بازی لے گیا میں نے واپس ربوہ آکر ایک مضمون لکھا ''ہم جو ٹھہرے مہمان پیارے آقا کے'' جو میری کتاب پتیاں گلاب کی جلد2 ص615 پر درج ہے(روزنامہ الفضل 10 نومبر 2008ء ص3)

اس طرح کا جلسہ میری زندگی میں نہیں آئے گا لیکن وہ جلسہ 2108ء کا جلسہ یقیناً اپنی شان میں بہت بلند ہوگا احمدیت کی ترقیات انتہائی اعلی مدارج پر ہونگی۔ان شاءاللہ



2008 کی تصویر

18 سال بعد 23 نومبر 2023ء کو دو سال 4 ماہ پہلے پاکستان سے کینیڈا آ گیا اور نیاگرا فالز میں مسکن ٹھہرا۔دل میں حضور کو ملنے کی کسک 2008 کے بعد سے چل رہی تھی لیکن ملکی ،معاشی حالات

کہیں ٹھہر نہیں رہے تھے یہاں آ کر نئے حالات سے واسطہ پڑا اگر خدا خدا کر کے کیس پاس ہوا تو پاسپورٹ بنایا اور پھر حضور سے ملنے کی تمنا بر آئی اور ویزے کے لئے آپلائی کیا اس سے پہلے ملاقات کا وقت لیا جو 28 فروری ملا یکم فروری کو آپلائی کیا اور 6 فروری کو بیسی ساگا بائیومیٹرک کے لئے گیا آج 18 فروری ہوگئی ابھی ویزہ لگ کر نہیں آیا تھا۔ جو اس وقت دلی کیفیت ہے وہ تحریر نہیں کی جاسکتی صرف دعا ہی ہے جو آسمان رحمت پرسنی جائے اور بروقت روانگی ہو سکے اللہ نے مضطرب کی دعا سنی اور 19 فروری کو ویزہ مل گیا پورے 6 ماہ کا ملٹی پل۔ 24 فروری کو ایئر کینیڈا سے سوار ہو کر 24 کو ہیتھرو ائیر پورٹ پر پہنچا،

مکرم امیر صاحب کینیڈا خاص طور پر اپنی محبت اور شفقت اور ہمدردی کے طفیل دعاوں کے مستحق ٹھرے پھر مکرم رانا عبدالرزاق صاحب عاصی صحرائی نے میری خوب ہمت بڑھائی اور مہمانوازی کا حق ادا کیا اللہ تعالی جزائے خیر دے۔ آمین

عزیزم حمزہ مجھے اپنے دوست دانیال کے ساتھ لینے آیا تھا حمزہ جب آٹھ نو سال کا تھا اس وقت سے اسے لے پالک بیٹا بنایا ہوا ہے۔ خدا کو علم تھا کہ ایک دن یہی بچہ تمہارے کام آئے گا اور لندن میں آئے گا حمزہ 6 ماہ پہلے لندن آیا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم



نماز جمعہ میں شمولیت

رہائش، انصاراللہ کے گیسٹ ہاؤس میں 28 فروری تک ملی الحمدللہ نماز ظہر حضور انور کی اقتدا میں ادا کی 18 سال پہلے عصر کی ادا کی تھی۔ 18 سال بعد حضور انور کو بنفس نفیس دیکھ کر

لگتا ہے پہلی نظر میں جان لیا	پہنا تھا ماسک پھر بھی پہچان لیا
مسکراتی نیم وا آنکھوں نے استقبال کیا	دل کے درماں نکلے مجھ پے احسان کیا
میں نے تلووں سے باندھی تھی چھاؤں مگر	شائد سورج نے مجھ کو پہچان لیا
چلے آئے تھے دور دیس سے ملنے انہیں	مومن تھا پہلے پھر اک بار صاحب ایمان کیا

جب 1985 میں پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا تو 3 مہینے رہا روزے بھی تھے اب بھی رمضان المبارک کا مہینہ ہے فرق یہ تھا کہ اس وقت روزے رکھے اب بیماری نے پابند کیا۔

ملاقات سے قبل۔ معروضات

مکرم ماسٹر محمد شفیع لدھیانوی اسلم سے معذرت کے ساتھ

مجھ سے محبوب خدا پوچھیں گے بتا تو کون ہے	میں ادب سے یہ کہوں ہوں نام لیوا آپ کا
وہ یہ فرمائیں یہاں پر کس طرح آنا ہوا	میں کہوں کہ عشق مجھ کو کھینچ لایا آپ کا
وہ کہیں سچ سچ بتا یہ عشق کب سے ہو گیا	میں کہوں دیکھا ہے میں نے جب سے جلوا آپ کا
وہ کہیں کیوں ہر گھڑی تو عشق میں بے چین ہے	میں کہوں ایک میں تو کیا عالم ہے شیدا آپ کا
وہ یہ فرمائیں کہ تیرے عشق کا مقصد ہے کیا	میں کہوں مر جاؤں دیکھتے دیکھتے جلوہ آپ کا
وہ یہ فرمائیں بتا کچھ اور کہنا ہے تجھے	میں کہوں مل جائے محشر میں سہارا آپ کا

پھر وہ شفقت سے یہ فرمائیں بتا کچھ اور بھی	میں کہوں ہر دم رہے امت پہ سایا آپ کا
پھر یہ پوچھیں سیدنا بتا کیا نام ہے	میں کہوں تسنیم ہوں میں سر میں سودا آپ کا
پھر محبت سے یہ فرمائیں کہ تسنیم کون سا	میں کہوں تسنیم وہی خادم در پُرانا آپ کا

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی قبر مبارک پر روزانہ بعد نماز فجر حاضری اور دعا کی اور 6 مارچ 2026 کو جمعہ کی نماز کے لئے پھر اسلام آباد گیا اور الوداعی دعا کی

جامعہ احمدیہ لندن کا وزٹ

مکرم ومحترم مرزا نصیر احمد صاحب جو کہ آجکل جامعہ احمدیہ لندن کے ہاسٹل کے سپریٹنڈنٹ ہیں کی دعوت پر وہ مجھے اپنی گاڑی میں جامعہ لے گئے مکرم مرزا صاحب میرے جامعہ احمدیہ ربوہ میں محترم استاد تھے آج سے 41 سال پہلے کی بات ہے۔ 1985 میں ہم اکٹھے اسلام آباد ٹلفورڈ میں رہتے تھے میں پہلے جلسہ سالانہ لندن میں شمولیت کے لئے آیا تھا تو مکرم ہمیں روزانہ ایک وین پر جس کو خود ڈرائیو کرتے تھے روزانہ اسلام آباد سے بیت الفضل لے کر جایا کرتے تھے آج بھی مکرم مرزا صاحب ہی ڈرائیو کر کے اپنی گاڑی پر جامعہ لے گئے جو مسجد مبارک اسلام آباد سے 9 میل کے فاصلے پر ہے بہت بڑا ہوٹل خریدا گیا ہے بہت ہی خوبصورت پر فضا مقام پر ہے



81 بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں 20 اساتذہ کرام ہیں روزہ وہیں افطار کیا نماز مغرب پڑھی اور پر تکلف کھانا کھایا اور اپنے وقت کے جامعہ احمدیہ ربوہ کو یاد کیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا جس نے نعماء عطا فرمائیں

مکرم محمود طلحہ صاحب۔ خاکسار۔ مکرم مرزا نصیر احمد صاحب (چھٹی مسیح مرزا) مکرم حافظ طیب احمد صاحب

ملاقات

کروڑوں دلوں کی دھڑکن کا واحد مرکز 216 ممالک میں بسنے والوں کی آنکھ کا تارہ خلیفۃ المسیح جس کو ہر کوئی اپنا ہی سمجھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ حضور جس قدر مجھے جانتے ہیں اور کسی کو نہیں جانتے یہی حبل اللہ کی خوبصورتی ہے جس نے بھی اس کے ساتھ اپنے آپ کو باندھا اس نے دنیا و مافیہا کے خزانے پا لئے میں بھی ایک ناچیز حقیر پر تقصیر کروڑوں میں سے ایک یہ خیال دل میں سمائے کہ حضور مجھے بھی جانتے ہیں 28 فروری 2026ء کو دوپہر 12 بجے تیار ہو کر انصار اللہ گیسٹ ہاؤس سے نماز کے لئے مسجد مبارک گیا آج دن بھر درود شریف کا ورد خاص طور پر جاری تھا اور جو باتیں حضور سے مل کر کرنی تھیں بار بار دھرایا خیر ظہر کی نماز کے بعد کوورڈ ٹیسٹ کا مرحلہ تھا 3 بجے سے پہلے وہاں پہنچا سب سے پہلا ٹیسٹ میرا ہوا اور 12 منٹ بعد بتایا گیا کہ او کے ہے الحمد للہ معلوم ہوا 20 فیملیز اور 6 انفرادی ملاقاتیں ہیں اور میرا نمبر 21 واں ہے اور تمام خوش نصیبوں کے نام جنہوں نے 28 فروری 2026ء کو رمضان المبارک میں حضور انور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا

نماز عصر ادا کی اور مقام ملاقات میں پہنچا اور اپنا نام اور ای میل دیا اور اب انتظار کی گھڑیاں تیز ہوئیں لیکن وقت کی گھڑی جیسے تھم گئی۔ پھر اعلان ہوا نماز مغرب کے بعد بقیہ ملاقاتیں ہونگی 16 فیملیز کی مکمل ہوگئیں نماز مغرب ادا کی اور جلدی سے واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔ اللہ اللہ کر کے سات بج کر 10

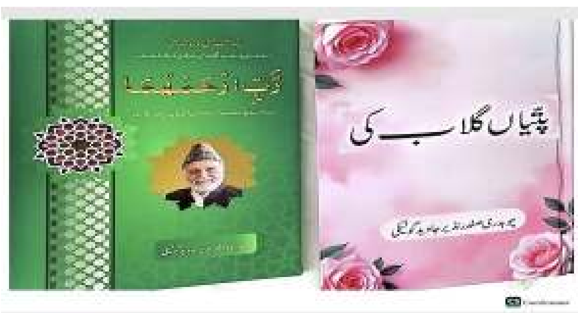
منٹ پر آواز آئی صفدر نذیر صاحب بھی آجائیں ایک جگہ موبائیل وغیرہ جمع کروائے اور پھر 6 افراد کو مکرم میجر محمود صاحب نے لائن میں بٹھایا 2 منٹ بعد ہم سب ترتیب سے مکرم منیر احمد جاوید صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کے سامنے لائن میں بیٹھے تھے۔ مکرم میجر محمود احمد صاحب سب سے پرانے حضور انور کے سیکورٹی کے افیسر ہیں 1985 میں لندن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے سیکورٹی گارڈ بنے تھے پشاور میں یہ میجر کے عہدہ پر تھے میری ملاقات 1982 میں ان سے اس وقت ہوئی جب یہ اپنے پہلے چھوٹے بیٹے کو لے کر مسجد سول کوارٹر آئے کہ بیٹے کی بسم اللہ کروادیں اس وقت خاکسار مربی سلسلہ سول کوارٹرز پشاور تھا۔

مکرم منیر احمد جاوید صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کے ساتھ 1974ء سے 1981ء تک جامعہ احمدیہ ربوہ میں اکٹھے تعلیم حاصل کی۔ الحمدللہ

3 منٹ بعد لائیٹ جلی اور ہم سب باری باری نہایت پرنور خوبصورت ترین شخص امیر المومنین کے سامنے براجمان تھے اور عبید اللہ علیم صاحب کے یہ شعر

نوروں نہلائے ہوئے قامت گلزار کے پاس	اک عجب چھاؤں میں ہم بیٹھے رہے یار کے پاس

فرمایا ماسک اتاریں مولوی صاحب۔ جب ماسک اتارا تو فرمایا اچھا بوڑھے ہو گئے کتنی عمر ہوگئی بتایا 69 سال اور دل میں کہا ”حضور سے 7 سال چھوٹا ہوں“ فرمایا مولوی صاحب کتنی بیٹیاں ہیں عرض کیا 3 فرمایا کس کے پاس رہتے ہیں بتایا چھوٹی بیٹی اریبہ صفدر کے پاس اور بڑی بیٹی گو ہر بھی بچوں سمیت میرے پاس ہوتی ہے میں نے یہ بھی کہا حضور تمام گھر والوں کی طرف سے السلام علیکم۔ میری والدہ بھی بیمار ہیں ان کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے میں نے دو انگوٹھیاں دیں جو حضور نے کافی دیر اپنے ہاتھ میں رکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کی انگوٹھیوں کے ساتھ مس کر کے واپس دیں، یہ دونوں انگوٹھیاں عزیزم حمزہ نے دی تھیں ایک 5 سال پہلے اور ایک آج دی تھی ایک پر مولی بس لکھا تھا اور ایک الیس اللہ والی تھی۔ پھر میں نے دو کتب ”



پتیاں گلاب کی جلد 2 اور والد محترم کی ڈائیری ”رب الرحمھم“ پیش کیں فرمایا اب تو ان پر کوئی کسی کو اعتراض نہیں (میں قربان جاؤں پیارے آقا پر۔ دس گیارہ سال پہلے میری کتاب ”انداز بیان“ پر ایک من چلے نے حضور انور کو شکایت کی کہ اس کے مضامین بغیر حوالوں کے نقل کئے ہیں اور اپنی طرف منسوب کئے ہیں تحقیق پر بات درست ثابت نہ ہوئی یہ بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی تقاریر پر مبنی کتاب ہے جو بڑی مقبول ہے الحمدللہ نظارت اشاعت انجمن احمدیہ ربوہ سے باقاعدہ اجازت لے کر شائع کی تھی) فرمایا یہ کتب واپس لینی ہیں یعنی دستخط کروانے ہیں یا مجھے دینی ہیں میں نے کہا یہ حضور آپ کی ہیں، تصویر میں میز پر کتب پڑی نظر آرہی ہیں جو ہمیشہ کے لئے امر ہوگئیں الحمدللہ (25 کتب لکھی ہیں 15 شائع ہوچکی ہیں) میں شہد کی شیشی بھی لے گیا تھا میں نے عرض کیا حضور میری دو بیٹیاں امید سے ہیں اریبہ کے لئے دعا کی خاص ضرورت ہے اس کا ایک بیٹا ابراہیم بھی ہے جو اڑھائی سال کا ہے فرمایا تیسری کہاں ہوتی ہے عرض کیا فن لینڈ شادی کے 9 سال بعد اُمید بندھی ہے فرمایا مولوی صاحب کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں نے عرض کیا انصار اللہ کے گیسٹ ہاؤس میں فرمایا اور کتنے مہمان ہیں میں نے عرض کیا میں اکیلا ہی ہوں آٹھ بیڈز ہیں فرمایا تو پھر کہاں جارہے ہو میں نے عرض کیا 4 دن ہوئے ہیں آئے ہوئے بیت الفتوح بھیج رہے ہیں فرمایا مبارک (مبارک ظفر صاحب ایڈیشنل وکیل المال) کو کہیں کہ ادھر ہی آپ کو رہنے دے، پھر فرمایا چلو کوئی بات نہیں کچھ دن میل ملاقات کرلو پھر آجانا۔ میں قربان قربان

جاؤں پیارے آقا پر اس قدر مجھ پر شفقت اور پیار۔ پھر تصاویر کا مرحلہ آیا میں نے عرض کیا حضور میرا کندھا 4 ماہ سے ”جام“ ہے بہت درد ہے فرمایا ادھر کرو حضور انور نے کافی دیر اپنا مبارک ہاتھ میرے کندھے پر پھیرا اور دعا دی باقی 5 کو کہا جائیں۔ پھر شہد کی شیشی پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے کھول کر پیش کی حضور انور نے اس میں دعائیں پڑھتے ہوئے اپنی انگلی کچھ دیر رکھی۔ یہ شہد اب پھر 21 سال بعد بچوں کو گھٹی دینے کے لیئے برکت کے طور تبرک کروایا۔ فرمایا بیت الفتوح کس طرح جاوگے عرض کیا میرا عزیز لینے آیا ہوا ہے (میرے چچا ماسٹر فضل احمد مرحوم کا نواسہ بازل احمد آیا تھا) فرمایا لے جائے گا، نا، میں نے کہا جی۔

یوں یہ نہایت خوبصورت لمحات پلک چھپکتے گزر گئے عبیداللہ علیم کے شعر جو ترجمانی کر رہے تھے

یہ محبت تو نصیبوں سے ملا کرتی ہے	چل کر خود آئے مسیحا کسی بیمار کے پاس

(میں تو بیمار خود دور دیس سے مسیحا کے پاس آیا تھا)

یونہی دیدار سے بھرتا رہے یہ کاسئہ دل	یونہی لاتا رہے مولا ہمیں سرکار کے پاس
تیرا سایہ رہے سر پر تو کسی حشر کی دھوپ	سرد پڑ جائے جو آئے بھی گنہگار کے پاس
تو اگر خوش ہے یہاں مجھ سے تو پھر حشر کے دن	ایک تیری ہی شفاعت ہو گنہگار کے پاس

(1992 عبیداللہ علیم)

یہ چند منٹ جو میری زندگی کے نہایت قیمتی ہیں اور یہ بول جو امرت ہیں اور یہ لمس جن کے ادا کرنے کے لیئے الفاظ نہیں اور یہ نظارہ جو بادشاہوں کے درباروں میں نہیں اور یہ قربت جو نصیبوں سے ملا کرتی ہے اپنے دامن میں سمیٹے بوجھل قدموں کے ساتھ سامان اٹھایا اور بیت الفتوح کی طرف روانہ ہوا قریبا ایک گھنٹے کا سفر تھا۔ ابھی 10 منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک ای میل آئی اور میری حضور انور کے ساتھ تصور سامنے تھی۔ الحمدللہ

”فاصلے بڑھ گئے پر قرب تو سارے ہیں وہی“

مکرم منیر جاوید صاحب پرائیویٹ سیکرٹری حضور انور تصویر کشی میں ماہر ہیں ہزاروں تصاویر بنا چکے ہیں۔ اللہ تعالی ان کی صحت اور عمر میں برکت ڈالے فعال زندگی عطا ہو۔ تصویر بنانا کمال اور پھر تصویر کو صاحب تصویر تک پہچانا اس سے بڑا کمال الحمدللہ



تبرکات میں اضافہ

میرے پاس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی پگڑی کا کپڑا (2) حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ لی چائے دانی (3) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے 200 روپے 100۔ 100 کے دو نوٹ۔ (4) حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز کی طرف سے رومال۔ انگوٹھی (میری انگوٹھی ”مولی بس“ والی کو اپنی انگوٹھی سے مس کر کے دی جو کہ حضرت مسیح موعودؑ کی انگوٹھی آپ نے پہنی ہوئی ہوتی ہے اور میرے پاس خلفاء عظام کے 475 دعاؤں بھرے خطوط ہیں جن کی بدولت چلتا پھرتا ہوں

بیت الفتوح میں آمد

اس مسجد کی بنیادوں کو قائم کرنے میں ہمارا بھی اللہ تعالی کے فضل سے تھوڑا سا حصہ ہے جب اس کی تعمیر کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اعلان فرمایا تو اس وقت خاکسار مغربی افریقہ کے ملک ریپبلک آف بینن میں 4 ممالک کا امیر و مشنری انچارج تھا خطبہ مسجد میں سنا اور عہد کیا کہ 75000 ہزار فرانک سیفہ چندہ دونگا جب گھر آیا اور اپنی اہلیہ محترمہ ثمینہ الماس صاحبہ کو بتایا کہ میں نے مسجد فنڈ میں وعدہ کر دیا ہے کہنے لگیں میں نے بھی اپنی سونے کی 6 چوڑیاں حضور انور کے ہاتھ میں دینے کی توفیق کی دعا کی ہے میں نے کہا چوڑیاں دینا تو ٹھیک ہے مگر ہاتھ میں یہ معاملہ کچھ مشکل نہیں ۔بہر حال 1995 میں ہم افریقہ سے جرمنی جلسہ پر گئے تو حضور انورؒ کے ہاتھ میں بیگم صاحبہ نے 6 سونے کی چوڑیاں دیں الحمدللہ آج اسی مسجد کے نہایت خوبصورت آرام دہ وی آئی پی گیسٹ ہاؤس میں جماعت نے ٹھرنے کے لئے جگہ دی **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**۔یہ مسجد کی بنیاد 1999 میں رکھی گئی 2003 میں افتتاح ہوا اور 4 مارچ 2023 کو دوسرے بڑے حصے کو نئے سرے مکمل کیا گیا



مکرم ومحترم رانا عبدالرزاق صاحب عاصی وصحرائی (ہوسٹ) اور مکرم مولانا محمود وردی انڈونیشین صاحب کے ساتھ

مسجد بیت الفضل پٹنی لندن

میں نماز ظہر ادا کی اور مکرم مولانا عطاء المجیب راشد امام مسجد فضل لنڈن سے ملاقات کی آپ 1975 میں صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان ہوتے تھے میں آپ کی عاملہ کا ممبر تھا مکرم مولانا طاہر مہدی امتیاز احمد صاحب (مینیجر اخبار انٹرنیشنل لندن) سے 41 سال پہلے بھی لندن میں 3 ماہ تک اکٹھے رہنے کا موقعہ ملا جامعہ فیلو ہیں مرنجان مرنج طبیعت کے مالک نہایت مخلص جماعت کے فدائی اور شیدائی نہایت تکالیف برداشت کرنے والے اور عرصہ تک پابند سلاسل پاکستان میں رہ کر قربانی کرنے والے دوست ہیں مکرم مبشر احمد گوندل صاحب حیدرآباد گوندل فارم سے تعلق رکھنے والے نہایت ہمدرد 2001ء کے واقف ہیں 2008 میں بھی لندن جلسہ پر ملاقات ہوئی اب 18 سال بعد پھر ملے یہ مسجد بڑی برکات کی حامل ہے اس میں 4 خلفاء نے قدم رنجا فرمایا کئی صحابہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس مسجد کی امامت کے عظیم فرائض ادا کئے اس کو بنانے والے حضرت چوہدری فتح محمد سیال رضی اللہ تعالی عنہ تھے جنہوں نے 1907 میں زندگی وقف کی اور 1913 میں پہلے احمدی مبلغ کے طور پر برطانیہ آئے 1924ء میں یہ مسجد تیار ہوئی جس کی زمین مکرم سیال صاحب مرحوم نے خریدی تھی۔خاکسار نے جامعہ احمدیہ میں شاہد کی ڈگری حاصل کی اور حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب کی سیرت اور سوانح پر مقالہ لکھا اور 76 نمبر حاصل کئے بعد ازاں یہ مقالہ حضرت چوہدری صاحب کی بیٹی امۃ الشافی نے شائع کر دیا اب دوسری بار مزید اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔الحمدللہ



مکرم مولانا نصیر احمد قمر صاحب بہت ہی خوبیوں کے مالک 1985 سے لندن میں ہیں آجکل وکیل الاشاعت ہیں

حسین اتفاق



36 سال پہلے جب میں ریپبلک آف بینن میں امیر اور مشنری انچارج تھا اور ٹوگو اور نائیجر اور کیمیروں کا بھی امیر تھا مکرم محمد اسلام صاحب آف ٹوگو میرے پاس مشن ہاؤس میں آئے اور کہا میں احمدی ہونا چاہتا ہوں میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت گائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود میرے پاس ٹوگولینڈ کا آدمی بھیج دیا میں نے اسے اپنے پاس رکھا یسرنا القرآن پڑھایا پھر قرآن مجید ناظرہ پڑھایا ترجمہ بھی سیکھایا، اسے معلم بنایا اور اپنے ساتھ دوراں پر لے جاتا دو دفعہ ٹوگو لے گیا وہ لڑکا اب جو 4 بچوں کا باپ ہے جماعت احمدیہ لندن کا سرگرم رکن ہے اور جماعت کے تمام اداروں میں صفائی کے کام کے لئے افراد بھرتی کرتا ہے سب اس کی تعریف کرتے ہیں مجھے ملا آب دیدہ ہوگیا اور خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے اور ہر ایک کو میرے بارے میں بتا رہا تھا۔ الحمدللہ

سر افتخار احمد صاحب ایاز صاحب سے ملاقات



جنہوں نے 7 واں ایوارڈ حال ہی میں لے کر نئی تاریخ رقم کی ہے کے گھر ملاقات کے لئے مکرم رانا عبدالرزاق صاحب ایڈیٹر قندیل ادب و قندیل حق اور مکرم سید معین احمد شاہ صاحب کے ساتھ ملاقات کے لئے گیا مکرم سر افتخار احمد صاحب جماعت میں دوسرے آدمی ہیں جن کو جماعت احمدیہ میں یہ عظیم دنیاوی انعامات سے نوازا گیا ہے پہلے حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خاصاحب رضی اللہ عنہ تھے اللہ تعالیٰ سر افتخار احمد صاحب کی عمر میں برکت ڈالے اور فعال زندگی عطا فرمائے۔ 30 منٹ کی یہ ملاقات تھی۔ خاکسار کو چوہدری سر ظفر اللہ خانصاحب کو ملنے کا آخری موقعہ 1985 میں لاہور ملا اور اب دوسرے ''سر'' کو 41 سال بعد لندن میں ملنے کا موقعہ مل رہا تھا، میں نے اپنی تازہ تصنیف ''سیرت و سوانح حضرت چوہدری فتح محمد سیال رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' جو دوسری بار شائع ہوئی اور اس میں مکرم سر افتخار احمد صاحب نے از راہ شفقت ''خلافت کا وفادار اسلام احمدیت کا عظیم سپوت'' کے عنوان سے اپنے خیالات تحریر کر کے دیئے تھے شامل کتاب ہیں۔ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی الحمدللہ

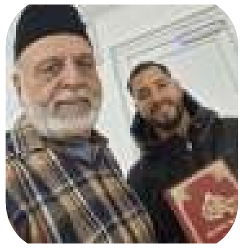
مسجد بیت الاحسان میں نماز



مکرم رانا صاحب اور مکرم سید معین شاہ صاحب کے ساتھ بیت الاحسان میں نماز ظہر ادا کرنے گیا بہت بڑا ہی وی کمپلیکس ہے نماز ادا کی خدا کا شکر ادا کیا جو ہمیں احمدیت کی ترقیات دیکھا رہا ہے

لندن میں تبلیغ

انصار اللہ کے گیسٹ ہاؤس اسلام آباد میں دو سال سے کام کرنے والے کریسچیا نو کو تبلیغ کی اور قرآن کریم کا تحفہ دیا یہ پرتگال سے تعلق رکھتے ہیں



جامعہ احمدیہ لندن میں ایک مسلمان عزیز نامی آدمی جو بینن کے ملک کیتو کا رہنے والا ہے کو بھرپور تبلیغ کی 90 فیصد احمدی کرلیا ہے ان شاء اللہ اللہ نے چاہا تو ہدایت پا جائے گا کوشش جاری رہے گی



دریائے Thames کے کنارے

مکرم رانا صاحب مجھے اور عزیزم حمزہ کو سیر کے لئے لے گئے میں دریا کے کنارے کھڑے ہو کر سوچا یہ دریا آج سے صدیوں سال سے اسی طرح رواں دواں ہے اس کی لہروں میں اور بہاؤ میں کوفرق نہیں 1985 میں پہلی بار دیکھا آج بھی بڑے پُرسکون طریقے سے انجانی منزل کی طرف رواں دواں تھا میری عمر کے بڑھنے سے میں جسمانی طور پر مضمحل ہو گیا تھا لیکن پرفضا مقام اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور عوام کی گہما گہمی میں کوئی فرق نہیں تھا

الوداع لندن

جا رہا ہوں چھوڑ کر سجن کو دل اداس ہے
سمجھا رہا ہوں من کو پھر بھی دل اداس ہے
ملے تھے چند دن پہلے کھلے تھے پھول کنول کے
مرجھا گئے بن کھلے کچھ اس لئے دل اداس ہے
اب کب دوبارہ آنا ہو گا خدا جانتا ہے
رہ گئی عمر رفتہ کم اس لئے دل اداس ہے

8 مارچ کو رات ڈیڑھ بجے گھر پہنچ گیا۔الحمدللہ اور پھر شب و روز گزر رہے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡✡✡✡✡

✡✡✡✡✡✡✡✡



بستی بستی گھومنے والو!

چوہدری عبدالسلام صاحب اختر

بستی بستی گھومنے والو! پایا کچھ تسکین کا سایا
اس کی شان کے صدقے جس نے سب کچھ بخشا! آپ نہ آیا
دُور تھا یا نزدیک تھا تو یہ میری ہی کوتاہ نظری تھی
جس نے جتنا جتنا ڈھونڈا، اس نے اتنا اتنا پایا
آ تو چکے ہو چھوڑ کے اپنی جنت اے نو واردِ ہستی!
آؤ یہاں اب غور سے دیکھو، کون اپنا ہے کون پرایا
کون شریکِ حال تھا میرے عمر کے ایسے بیت رہی تھی
عقل کے چکر، وقت کی گردش ذہن کی اُلجھن وہم کا سایا
کاش وہ میرے ساتھ بھی آتا، کاش میں اس کے ساتھ ہی چلتا
جس نے ناؤ پار اُتاری جس نے مجھ کو پار لگایا
ہفت افلاک کی منزل کیا ہے روح جہاں بھی تھراتی ہے
کون ستارے چھو سکتا ہے راہ میں سانس اُکھڑ جاتی ہے

(الفرقان ربوہ، نومبر 1960ء)



قادیانیوں کی "غیبی امداد" پر حیران مودودی

"میں اکثر اوقات اس پر غور کرتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کو
پے مشن میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی؟ مجھے مرزا صاحب کی
کامیابیوں کا سلسلہ لاانتہائی نظر آتا ہے۔ مرزائیوں کی حفاظت کے
سامان غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں۔۔۔۔ خود دوسری طرف مرزائیوں
کے مخالفین کی تباہی کے سامان بھی غیب سے ظہور میں آجاتے ہیں"۔



ہم رمضان کیسے گزاریں؟

خواجہ محمد افضل بٹ ۔ یو ایس اے

ارشاد نبوی ﷺ

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ شعبان کے آخری روز آنحضرت ﷺ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! ایک عظیم مہینہ آ گیا ہے۔ ایک ایسا مہینہ جو بہت مبارک ہے۔ اس میں ایک ایسی رات بھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے دنوں میں روزہ کو فرض اور اس کی راتوں کے قیام کو طوعی نیکی قرار دیا۔

(مشکوٰۃ کتاب الصوم الفصل الثانی)

اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی رحمتیں، برکتیں، اور فضیلتیں ہم کو عطا ہوں اور ماہِ رمضان کی عبادات اور دعائیں اللہ پاک قبول ومنظور فرمائے۔

اس سلسلہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور خُلفائے احمدیت کے فرمودات بابت رمضان کی اہمیت وفرضیت فضیلت اور فتاویٰ وفقہی مسائل پیش ہیں۔ اس سلسلہ میں محترم حنیف محمود صاحب مربی سلسلہ کے شائع کردہ مضمون سے مدد لی گئی ہے۔



”روزہ رکھنا اور والدین کی خدمت کرنا“

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو آدمی بڑے بدقسمت ہیں۔ ایک وہ جس نے رمضان پایا اور رمضان گزر گیا پر اس کے گناہ نہ بخشے گئے اور دوسرا وہ جس نے والدین کو پایا اور والدین گذر گئے اور اس کے گناہ بخشے نہ گئے۔ والدین کے سایہ میں جب بچہ ہوتا ہے تو اس کے تمام ہم وغم والدین اُٹھاتے ہیں جب انسان خود دُنیوی امور میں پڑتا ہے تب انسان کو والدین کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں والدہ کو مقدم رکھا ہے کیونکہ والدہ بچہ کے واسطے بہت دکھ اُٹھاتی ہے۔ کیسی ہی متعدی بیماری بچہ کو ہو چیچک ہو، طاعون ہو، ہیضہ ہو، ماں اس کو چھوڑ نہیں سکتی... ماں سب تکالیف میں بچہ کے شریک ہوتی ہے، یہ طبعی محبت ہے جس کے ساتھ کوئی دوسری محبت مقابلہ نہیں کر سکتی۔“

(فتاویٰ حضرت مسیح موعود صفحہ 146-147)

”ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے۔“

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

”اے وے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو۔ آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ

پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو خود تقویٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔'' (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15)

روزے دار حمدِ الٰہی، تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

''ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدّنظر رکھنا چاہیے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تا کہ تبتّل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلّی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھے۔ اُنہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں۔ جس سے دوسری غذا اُنہیں مل جاوے۔'' (ملفوظات جلد 5 صفحہ 102)

''اسلام کے پانچ مجاہدات''

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

''خدا تعالیٰ نے دین اسلام میں پانچ مجاہدات مقرر فرمائے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ صدقات، حج ۔۔۔۔ دشمن کا ذب اور دفع خواہ سیفی ہو، خواہ قلمی۔ یہ پانچ مجاہدے قرآن شریف سے ثابت ہیں ۔۔۔ کو چاہیے کہ ان میں کوشش کریں اور ان کی پابندی کریں۔ یہ روزے تو سال میں ایک ماہ کے ہیں۔ بعض اہل اللہ تو نوافل کے طور پر اکثر روزے رکھتے رہتے ہیں اور ان میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہاں دائمی روزے رکھنا منع ہیں یعنی ایسا نہیں چاہئے کہ آدمی ہمیشہ روزے ہی رکھتا رہے بلکہ ایسا کرنا چاہیے کہ نفلی روزہ کبھی رکھے اور کبھی چھوڑ دے۔''

(تفسیر حضرت مسیح موعود سورۃ البقرہ صفحہ 263)



''روزہ کی حقیقت''

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے نفس پر قابو حاصل ہوتا ہے اور انسان متقی بن جاتا ہے۔ انسان کو جو ضرورتیں پیش آتی ہیں ان میں سے بعض تو شخصی ہوتی ہیں اور بعض نوعی اور بقائے نسل کی شخصی ضرورتوں میں سے جیسے کھانا پینا ہے اور نوعی ضرورت جیسے نسل کے لئے بیوی سے تعلق۔ ان دونوں قسم کی طبعی ضرورتوں پر قدرت حاصل کرنے کی راہ روزہ سکھاتا ہے اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ انسان متقی بننا سیکھ لیوے۔'' (خطبات نور صفحہ 145)

انسان متقی بننا سیکھے

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''غرض روزہ جو رکھا جاتا ہے تو اس لئے کہ انسان متقی بننا سیکھے۔ ہمارے امام فرمایا کرتے ہیں کہ بڑا ہی بدقسمت ہے وہ انسان جس نے رمضان تو پایا

مگر اپنے اندر کوئی تغیّر نہ پایا۔ پانچ سات تو روزے باقی رہ گئے ہیں۔ان میں بہت کوشش کرو اور بڑی دعائیں مانگو۔ بہت توجہ الی اللہ کرو اور استغفار اور لاحول کثرت سے پڑھو۔قرآن مجید سُن لو، سمجھ لو، سمجھا لو۔ جتنا ہو سکے صدقہ اور خیرات دے لو اور اپنے بچوں کو بھی تحریک کرتے رہو۔اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں توفیق دے۔(آمین)(خطبات نور صفحہ 265)

''قرآن مجید کا دور مکمل کیا کریں۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضرت جبرائیل قرآن شریف کا دور رمضان میں کیا کرتے تھے۔میں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہر رمضان شریف میں قرآن مجید کا دور خصوصیت سے کیا کریں۔''(ارشادات نور جلد سوم صفحہ 442)

''روزہ بڑی بابرکت چیز ہے۔''

حضرت خلیفہ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''توحید اصل ہے اسلام کا اور اس امر کو پورا کرنے کے لئے یہ آواز بلند اذان میں اللہ اکبر، اللہ اکبر رکھا ہے اور اکبر ایسا کلمہ ہے کہ اِس میں خدا کی اعلیٰ درجہ کی تعظیم ہے۔اکبر سے بڑھ کر اور کیا لفظ ہو سکتا ہے پھر اسلام کا دوسرا پہلو شفقت علیٰ خلق اللہ ہے۔سو زکوٰۃ اور حج کا حکم کر کے عام لوگوں پر شفقت کرنا سکھایا۔اور نماز، روزہ کا حکم کر کے اپنی جان پر شفقت کرنا سکھایا۔روزہ بڑی بابرکت چیز ہے اور اس میں انسان کو مشق کرائی جاتی ہے کہ وہ اپنی جان کے لئے ناجائز پر کوئی چیز استعمال نہ کرے کیونکہ جب روزہ میں جائز چیزوں کو چھوڑنا سیکھے گا تو محمد رسول اللہ کو سچا سمجھتا ہوا اس کی ناجائز کردہ چیزوں کو تو ضرور ہی چھوڑ دے گا۔غرض نتیجہ کلمہ شہادت سے یہ نکلا کہ اللہ کے سوائے کسی اور کو معبود نہ جانو اور محمد، اللہ کا رسول اور بندہ ہے اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں انسان کی اپنی جان کی بھلائی اور دیگر عام مخلوق کی بھلائی ہے ورنہ کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے وقت پانی چھڑکنے سے کیا فائدہ اور دنیا کے متعلق تو حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا آسان ہے لیکن دولتمند کا خدائی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔''

(خطبات نور صفحہ 562)



''تہجد نفس کی اصلاح کے لئے ضروری ہے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

''رمضان کے دنوں میں انسان سحری کے لئے اُٹھتا ہے اور اس طرح عبادت کا موقع ملتا ہے اور اس وقت تہجد پڑھتا ہے اور تہجد نفس کی اصلاح کے لئے ضروری ہے۔اگر چہ رمضان میں اٹھتا تو کھانا کھانے کے لئے ہے لیکن اس کو شرم آجاتی ہے کہ جب اٹھا ہوں اور وقت بھی ہے تو کیوں تہجد نہ پڑھوں اور جب پڑھتا ہے تو اسے روحانیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ تہجد نفسانیت کے توڑنے اور اس کی اصلاح کے لئے ضروری ہے۔جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا (المزمل:7) رات کا اٹھنا بہت سخت ہے اور نفس کے کچلنے اور اصلاح کرنے کے لئے بڑا ہتھیار ہے۔پس جب انسان کھانا کھانے کے لئے اٹھتا ہے تو تہجد بھی پڑھتا ہے جو ''اَشَدُّ وَطْاً'' ہے اور نفس کی اصلاح کے لئے ہتھیار ہے اور یہ ایک مہینے کی مشق سارے سال میں کام آتی ہے۔جیسا کہ پہاڑ پر ایک دو مہینہ رہنا باقی سال کے لئے مفید ہوتا ہے۔یا کمزوری صحت کو دور کر دیتا ہے۔اور اس ایک

مہینہ میں جسم کو بہت فائدہ پہنچ جاتا ہے۔اسی طرح رمضان میں ایک مہینہ تہجد پڑھنا مفید ہوجاتا ہے۔(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 382 تا 383)

رحیم و کریم ہستی کے ساتھ تعلق پیدا کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص برکات اور خاص رحمتیں لے کر آتا ہے۔یوں تو اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسان کے دروازے ہر وقت ہی کھلے رہتے ہیں اور انسان جب چاہے ان سے حصہ لے سکتا ہے۔صرف مانگنے کی دیر ہوتی ہے ورنہ اس کی طرف سے دینے میں دیر نہیں لگتی کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ہاں بندہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بعض دفعہ دوسروں کے دروازہ پر چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔سو اس رحیم و کریم ہستی سے تعلق پیدا کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ہر گھڑی رمضان کی گھڑی ہوسکتی ہے اور ہر لحہ قبولیت دعا کا لمحہ بن سکتا ہے۔اگر دیر ہوتی ہے تو بندہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی اس کے احسانات میں سے ہی ہے کہ اُس نے رمضان کا ایک مہینہ مقرر کر دیا تا کہ وہ لوگ جو خود نہیں اُٹھ سکتے ان کو ایک نظام کے ماتحت اُٹھنے کی عادت ہوجائے اور ان کی غفلتیں اُن کی ہلاکت کا موجب نہ ہوں۔''(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 382۔383)

''جس کے پچھلے اعمال اعلیٰ ہوں گے۔اُسی کے لئے لیلۃ القدر ہوگی۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر میں یہ اشارت ہے کہ جس کے ابتدائی ایام نیکی میں گزرتے ہیں اس کے انتہائی ایام میں بھی خدا تعالیٰ کی تائید اس کے شاملِ حال ہوجاتی ہے۔جیسا کہ رمضان کے ابتدائی ایام میں جو خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اُس کے لئے آخری ایام میں ایسا وقت آتا ہے کہ خدا اُس کے لئے فضل نازل کرنے کا خاص موقع رکھتا ہے۔پس لیلۃ القدر میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر انسان اپنی زندگی کی ابتدائی گھڑیوں کو خدا تعالیٰ کی رضا میں صَرف کرے تو اس کی انتہائی گھڑیاں خدا تعالیٰ خود اپنی رضا میں صَرف کرا لے گا۔''

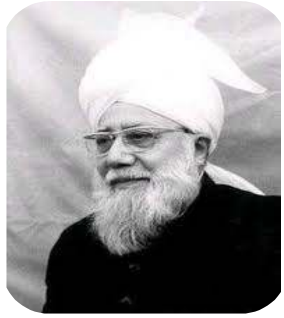
(خطبہ جمعہ فرمودہ 9 اپریل 1926ء)

''زندگی بھر لیلۃ القدر کی تلاش کریں۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لیلۃ القدر سے یہ سبق مل سکتے ہیں۔اوّل یہ کہ جو انسان خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ابتداء سے کام کرے گا اُس کا انتہاء اچھا ہوگا۔اور دوم یہ کہ اگر کسی کے لئے لیلۃُ القدر کی حالت پیدا نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ اُس کا پہلا زمانہ بظاہر اچھا معلوم ہوتا تھا اور وہ اچھے کام کرتا نظر آتا تھا مگر اس میں کچھ ایسے نقص تھے کہ جن کی وجہ سے اُس کی خدمات قبول نہ ہوئیں اور خدا تعالیٰ نے اس کے اعمال کے تسلسل کو جاری نہ رہنے دیا۔

ان دو سبقوں کے ماتحت دوستوں کو صرف رمضان میں ہی نہیں اور رمضان کے آخری عشرہ میں ہی نہیں بلکہ بعد میں بھی لیلۃُ القدر کو تلاش کرنا چاہیئے۔ اور اپنی زندگی کے آخری عشرہ کے لئے ایسے سامان مہیا کرنے چاہئیں کہ انہیں لیلۃُ القدر کے فیوض حاصل ہوسکیں...یہی سبق ہے جو خدا تعالیٰ لیلۃُ القدر سے مومنوں کو دیتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم رمضان کی لیلۃُ القدر سے بھی فائدہ اٹھائیں اور انسان کی زندگی کی جو لیلۃُ القدر ہوتی ہے اُس سے بھی مستفیض ہوں۔ہم خدا تعالیٰ کی گود میں ہوں اور ہمارا آخری انجام اسی طرح ہو جس طرح لیلۃُ القدر کے متعلق وعدہ کیا گیا ہے۔''(الفضل 13 اپریل 1922ء)



”رمضان کا مہینہ پانچ بنیادی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔“

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”رمضان کا مہینہ پانچ بنیادی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ پہلے تو روزہ ہے دوسرے نماز کی پابندی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پھر قیام اللیل یعنی رات کے نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ تیسرے قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت ہے۔ چوتھے سخاوت اور پانچویں آفات نفس سے بچنا ہے۔ ان پانچ بنیادی عبادات کا مجموعہ عبادات ماہ رمضان کہلاتی ہیں۔ جہاں تک روزہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ حکم دیا الصِّیَامُ جُنَّۃٌ یعنی روزہ گناہوں سے بچاتا اور عذاب الٰہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ انسان کی روحانی سیر کی ابتدا گناہوں سے بچنے سے شروع ہوتی ہے اور اس سیر روحانی کی انتہا اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچتے ہوئے اس کی رضا کی جنتوں میں داخل ہونے پر ختم ہوتی ہے۔“ (خطبہ جمعہ فرمودہ 7۔نومبر 1969ء)

آخری عشرہ میں مبارک رات کی تلاش کرنی چاہیے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آخری دنوں کے متعلق بھی نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اس عشرہ میں مسلمان کو اس رات کی تلاش کرنی چاہیے۔ تقدیر کی جس رات میں دعائیں قبول ہوں اور اسلام کے حق میں دنیا کی تقدیریں بدل دی جائے۔“ (خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ 1006)

”اللہ تعالیٰ دوسری نیکیاں کرنے کی بھی توفیق دے گا۔“

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اگر تم ماہ رمضان کی برکات سے پوری طرح فائدہ اٹھانا چاہتے ہو اور اس کے لئے اپنی عمر کو خرچ کرتے ہو تو دیگر برکات کے علاوہ تمہیں ایک یہ برکت بھی حاصل ہوگی کہ تمہیں اللہ تعالیٰ دوسری نیکیاں کرنے کی بھی توفیق دے گا اور اس مہینہ کے بعد جو گیارہ ماہ اور تمہاری زندگی میں آنے والے ہیں وہ بھی حقیقی معنی میں تم خدا کی راہ پر خرچ کرنے والے ہوگے۔ تو جو شخص رمضان شریف کو نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ گزارتا ہے تو بقیہ سال کے گیارہ مہینوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کی توفیق پاتا ہے اور اس طرح نظر اس کی ساری زندگی نیکیوں میں گزرتی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی ساری عمر اس مقصد کے لئے گزاری جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا۔ (خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ 58)

”سہام اللیل (دعاؤں) رضاء الٰہی کی تلاش“

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رمضان میں روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں کہ تم سہام اللیل (دعاؤں) کے پھلوں کو تیز کرو اور اپنے مطلوب (رضاء الٰہی) کی تلاش میں نکلو۔ پیاس اور بھوک کو برداشت کرو اور بے خوابی کو خدا تعالیٰ کا فضل سمجھو۔ کیونکہ یہ ایسا برکتوں والا مہینہ ہے کہ جس میں قرآن کریم جیسا کلام الٰہی نازل کیا گیا ہے۔ اس لئے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ تم میں سے جو شخص بھی بلوغت، صحت اور حضر میں یہ ماہ پائے وہ اس کے روزے رکھے۔“ (خطبات ناصر جلد اوّل صفحہ 56)

”رمضان کا تہجد سے تعلق“

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ”رمضان کے ساتھ تہجد کا بہت ہی گہرا تعلق ہیں۔ وہ روزے جو تہجد سے خالی ہیں وہ بالکل ادھورے

اور بے معنی سے روزے ہیں۔اس لئے بچوں کو خصوصیت کے ساتھ روزے کی تلقین کرنی چاہیئے ..قادیاں میں ۔۔۔لازمی تھا کہ وہ ضرور پہلے نفل پڑھے۔''(خطبہ جمعہ 27/اپریل 1988ء)



''رمضان صبر کا مہینہ''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''رمضان صبر کا مہینہ کہلاتا ہے کیونکہ اپنی خواہشات پر صبر کرنا ہے، اپنے غصّوں پر صبر کرنا ہے،نیکیوں پر جم کے بیٹھنا ہے۔بدیوں کی طرف جو تحریک ہے اس کا مقابلہ کر کے رک جانا ہے۔ان سب چیزوں کو صبر کہا جاتا ہے۔''(خطبات طاہر جلد 15 صفحہ 75)

''رمضان شریف تمام عبادتوں کا خلاصہ ہے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں''رمضان شریف تمام عبادتوں کا خلاصہ ہے،رمضان شریف تمام عبادتوں کا ارتقاء ہے،رمضان شریف انسان کو اس مقصد کی طرف لے جاتا ہے جس کی خاطر انسان کو پیدا کیا گیا ہے یہ انسان کو بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرنے میں بھی درجہ کمال تک پہنچاتا ہے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے میں بھی درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔اس کے باوجود بڑے ہی بدقسمت ہوں گے وہ لوگ جو رمضان کو پائیں اور خالی ہاتھ اُس میں سے نکل جائیں۔رمضان کی برکتوں میں سے ہو کے نکلیں لیکن یہ پانی ان کو چھوئے اور چکنے گھڑے کی طرح ویسے کے ویسے وہاں سے آگے چلے جائیں۔''(خطبات طاہر جلد 2 صفحہ 326۔327)

''روزے اللہ کا قرب پانے کا ذریعہ ہیں۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:



''اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ جو رمضان کا مہینہ ہے، جو روزہ رکھنے کے دن ہیں،ہمیں اس طرف توجہ دلائی کہ ان دنوں میں میری خاطر،میری رضا کے حصول کی خاطر،صرف ناجائز چیزوں سے ہی نہیں بچنا بلکہ کان،آنکھ،زبان،ہاتھ کو تو ایک خاص کوشش سے معمولی سے بھی ناجائز کام سے بچا کر رکھنا ہے۔اس کو بھی محفوظ رکھنے کے لئے ایک مجاہدہ تو کرنا ہی ہے لیکن جائز چیزوں سے بھی بچنا ہے۔ایک ایسا جہاد کرنا ہے جس سے تمہارے اندر صبر اور برداشت پیدا ہو اور ڈسپلن پیدا ہو۔پھر یہ مجاہدہ ایسا ہوگا جو تمہاری روحانی حالتوں کو بہتر کرنے کا ذریعہ ہے گا۔اللہ کا قرب دلانے کا ذریعہ بنے گا، دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ بنے گا...پس یہ روزے اس کا قرب پانے کا ذریعہ ہیں اور دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہیں۔ پس ان دنوں میں ہمارا کام ہے کہ پہلے سے بڑھ کر چلاّ چلاّ کر،گڑگڑا کر اپنے رب کو پکاریں۔''(خطبہ جو فرمودہ 5 ستمبر 2008)

''رمضان کا مقصد تقویٰ پیدا کرنا اور تقویٰ میں ترقی کرنا۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

''یہ رمضان ہمیں ایک دفعہ پھر موقع دے رہا ہے کہ ہم خدا کے آگے جھکیں جس طرح جھکنے کا حق ہے۔اُس کی عبادت کریں،جس طرح عبادت کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کا یقیناً جواب دے گا اور یہ عہد کریں کہ آئندہ ہم اِن عبادتوں کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔اگر یہ ہو جائے تو اس سے ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ جماعت کی سالوں میں ہونے والی ترقیات کو دِنوں میں واقع ہوتے دیکھیں گے۔اس لئے مَیں پھر یہی کہوں گا کہ اپنی عبادتوں کو زندہ کریں۔دوسروں کے پاس دعائیں کروانے کی بجائے خود اللہ تعالیٰ کی ذات کی قدرتوں کا تجربہ حاصل کریں۔(خطبہ جمعہ 22 اکتوبر 2004ء)



قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

طارق بلوچ

ماہ جون 2025ء کے اَواخر میں منظر عام پر آنے والی ایک تصویر بے بسی نے پورے ملک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا! یہ سانحۂ سوات کی نذر ہوجانے والے لوگوں کی تھی۔ایک درجن سے زائد بچے بڑے اور عورتیں۔اکثریت کا تعلق علاقہ ڈسکہ اور ایک ہی خاندان سے تھا۔اہلِ قافلہ کا شوقِ سیاحت اُنہیں کھینچ کر نیم خشک دریا کے اندر لے گیا۔اور پھر اچانک اُونچے پربتوں سے آنے والی ایک مُوج بلاخیز نے اُن سب کو کچھ یُوں گھیر لیا کہ محاورے کی زبان میں زمین واقعتاً اُن پر تنگ ہوگئی۔ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ایک جزیرہ نما ٹیلہ نظر آیا تو سب اپنے بچاؤ کے لئے بھاگ کر اُس پر چڑھ دوڑے۔مگر وُہ آخری جائے پناہ بھی بھلا کب تک سرکش مُوجوں کا مقابلہ کرتی؟ جس کے نیچے سے زمین سرکتی،بے رحم لہریں اُسے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتیں اور یُوں وُہ سب لوگ باری باری اور دیکھتے ہی دیکھتے گھر سے دُور ایک مرگِ ناگہانی کا شکار ہوتے اور ماضی کا قصہ اور حصّہ بنتے چلے گئے۔حق مغفرت کرے!!

میں جب بھی اور بُہت کچھ کہتی اُس تصویر بے بسی کو اُس دلخراش منظر کو چشم تصور میں بڑا کر کے دیکھتا ہوں تو خاکم بدہن مُجھے ہر دفعہ یہی لگتا ہے جیسے وُہ ہم سب پاکستانیوں کا ہی تو ایک گروپ فوٹو ہے۔ایک مشترکہ کہانی!! چلو اِس تمثیل کو اِدھر ہی چھوڑتے اور اپنے اصل قصۂ درد کی طرف بڑھتے ہیں کہ یہ جو ہم تِل تِل مَر رہے ہیں،اس کی وجہ کیا ہے؟ آخر ہم اِس حال اور انجام تک کیسے پہنچے؟ ایک ایسا ملک جس کی دھرتی سونا اُگلتی اور اُس کے نیچے بھی خزانوں کے انبار چھپے ہوئے ہیں اور ہمیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اِس ارضِ پاک میں وُہ سب نعمتیں موجود ہیں جن کا سورۃ الرحمٰن میں ذکر ہے۔مگر اِس کے باوجود ہمارے حالات ایسے کیوں ہیں کہ جس طرف دیکھیے بے کسی چھائی ہے؟ دِل کے خوش رکھنے ایسے خیالات کی بات الگ ہے مگر ہماری اس "جنت" جس میں ہر شخص کا ہاتھ دوسرے کی جیب میں ہے،اِس کی اصل حقیقت دنیا کو خُوب معلوم ہے۔کہیں بھی سر فخر سے بلند ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔بندہ کس کس کا ماتم کرے۔اپنی صرف ایک اہم قومی اور شناختی سفری دستاویز پاسپورٹ کو ہی دیکھ لیں کہ اِس وقت دنیا میں اُس کا کیا مقام ہے؟ ہینلے پاسپورٹ انڈیکس (Henley Passport Index) نے اپنی 2025ء کی جو رپورٹ جاری کی ہے اُس کے مطابق گرین پاسپورٹ مسلسل پانچویں سال بھی عالمی رینکنگ میں کمزور ترین یعنی 106 ممالک میں 102 ویں نمبر پر کھڑا ہے۔اور اُس کے نیچے صرف جنگ زدہ چار اسلامی ممالک شام یمن افغانستان اور عراق ہیں! جب ملک کا وزیر اعظم ہی یہ اعتراف کرے کہ غیر ملکی حکمران ہمیں دیکھتے ہی جان جاتے ہیں کہ ہم مانگنے آئے ہیں اور یہ کہ فقیر کی کوئی چوائس نہیں ہوتی تو پھر پیچھے کیا رَہ جاتا ہے؟

بابائے قوم حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات کے ساتھ ہی ہم جس داغِ یتیمی سے دوچار ہوئے تھے،بعد میں آنے والے ہر حکمران نے ہمارے اِس گھاؤ کو گہرا ہی کیا۔راہبر ہی راہزن نکلے۔کہ اُن کی سوچ کبھی بھی اپنے دائرہ مفاد سے باہر نہیں نکلی۔دُوراندیشی سے عاری اور بے بصیرتی میں یکتائے روزگار۔الّا ماشاء اللہ۔سو اِن سے یہی کچھ ملنا تھا جو روزِ اوّل تا امروز ہمیں مل رہا ہے۔آزادی کے بعد ریاست بہاولپور کے نجیب نواب سر صادق محمد خان عباسی نے ہماری بُہت مدد کی۔ہماری کسمپرسی کا تو یہ عالم تھا کہ شاہ ایران پاکستان کے دُورے پر آئے تو ہمارے پاس ڈھنگ کے برتن تک نہیں تھے۔نواب صاحب نے اپنے سونے چاندی کے برتن بھجوائے اور پھر اُنہیں واپس لینے کی بجائے حکومت کو ہی گفٹ کر دیئے۔سرکاری

ملازموں کی تنخواہوں کے لئے رقم نہیں تھی، وُہ بھی نواب صاحب نے مہیا کی۔اور آج آزادی کے 78 سال بعد بھی ہمارے دِن نہیں بدلے۔اَب یہی کام ہمارے لئے عالمی مالیاتی ادارے کررہے ہیں۔اور آئی ایم ایف کا نام تو ہمارے ہاں یُوں وردِزبان رہتا ہے گویا یہ بھی کوئی اسم اعظم ہے۔حالیہ سیلاب نے جب ایک بار پھر ہمارے فہم وفراست اور بصیرت کو خس وخشاک کی طرح بہایا تو وزیرِاعظم شہباز شریف نے وزارتِ خزانہ کو ہدایت کی کہ وُہ آئی ایم ایف سے رابطہ کرے تاکہ سیلاب زدہ علاقوں میں بجلی کے بلوں میں ریلیف دیا جاسکے۔جب اِس رعایت اِس کام کے لئے بھی آئی ایم ایف کی اجازت درکار اور اُس کی چوکھٹ پر ہی سجدہ کرنا ہے تو پھر ہماری آزادی خودمختاری اور ہم زندہ قوم ہیں ایسے دعوٗوں اور نعروں کا کیا جواز باقی رَہ جاتا ہے؟ اِسی آئی ایم ایف کی تازہ رپورٹ نے ہماری ایلیٹ کلاس کے بارہ میں بتایا کہ وُہ بہُت بڑی کرپشن میں ملوث ہے۔اور صرف پچھلے دو برس میں 5300 ارب سے زائد کرپشن ہوئی۔نیز گورنس بھی بہُت کمزور ہے۔اور اِس کمزوری کا کھُلا اظہار وفاقی وزیرخزانہ محمد اورنگزیب کے اِس بیان سے بھی ہوتا ہے کہ ریاستی اَداروں میں بدعنوانی اور نااہلی کی وجہ سے سالانہ 10 کھرب روپے ضائع ہورہے ہیں۔گھر اور باہر سے ملنے والی اِن پریشان کن خبروں کے درمیان پنجاب کی سینئر صوبائی وزیر محترمہ مریم اورنگزیب صاحبہ کا ایک بیان اُمید بہار بن کر سامنے آیا ہے جس سے مایوس دِلوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔فرماتی ہیں: نومبر میں نیلا آسمان نظر آنا کامیاب پالیسیوں کا ثبوت ہے!!47فی صد کے لگ بھگ پاکستانی خطِ غربت کے نیچے زندگی بسر کررہے ہیں۔دوسری طرف معاشی تھنک ٹینک اکنامک پالیسی اینڈ بزنس کے مطابق پاکستان پر قرضوں کا بُوجھ خطرناک حدتک بڑھ گیا ہے۔اور ہر شہری 3 لاکھ 18 ہزار 252 روپے کا مقروض ہے۔اور یہ قرض یہی غریب لوگ ہی اتاریں گے جو خود ڈرپ اکانومی پر چل رہے ہیں! سوال پیدا ہوتا ہے آخر ہم اِن سبھی گزرے ماہ وسال میں خود کیا کرتے رہے؟ موٹرویز وغیرہ کی صورت میں ہمارے پاس کچھ اثاثے ضرور ہیں مگر ہم اُنہیں بھی بیچ کھانے یا گروی رکھ کر مزید قرض پکڑنے (اُتارنے) کے سوا اور کیا کررہے ہیں؟ یہ سارا قرض کہاں گیا کہاں لگا کون کھا گیا کہ بقول جالب

وہی حالات ہیں فقروں کے　　　　دِن پھرے ہیں فقط وزیروں کے!

یہ ہمیں کس کی نظر لگ گئی؟ بددعا کھا گئی؟ کہ معاملہ ہنوز روزِ اوّل جیسا ہی ہے!اور اگر انواع واقسام کے فوجی اپریشنوں (بشمول ردالفساد) کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اَب یہاں صرف فاقے ناکے اور دھماکے ہی بچے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔اہلِ وطن کو تلاشِ معاش کے سلسلہ میں مسلسل سمندروں میں ڈوب کر مرتے چلے جانا تو گوارا ہے مگر اَب اِدھر مزید ٹھہرے رہنا نامنظور۔7 نومبر کو روزنامہ دنیا کے صفحہ اوّل پر شائع ہونے والی ایک خبر کا عنوان ہے"یونان میں گذشتہ ہفتے کشتی ڈوبنے کا واقعہ۔209 پاکستانیوں کے سوار ہونے کا انکشاف۔181 کا پاکستان کے مختلف حصّوں سے تعلق۔28 افراد آزادکشمیر کے رہائشی" سو ایسے میں اَب اُن کے لئے وہی مسیحا ہے جو آئے اور اُنہیں اِس گلخن سے باحفاظت نکال کر کہیں دُور لے جائے۔کہ یہ ملک ہمارے "ناخداؤں" نے رہنے کے قابل نہیں چھوڑا۔وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہماری بے توکّلی کا اَب یہ عالم ہے کہ ہم سعودی عرب اور کچھ ایسے ہی مقامات مقدسہ رکھنے والے دِیگر ممالک کا رُخ بھی اللہ سے نہیں، بندوں سے مانگنے کے لئے کرنے لگے ہیں۔بھکاریوں پر اُدھر پابندی لگتی ہے تو عزمِ عالیشان کے ساتھ ملائیشیا جانکلتے ہیں۔اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے۔سچ تو یہ ہے کہ اَب اِس قسم کی "کلچرل" خبریں پڑھکر ذرا بھی حیرت نہیں ہوتی۔کیونکہ جب یہی کام ہمارے سوٹڈ بوٹڈ حکمران ایک بھاری بھر وفد کے ہمراہ مہنگے ترین ہوٹلوں میں بیٹھ کر کریں گے تو اُس کا ٹریکل ڈاؤن افیکٹ تو لازماً ہوگا! یہ سب کچھ بے سبب نہیں، اِس کا ایک باقاعدہ پس منظر ہے۔اگرچہ اِس میں انکشاف والی کوئی بات نہیں مگر یہ چونکہ کرسئ انصاف پہ بیٹھے اسلام آباد ہائی کورٹ کے ایک معزز جج جناب محسن اختر کیانی کی (مکرّر) رائے ہے تو یقیناً اِسے معتبر ہی سمجھا جائے گا فرمایا: عدالتوں سمیت کوئی ادارہ کام نہیں کررہا۔جج صاحب حالات کا یہ ماتم قبل ازیں فروری سنہ 2025 میں بھی کرچکے ہیں کہ عدلیہ پارلیمنٹ اور انتظامہ سمیت تمام ستون گر چکے ہیں! بات نکلی تو ہر اِک

بات پہ رُونا آیا۔ سابق چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس انورظہیر جمالی صاحب نے بھی ایسا ہی ایک فرمان جاری کیا تھا: جس اَدارے پر ہاتھ ڈالیں نئی داستان نکلتی ہے۔ کس کس کو سمجھائیں۔ دُعا ہے قوم سدھر جائے (روزنامہ دنیا 3 مارچ 2016)۔

یہ کہانی اِدھر ہی ختم نہیں ہوتی۔ انسان جب زمینی خداؤں سے مایوس ہوجاتا ہے تو لاَ محالہ اُس کی نظر ایک آخری سہارے کی طرف اُٹھتی ہے مگر ہمارے ساتھ حادثہ یہ ہوا کہ ہم عرشِ نشیں کے ساتھ بھی یوُں بگاڑ بیٹھے ہیں کہ جو اُس کے کرنے کے کام اور پُوچھنے کے سوال تھے وُہ کام اور وُہ سوال یہاں بندے بندے نے کرنے اور پُوچھنے شروع کر دیئے ہیں۔ انہیں اِس رَاہ پر لگانے والے لوگ اِس تاریخی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے کہ اِس محاذ آرائی اِس نمرودیت اور فرعونیت کا نتیجہ بھی حسبِ سابق ہی نکلے گا۔ علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے مگر ہماری قسمت کے سوکھے دھانوں میں جو"وارث" لکھے گئے تھے، اُنہوں نے ہماری اِس قومی اور ملکی تباہی میں پُوری لگن کے ساتھ اپنا حصّہ ڈالا۔ نتیجتاً دین ہاتھ آیا نہ دنیا۔ جبکہ اِس دوران ہمارے جذباتی نعروں کی شدت کا یہ عالم رہا کہ مصر کے جمال عبدالناصر نے بھلے طنزیہ ہی سہی مگر ہمارے حالات کی مکمل عکاسی کرتی ایک کمال بات کہی کہ ایسے لگتا ہے جیسے (پاکستان میں) اسلام اَب اُترا ہے۔ بھُولے بادشاہ ناصر کو اَب بھلا کون بتاتا اور سمجھاتا کہ اِس سارے غلغلے کے پیچھے اصل کہانی اور اصل گیم پلان کیا ہے؟ کچھ تبدیلی کے ساتھ یہ جو"اسلام" سے محبت ہے یہ کسی اور سے محبّت ہے!! خدا کے بندو! کوئی شخص مسجد جارہا ہے مندر یا چرچ یا کسی بھی دوسری عبادت گاہ میں جایا کہیں بھی نہیں جارہا موحّد ہے یا منکر و مشرک آپ کو اِس سے کیا مسئلہ؟ آپ کو کس نے داروغہ بنایا ہے؟ اور کب دوسروں کے عقائد اور اعمال کے لئے جوابدہ ٹھہرایا ہے؟ جو تم جوشِ جذبات میں ماورائے دین حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہو؟ زمین میں فساد پھیلاتے اور خلقِ خدا کا ناحق خون بہاتے ہو؟ دوسرے مذاہب یا فرقوں کی عبادت گاہوں پر حملہ آور ہوتے ہو؟ یہ تو حد سے گزرنا اور اللہ کے غضب کو بھڑکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اِس تصویر کائنات میں رنگا رنگی کی بجائے یکرنگی کا طریق اختیار کرتا تو کیا ایسا کرنا اُس کی قدرت سے بعید تھا؟ اور اگر اللہ چاہتا تو اُنہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا (سورۃ الشوریٰ)۔

بندہ رحمان تو زندگی کے سبھی نشیب وفراز احوال عُسر ویسر میں ہمیشہ اُسی کی طرف اپنا رُخ رکھتا اور جُھکتا اور اُس کے کسی قول اور فعل سے ایسا نہیں لگتا کہ وُہ زمین پر مُہلت دیئے گئے کا کارندہ اور زیاں کار ہے!! بحیثیت مجموعی ہمارا جو حال ہو چکا ہے، اُسے دیکھ دیکھ کر جی چاہتا ہے بندہ غیرت قومی سے زمین میں گڑ جائے، واردات کی ہر خبر ہی ایسی حیران کن ہوتی ہے کہ انسان سوچتا ہی رَہ جاتا ہے کہ ناصحین کے جُمعہ بازار میں دِلِ مسلم کے اندر یہ نادر خیال کیسے اور کس رَاہ سے داخل ہو گیا؟ مُجھے یقین ہے ستاروں پر کمند ڈالنے والے ناسا (NASA) کے عالی دماغوں کے سامنے یہ سب" کاوشیں" رکھی جائیں تو وُہ بھی اعتراف عجز کے ساتھ ہمارے اِن" سائنسدانوں" کے سامنے اپنا سر جُھکا لیں گے! یہ ترقیِ معکوس ہمارا مقدر کیوں بنی؟

میں اِس سوال کے جواب یا رُوٹ کاز (Root Cause) کی تلاش میں جب نکلتا ہوں تو ہوائے چمن کے اِس سفر میں میرا پہلا پڑاؤ جہاں پڑتا ہے، وُہ ہماری باقاعدہ آزادی کے اعلان سے تین روز قبل کا ایک دِن ہے۔ اور مقام ہے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کراچی۔ 11 اگست 1947ء کو بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے ایک نوآزاد ملک کو اپنی تقریر میں جو لائحہ عمل دِیا تھا، اُسے اگر ہم حرزِ جاں بنا لیتے تو آج ہمارا اقوام عالم میں مقام بھی اُوپر ہوتا اور ہاتھ بھی۔ قومیں کس طرح ترقی کا سفر طے کرتی ہیں؟ عدل وانصاف اور میرٹ یعنی حق بحق دار رسید کی بنیاد پر۔ اور ہم نے اِن دونوں کا قتل کیا۔ جب ہم نے بانیٔ پاکستان کے کہے کی ہی لاَج نہ رکھی اور اُسے شروع سفر میں ہی رَد کر دیا تو اِس بے حجابی کے بعد پھر باقی کس شمار وقطار میں اور کسی کھیت کی مولی تھے؟ اِس فعل کو بد دیانتی اور میرٹ دُشمنی کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ بابائے قوم کی مذکورہ تقریر جس کا خمیر خطبہ حجۃ الوداع سے اُٹھایا گیا تھا، اُس میں اِسی بات کی تاکید کی گئی تھی کہ ریاست کا رویہّ اپنے سب شہریوں کے ساتھ یکساں ہوگا۔ اور کسی بھی قسم کا فرق اور امتیاز رَوا نہیں

رکھا جائے گا۔

قائد نے فرمایا: انصاف اور مساوات میرے راہنما اصول ہیں! مگر کیا کیجئے، ہمارے اُن جلی اور خفی غارت گروں کا جو کل تک کانگریس گاندھی جی اور نہرو کے ہم خیال ہم نوا اور نام لیوا تھے اَب اُنہیں بھی اِس نئے منظر نامے میں اپنے لئے کچھ نہ کچھ جگہ دَرکار تھی۔ بھلے ابتدائی طور پر اتنی ہی سہی جتنی کہ موسم کی شدت سے تنگ آئے اونٹ کو ایک بدو کے خیمے میں صرف اپنا سر ڈالنے کے لئے چاہیے تھی۔ سو یہاں بھی وہی اونٹ (جس کا کینہ مشہور ہے) والی غیر محسوس حکمت عملی اپناتے ہوئے پہلے مرحلے میں اُس تقریر کو ہی جو ہمارے لئے بنیان مرصوص کے تھی کہ اَب ہم سب مل کر ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ایک ساتھ آگے بڑھیں گے۔ بدقسمتی سے اُسے سنسر بلکہ سرے سے ہی غائب کر دیا گیا۔ اور یقیناً یہی وُہ مقام اوّل تھا جہاں سے ہمارا پانی مَرنا شروع ہوا۔ گویا عین اُٹھان کے دِنوں میں رَاہِ زوال کا انتخاب۔ اور یہ لاشعوری نہیں، شعوری حرکت تھی! اور جن غارت گروں نے پاکستانی قوم کے ساتھ یہ نہایت سنگین جُرم کیا تھا وُہ قائد کے بالمقابل چھوٹے دُور اندیشی روشن خیالی رَواداری اور وُسعت قلبی اور توکل علی اللہ سے بالکل عاری لوگ تھے۔ جھوٹے منافق مکّار اور رُوحِ اسلام سے نا آشنا بھی۔ اِس پہلی کامیاب چال کے بعد یہ لوگ جلد ہی اپنے پہلے باقاعدہ انٹری پوائنٹ یعنی "قرار دادِ مقاصد" تک پہنچ گئے۔ تب سے یہ خیمے کے اندر اور اہلِ خیمہ کھلے آسمان تلے کھڑے اپنی قسمت اور حالات کا رُونا رُو رہے ہیں۔ اقبال نے سچ ہی تو کہا تھا کہ قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے۔ اِس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام! یہ امر واقعہ ہے کہ اِن غارت گروں کا بھی اصل ماجرا وہی اونٹ والا تھا جو آہستہ آہستہ خیمے میں گھس آیا تھا۔

اسلام کا نعرہ تو محض حصُول مقصد اور عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے لگایا گیا۔ اور یہ اِس لکھنے والے کی نہیں، عشروں پہ مُحیط ہمارے حالاتِ حاضرہ کی گواہی ہے۔ بصُورتِ دیگر ہم بھی اسلام سے وابستہ رحمتوں کو خود پر برستا دیکھتے۔ ہمارے ہاں بھی سچ مُچ محبّت کا زمزم بہتا نظر آتا۔ زکوۃ لینے والا کوئی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا مگر افسوس اِدھر تو سارا معاملہ ہی اس کے برعکس ہے! یہی قرآن قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے پاس تھا اور وُہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر مگر ہماری وطن میں کوئی شان ہے اور نہ ہی دشتِ غربت میں کوئی قدر۔ اُنہوں نے مختصر سی مدّت میں جزیرہ نما عرب سے نکل کر اکنافِ عالم میں اپنے جھنڈے گاڑ دیئے تھے لیکن ہم اپنی آزادی کے صرف چوبیس سال بعد اپنے ہی ملک کے آدھے حصّے پر اپنا جھنڈا لپیٹنے پر مجبُور ہو گئے۔ اِس لئے کہ ہم نے انصاف اور مساوات کا خون کیا۔ ڈھاکہ سے واپسی پر فیض احمد فیض نے بھی یہی دُکھ بھرا سوال اُٹھایا تھا: خون کے دھبے دُھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد!! یہاں اِس ہارے ہوئے لشکر کی اپنے مشن میں کامیابی پر داد ضرور بنتی ہے۔ جس نے اِس مہارت اور برق رفتاری کے ساتھ اپنی وَاردات ڈالی کہ تحریک پاکستان کے فاتحین بھی "واعظ کی چالیں" سمجھے بغیر ہی اُن کی پچ پر کھیلنے لگے۔ بعد کے سیاست دانوں نے بھی اِس رسم کو خُوب نبھایا۔ نتیجتاً خود بھی جلے اور ملک و قوم کو بھی اِس آگ میں جھونکا۔ آج بھی یہی حال ہے۔ اہلِ سیاست مکمل طور پر خیمے سے باہر کھڑے جوتیاں گالیاں اور گولیاں کھا رہے ہیں مگر مجال ہے جو اُن کے معذرت خواہانہ رویئے میں کوئی تبدیلی آئے۔ کیونکہ اَب وُہ بھی مارے ڈر خوف کے اِسی قبائلی عسکری اور سیاسی اسلام کو ہی اصل اسلام سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ جو دِکھتا ہے وُہ بِکتا ہے! سنہ 1949 کی مذکورہ قرارداد (یاد رہے یہ وہی سال ہے جب بھارت نے اپنا آئین بنالیا تھا) کی منظوری کے فقط چار سال بعد یہ عفریت دہشت کی ایک مزید علامت کے طور پر اُس وقت کھُل کر سامنے آ گیا جب پاکستانیوں کو یہ باور کروایا گیا کہ اَب صرف آپکے مستقبل کا ہی نہیں، عقائد کا فیصلہ بھی وہی کریں گے۔ کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر؟

عام طور پر سمجھا جاتا ہے 1953ء (اور پھر 1974ء) کے یکطرفہ مذہبی فسادات ایک مخصوص اقلیت کے خلاف تھے جسے عرف عام میں قادیانی یا مرزائی بھی کہا جاتا جبکہ اصلاً اُس کا نام جماعت احمدیہ ہے۔ مگر میرا خیال ہے ایسی بات تھی نہ ہے۔ یہ ایک مفروضہ ہے۔ جماعت بظاہر ہدف ضرور تھی اور

اَب بھی ہے۔لیکن جب ہم اِس سارے مسئلے کو اِسی ایک معروف تناظر میں دیکھتے اور بیان کرتے ہیں تو یہ گویا اصل حقیقت کو چھُپانے اور اِس سارے معاملے کی حساسیت کو کم کرنے والی بات ہوتی ہے۔ جبکہ یہ معاملہ کوئی اور ہے۔ مثلاً سودی کاروبار کے حوالہ سے ہم بڑے شدومدّ کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ ہے۔ کیوں؟ اِس لئے کہ یہ فرمانِ الٰہی ہے۔مگر جب اسی سورت میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں (سورۃ البقرۃ) مگر جب ہم اِس ہدایت کو اعلانیہ پامال کرتے ہیں تو یہ کس کے خلاف جنگ ہوتی ہے؟ اِسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے ایک سے زائد بار اِس مفہوم میں یہ فرمایا کہ اور تیرا ربّ یقیناً اُن کے درمیان قیامت کے دِن اُن باتوں کا ضرور فیصلہ کرے گا جن میں وُہ اختلاف کیا کرتے تھے (سورۃ النحل) تو اِس فرمان کا بھی ایک بڑا مطلب ومقصد یہی تھا کہ باہم قتل وغارت نہ کرنا۔مگر جب ہماری عُجلت پسند طبیعت اِس انتظار کو ہی قیامت کا ہے گویا کوئی دِن اور کہتے ہوئے قصۂ زمین برسرِ زمین نمٹانے اور فیصلہ کرنے پر تُل جاتی ہے تو یہ کس کے خلاف عدم اعتماد اور بغاوت ہوتی ہے؟ حالانکہ ہمارے پاس اِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ کی بھی تعلیم مُوجود ہے۔مگر ہم نے حدیث نفس کی پیروی کو ہی خود پر لازم ٹھہرالیا ہے۔

بادی النظر میں اِس ساری صورتحال اس انداز فکروعمل کا ایک اور پہلو بھی ہے۔کہ اَب وُہ سچا مسیحا جس کی آمد ثانی کا اُمت کو انتظار ہے، ہمارے مروجہ طورطریقوں سماجی رویئوں ملکی قاعدے قانون اور ہمارے "جذبۂ جہاد" کی موجودگی میں ایک بار اپنا مقدمہ تو پیش کرے۔کہیں آ کے دِکھائے تو سہی۔ہم دیکھیں گے! اور یقیناً تب تک ہم اُس سوچ کا بھی قلع قمع کر چکے ہوں گے جس کی ایک مثال ہمیں سورہ یٰس میں اُس شخص کی صورت نظر آتی ہے جو صرف صالح فکر ہی نہیں بلکہ اپنے اُس عہد کا شاید ایک آخری اور جرأت مند کردار بھی تھا۔ جو شہر کے دوسرے کنارے سے دُوڑتا ہوا آیا اور مسلسل ایک ہی بات کہے جارہا تھا کہ اے میری قوم! اِن بھیجے ہوؤں کی اطاعت کرو۔ یہ تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتے۔اور یہ ہدایت یافتہ ہیں۔ مقام حیرت ہے وُہ جنہیں اپنے نفس پر بھی غلبہ نہیں وُہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اِس بدنصیب ملک کے مالک اور مختارِ کُل بن گئے۔ اقبال نے کہا تھا جس کا عمل ہے بےغرض اُس کی جزا کچھ اور ہے! ہمارے ملکی اور قومی حالات سے اِس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔کہ یہ لوگ اپنے اعمال کے حوالہ سے کس قدر قانع اور بےغرض رہے ہوں گے جو ہمیں ایسی جزا ملی کہ الامان الحفیظ! ہمارا پیارا وطن آج مکمل طور پر خانہ انوری بنا نظر آتا ہے تو یہ بےسبب نہیں۔اِس ضمن میں اُس فارسی شاعر کے کہے اشعار کا مفہوم کچھ یُوں ہے کہ آسمان سے جو بھی بلاء نازل ہوتی ہے بھلے وُہ دوسروں کا ہی مقدر کیوں نہ ہو مگر وُہ رستے میں ہی پُوچھنا شروع کردیتی ہے کہ خانہ انوری کجاباشد؟ وطن عزیز میں پاکستان انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن کی ایک رپورٹ کے مطابق آوٹ آف اسکول بچوں کی تعداد اڑھائی کروڑ سے متجاوز ہے مگر ہم نے کبھی نہیں سُنا کہ بزعیم خویش اِن دین داروں نے اُن بھٹکتی رُوحوں کے حق میں کوئی آواز اُٹھائی ہو۔"اقراء" کے لئے علم جہاد بلند کیا ہو۔ حالانکہ یہی پہلی وحّی الٰہی تھی کہ پڑھ۔ ایسا کوئی جہاد تو رہا ایک طرف جو معصوم بچے ربّ ذدنی علما کا قصد لئے اِن کے مدرسوں کا رُخ کرتے اور پھر اِس "جرم" کی وجہ سے جو اُن پر گزرتی ہے، یہ کہانی پھر سہی!! ایسے کتنے ہی سماجی مسائل ہیں مگر مجال ہے جو کبھی اِن حوالوں سے بھی اِن کی رگِ حمیت پھڑکی ہو۔اِس ملک میں بنتِ حوا پر جو گُزرتی ہے کبھی پسند کی شادی پر کبھی شادی سے انکار پر اور کبھی جہیز نہ لانے کی وجہ سے مگر یہ چُپ۔ایسے ہی کم عمر غریب گھریلو ملازمین پر عہدِنو کے فرعونوں اور اُن کی بیگمات کے ہاتھوں جو جو قیامتیں ٹوٹتی ہیں اِس پر بھی یہ چُپ۔ عدالتوں (ضمناً، فراہمی انصاف کی عالمی رینکنگ میں پاکستان 140 ملکوں میں 130 ویں نمبر پر ہے) میں جہاں لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس جواد حسن کے بقول 60 فی صد کیسز غلط آتے ہیں، وہاں جھوٹے گواہوں کی بدولت لوگ پھانسی لگ جاتے اور بہت سوں کی زندگیاں زندانوں میں پڑے پڑے گل سڑ جاتی ہیں۔ جائیدادوں پر قبضے ہوجاتے ہیں مگر یہاں بھی چُپ۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق پاکستان میں ہر سال ٹریفک حادثات میں ساڑھے 27 ہزار لوگ مارے اور لاکھوں زخمی اور بُہت سارے عمر بھر کے لئے معذور ہوجاتے اور بے قابو آبادی کا یہ عالم کہ گویا اعضاء اعضاء کو کھا رہے ہیں مگر ہمارا یہ "وارث"

طبقہ یہاں بھی کُلیتاً زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد کی مثال بنا نظر آتا ہے!! مگر جب اپنا مطلب اور مفاد (بسلسلہ طاقت اور اختیار) ہوتو یہ لوگ دھرنے بھی دیتے اور ملین مارچ بھی کرتے ہیں مگر چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پستی خلقِ خدا کے لئے ان کے ہاں کوئی جذبۂ ترحم پیدا نہیں ہوتا! سب کے سب صرف ایک ہی معرُوف مسئلے کے اسیر نظر آتے ہیں۔ جیسے اِن کے نزدیک دین اور دنیا کا اور کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ جنہیں یہ مسئلہ ختم نبوت کے کٹہرے میں کھڑا کرتے اُنہیں منکر اور کافر قرار دیتے ہیں جب اُن کا مُوقف سُنا جائے تو وُہ اِسے سوفی صد جُھوٹ کا پلندہ ایک تہمت اور الزام کہہ کر رَد کر دیتے ہیں۔ اکثریت کا اقلیت پر جبر قرار دیتے ہیں۔ تفصیل کا یارا نہیں۔ صرف اِن "اللہ والوں" کے نفاذ اسلام کے محاذ پر باقاعدہ مورچہ بند ہونے یعنی ستر کی دہائی سے پہلے کے اور آج کے اثاثے دیکھ لیں تو اِن کی "خداداری" کا سارا قصہ کُھل کر سامنے آجائے گا۔ کہ کچے کوٹھوں سے شروع ہونے والا سفر بڑے بڑے محلات بڑی بڑی گاڑیوں اور مسلح محافظوں میں کیسے تبدیل ہوا؟ جمیعت علمائے اسلام (ف) کے مرکزی سیکرٹری جنرل عبدالغفور حیدری کا سنہ 2021ء میں ایوانِ بالا میں دیا گیا اپنا بیان ریکارڈ پر ہے جب اُنہوں نے نیب (احتساب عدالت) میں پیشی کے حوالہ سے فرمایا: مولانا فضل الرحمان کی اسلام آباد میں دو ارب کی جائیداد دبئی سعودی عرب اور پاکستان میں کاروبار، میڈیا اور نیب ٹرائل زبانی کلامی ہے۔ ہم ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے نیب کے سامنے پیش نہیں ہوں گے۔ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟ دینی جماعتیں اور اُن کے راہبر ایسے ہوتے ہیں؟ یہ آخر کس بات کا خوف ہے؟ یہ تو ابھی کل کی بات ہے جب ٹی ایل پی کے لیڈر کے گھر سے ملکی اور غیر ملکی کرنسی قیمتی گھڑیاں اور سونا برآمد ہوا۔ اور یہ خبر بھی منظرِ عام پر آئی کہ اِس نومولود تحریک کے اثاثوں کی مالیت 23 ارب اور 40 کروڑ ہے۔ اور 92 بینک اکاؤنٹس۔ یہ سارا مال کس محنت مزدوری کا نتیجہ ہے؟ اَب اِن لوگوں کی جماعتوں کے خوبصورت نام (یا سائن بورڈز) دیکھیں۔ جنداللہ، تحریک لبیک یا رسول اللہ پاکستان، تحریک ختم نبوت، تحریک نفاذ شریعت محمدؐ، لشکر اسلامی، لشکر طیبہ، جیش محمدؐ، سپاہ صحابہ، جماعت الدعوہ، جماعت اسلامی، جماعت الفرقان، جماعت اہل حدیث، غازی فورس، 313 بریگیڈ، حزب التحریر۔ یہ ایک لمبی فہرست ہے۔ اور اِس میں 84 نام تو ایسے بھی ہیں جو اپنی ایسی ہی کہی اَن کہی "دِینی اور ملکی خدمات" کی بدولت کچھ کالعدم اور کچھ براہ راست حکومت کی زیرِ نگرانی ہیں۔ ایسے میں خیال آتا ہے، یہ اگر سبھی "چراغِ مصطفویؐ" تھوڑی تھوڑی سی بھی لو دیتے تو اُن کی یکجائی سے ہمارا پیارا ملک آج کچھ یُوں بُقعہ نور بنا نظر آتا جیسے چودھویں کا چاند ہے۔ اور اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِس ملک میں "سراجِ منیر" کی رُوحانی اور نورانی کرنوں کے پھیلاؤ میں کون مزاحم ہے؟ اِس سوال کا جواب میں قارئین خصوصاً سیرت النبیؐ سے آگاہ لوگوں کی نورِ بصیرت پر چھوڑتا ہوں!

پاکستان نے اگر اپنے بھرپور پوٹینشل (Potential) سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھنا اور جس کا سوفی صد امکان مُوجود ہے تو کٹھ ملائیت (جس نے آیاتِ محکمات اور مشترکات کی بجائے متشابہات کو اپنی جولان گاہ بنا رکھا ہے) کے اِس بُوجھ کو اُتار پھینکنا ہوگا۔ مذہب، جو عبد اور مَعبُود کے درمیان کا معاملہ ہے، اسے فی الفور حکومتی معاملات سے الگ کرنا اور حضرت قائداعظم کے دیئے لائحہ عمل کی طرف واپس جانا ہوگا۔ بصُورتِ دیگر ہمارا کوئی مستقبل نہیں۔ کہ ہم نے یہاں بارنگِ دِیگر چنگیزی کو دِیکھا ہے! اِس ضمن میں حکومت وقت اَصلی دانشوروں اور دین کا صحیح فہم رکھنے والوں کا یہ فرض ہے کہ وُہ ٹرک کی بتی کے پیچھے لگی عوام کو بھرپور آگہی فراہم کریں۔ اُنہیں آبِ حیات پلائیں اور سمجھائیں کہ وُہ جو آنحضورﷺ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے طریق سے ہٹے ہوئے ہیں وُہ سب کے سب جعل ساز گُھس بیٹھیے اور اسلام میں ناجائز تجاوزات کی مانند ہیں۔ اِن کے بہکاوے میں آنا پیچھے چلنا خود کو اور اپنی نسلوں کو ہلاکت کی راہ پر ڈالنا ہے۔ عاقبت کو خراب کرنا ہے۔ آخر یہ کون لوگ ہیں کہ اِن کے متعارف کردہ "دین" میں نیشنل ایکشن پلان کے تحت گیارہ ہزار سے زائد "علماء" نفرت انگیز تقاریر کی وجہ سے گرفتار کر لئے جاتے ہیں اور اگر یہ واقعی علماء تھے تو اِن کی گرفتاری چہ معنی دارد؟ جشنِ عیدمیلادالنبی کے مبارک موقع پر بھی درجنوں شہروں میں موبائل فون سروس اور سڑکیں بند کر دی جاتی ہیں۔ یہی احتیاط محرام الحرام کے موقع پر بھی برتی

جاتی ہے بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ وزارت داخلہ سینکڑوں ہزاروں "علماء" کی زبان بندی اور آمدورفت بھی محدود کر دیتی ہے تا کہ امن عامہ کی صورتحال قابو میں رہے۔ ہماری سالانہ سیکورٹی رپورٹ بتاتی ہے کہ اِس ملک میں ہزاروں کی تعداد میں فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات ہوتے اور ہزاروں ہی کی تعداد میں لوگ ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اور اِسی دین ملّاہی کی وجہ سے سپریم کورٹ آف پاکستان (زمین پر انصاف کا آخری ایوان) مبارک ثانی کیس میں دیئے گئے اپنے فیصلے (چار دیواری کے اندر مذہبی رسومات کی اجازت) کو سوری سوری کہتے ہوئے واپس لینے پر مجبُور ہو جاتی ہے۔ اِس پسپائی پر مولانا فضل الرحمن یُوں تبصرہ فرماتے ہیں: ہم نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس (قاضی فائز عیسیٰ) کو اُس کا فیصلہ چاٹنے پر مجبُور کر دیا! اور جب اسلام آباد ہائی کورٹ ایک وزیر اعظم کے خلاف توہین مذہب کی درخواست یہ کہہ کر خارج کر دیتی ہے کہ کسی شخص کے ایمان یا عقیدے پر دوسرا شخص سوال نہیں اُٹھا سکتا تو اخباری خبر میں احتیاطاً کسی جری جج کا نام نہیں لکھا جاتا۔ اور یہ بھی اِسی جاری روایت کا ہی تسلسل ہے کہ بُہت سارے جج اور وکلاء حضرات ایسا کوئی کیس سُنتے ہیں نہ پکڑتے ہیں جس کے پیچھے جان و مال کے ضیاع کا اندیشہ کارفرما ہو! اور یہ بھی کیسی عجب بات ہے کہ یہاں عجیب وغریب لوگ کہیں چیئرمین تو کہیں امیر تو کہیں کچھ بنے بیٹھے ہیں مگر محترم جاوید احمد غامدی ایسے عالم باعمل اور سلیم الفطرت لوگ حالات کے جبر کی وجہ سے جلاوطنی پر مجبُور ہو جاتے ہیں ۔قصور صرف یہ کہ وُہ نہ تو زبان و دہن کو بگڑنے دیتے ہیں اور نہ ہی کسی جانے انجانے خوف یا لالچ کی وجہ سے زبان کو دِل کی رفاقت سے محروم رکھتے ہیں! اور انجینیئر محمد علی مرزا جیسے لوگ جو نبی رحمتؐ کی محبت اور عظمت کے گیت گاتے ہیں، اُنہیں توہین رسالت اور توہین مذہب وغیرہ کے خود ساختہ الزامات کے تحت جیل کی ہوا کھانا پڑتی ہے۔ یہ ہم کدھر چل نکلے ہیں؟ پس چہ باید کرد؟ حال ہی میں سپریم کورٹ نے بھٹو نظر ثانی کیس میں تحریری فیصلہ سُنایا کہ بھٹو کی پھانسی کا فائدہ جنرل ضیاء الحق کو ہوا۔ معصوم شخص کو لٹکایا گیا۔ ٹرائل غیر شفاف تھا۔ اور یُوں عدالت عظمٰی نے قریب نصف صدی بعد خود پر لگے داغ کو کم ازکم اِس ایک پہلو سے دھو کر تاریخ کا ایک نیا باب رقم کر ڈالا! بعینہ اسلامی نظریاتی کونسل جس کے معزز ممبران نے یقیناً خود کو قرآن شریف کی اِس عمومی تعریف کہ (مفہوم) ہر گروہ جوان کے پاس تھا اِس پر اُترا رہا یعنی ہر کوئی اپنے اپنے جتھے میں خوش تھا (سورۃ الروم) سے خود کو اُوپر اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام رکھا ہوگا (سورۃ آلِ عمران) پر بھی ایک بُہت بڑی اور بھاری ذمے داری آن پڑی ہے کہ اَب وُہ بھی اپنے ڈومین یا دین کے فطری اور بنیادی تقاضوں کی پاسداری کرتے ہوئے اِس خوبصورت اخلاقی رَوایت کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے قوم کے سامنے سارا سچ لائے کہ اِتنی ہی مدّت قبل خود بھٹو حکومت (بمع حزب اختلاف) نے ستمبر سنہ 1974 میں جو نوے سالہ مسئلہ حل کیا تھا، وُہ بھی بھٹو کی پھانسی کی طرح ایسا ہی ایک غلط فیصلہ تھا۔ اُس کا فائدہ مولویوں کو پہنچا۔ اور وطن کو سولی پر لٹکایا گیا تھا۔ رسوائی اسلام کے اور تباہی قوم کے حصّہ میں آئی۔ پاکستانی قوم پھر محض اسلام کو ہی نہیں، قرار کو بھی ترسنے لگی۔ تب فریقین نے اپنے اپنے سیاسی مقاصد کے حصُول کے لئے مذہب کا بے دریغ استعمال کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے پیش نظر اپنی حکومت کی طوالت کا سوال تھا اور اُس نے ایک موقع پرست سیاستدان کے طور پر سوچا ؤ خود کیوں نہ مولویوں کی اُٹھائی اُس تحریک کا دُولہا بن جائے۔ جبکہ دوسری طرف اہل مدرسہ نے بھٹو کو استعمال کرتے ہوئے اُس گھڑی کو اپنے دیرینہ عزائم کی تکمیل کے لئے ایک سنہری موقع جانا۔ اور یہ اِسی طور ممکن تھا کہ ملک میں ترقی میرٹ اور جمہوریت کا گلہ گھونٹ کر اہل ہنر اور جوہر قابل کو دَر بدر کر دیا جائے۔ اور وُہ خود مرزا یار کی طرح سُنسان گلیوں میں آزادانہ گھومیں پھریں۔ گویا اِس سارے افسانے میں اسلام کا کہیں بھی ذِکر نہیں تھا۔ وگرنہ ہمارے ہاں بھی خوشبوؤں کا ایک نگر آباد ہوتا۔ جس شاخ پہ گلاب کا پھُول کِھلا ہو اُس کی تو مٹی بھی خوشبو دیتی ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مکمل ضابطہ حیات رکھنے والا اللہ کا پسندیدہ دین ہو مگر اُس کا نیک اور پاک اَثر ہماری حیاتِ اجتماعی میں نظر نہ آئے؟ بلکہ ہمارے احوال شب وروز اور معاملات کی روشنی میں تو کبھی کبھی یُوں لگے جیسے ہم جہنم کے ایندھن کا ایک بڑا سپلائی کنندہ بن کر سامنے آ رہے ہیں!!!

نظریاتی کونسل پاکستان میں مروّج اِس سفر اسلام جس میں لوگ بالعموم جوابدہی کے احساس سے بیگانہ اور بے باک نظر آتے ہیں، اُس کی تاریخ اور پس منظر سے بھی قوم کو آگاہی فراہم کرے کہ کس طرح ایک نو آزاد ملک کے لئے قائداعظم کی پالیسی تقریر کے انحراف سے شروع ہونے والا یہ سفر سنہ 1949 سے ہوتا سنہ 1953 اور سنہ 1974 کے ہنگامہ خیز دُور سے گزرتا ہوا 5 جولائی 1977 کے روز بالآخر اسلام کے اُس سپاہی سے مل کر اپنے اختتام کو پہنچ گیا جس نے براستہ تحریک نظام مصطفیٰ بھٹو حکومت کا تختہ اُلٹ کر اقتدار پر قبضہ کرلیا اور اپنی پہلی نشری تقریر میں عزیز ہم وطنو کو یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ اِس کام کا بیڑہ میں نے اسلام کے ایک سچے سپاہی کی حیثیت سے اُٹھایا ہے۔ اَب جن کے عشق کی انتہا اُلٹی چالیں چلنے والا ضیاء ہو، اُن کا اسلام اور فہم اسلام کیسا ہوگا؟ سو اِسی مضمون کے تسلسل میں اِس کی ایک مزید جھلک ہمیں ضیاء کے فوجی جانشین سابق آرمی چیف جنرل مرزا اسلم بیگ نے کچھ یُوں دِکھا رکھی ہے۔ وُہ یاسر عرفات کے ساتھ ہونے والی ایک ملاقات کے حوالے سے لکھتے ہیں "وُہ بھٹو کو پھانسی دیئے جانے پر سخت ناراض تھے۔ میں اِن سے ملنے گیا تو اُنہوں نے بتایا کہ جنرل ضیاء نے مسجد الحرام میں بیٹھ کر شاہ خالد کی مُوجودگی میں وعدہ کیا تھا کہ وُہ بھٹو کو پھانسی نہیں دیں گے۔ اُنہوں نے اپنے وعدے کا پاس نہیں کیا(اقتدار کی مجبُوریاں صفحہ 111)" مثالوں کی مدد سے مضمون کو کھُولنا اور واضح کرنا سُنت الٰہی ہے۔ نظریاتی کونسل کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ وُہ دلیل صُبح روشن کی اُمید کے ساتھ قوم کو مکمل مایوسی سے بچانے اور اظہار تشکر کے طور پر یہ بھی بتائے کہ جہاں ایک طرف قوم کے معتدبہ حصّہ نے مردِ مومن مردِ حق کے متعارف بلکہ ایجاد کردہ اسلام نُو کو قبول کیا وہاں دوسری طرف کچے کے ڈاکوؤں نے اِس کا انکار بھی کیا۔ اِس اجمال کی تفصیل کچھ اِس طرح ہے کہ رحیم یار خان کے تھانہ بھونگ کی حدود میں ڈاکوؤں نے ایک اٹھارہ سالہ نوجوان شاہد کو اغواء برائے تاوان کی غرض سے اُٹھایا اور بیس روز تک اُسے اپنی تحویل میں رکھا۔ لڑکے کے غریب ورثاء جو تاوان کی بھاری رقم بھرنے سے معذور تھے، اُنہوں نے جب قرآن شریف کا واسطہ دے کر مغوی کو رہا کرنے کی اپیل کی تو ڈاکوؤں نے اُسے فی الفور چھُوڑ دیا اور یُوں خود کو اپنے اِس دعویٰ میں سچا اور حق بجانب ثابت کر دکھایا کہ: تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے!!

بحالاتِ مُوجودہ نظریاتی کونسل ایسی سفارشات مرتب کرے کہ یہ قوم مذہب کے نام پر پھیلائے سبھی مغالطوں سے نکل کر اُس دینِ متین کی طرف چل پڑے جس میں کسی کو کسی کے ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ پہنچے۔ اور اسلام بھی "اسلام آبادیوں" کی گرفت سے آزاد ہو جائے۔ علاوہ ازیں کونسل قوم پر یہ نکتہ بھی شرح و بسط کے ساتھ کھُولے کہ آئین پاکستان میں توہین مذہب توہین رسالت اور ایسے ہی کچھ دوسرے (امتیازی) قوانین اور دفعات وغیرہ کو شامل کروانے کا مطلب مذہب کے ایسے سبھی علمبرداروں کا ایک بالواسطہ اعترافِ شکست تھا کہ وُہ اپنی دیگر ضروری نوعیت کی "مصروفیات" میں اُلجھے رہنے کی وجہ سے قوم کو نیک و بد سمجھانے اور اُس کا تزکیہ نفس کرنے سے قاصر اور غافل رہے۔ اور اُنہوں نے ایک شارٹ کٹ کے طور پر ریاستی قوت کا سہارا لیا۔ ایک اسلامی ملک اور غالب ترین مسلم آبادی۔ ایسے میں دینی مقدسات کی توہین تو کُجا، ایسی کسی بدزبانی اور گستاخی کا بھلا کوئی سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟ اسلامی نظریاتی کونسل کو بلا تاخیر اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے نیاز ہو کر اپنا تاریخی کردار ادا کرنے کے لئے آگے بڑھنا چاہیے۔ کہ یہ محض اسلام کی ہی نہیں ملک اور قوم کی بھی ایک بُہت بڑی خدمت ہے۔ اور شاید وقتِ انذار بھی۔ کہیں ایسا نہ ہو دِین کو مسلسل بازیچۂ اطفال بنائے رکھنے اور اللہ کو اپنا دین سکھانے (سورۃ الحجرات) کی پاداش میں ہم خدانخواستہ کسی بڑی آزمائش سے دوچار ہو جائیں۔ لاریبَ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی بُہت غیرت ہے! کیا کونسل ایسا کوئی قدم اُٹھائے گی کہ جس سے لگے پاکستان ایک ابنارمل ریاست سے نکل کر ایک نارمل خوشحال اور مستحکم سمت کی طرف چل پڑا ہے؟

مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں



جلیل الرحمن جمیل

میرے سفر کا ہمسفر، میری یادوں کا چراغ

(شہزادہ مبشر۔گلاسگو سکاٹ لینڈ)



کچھ لوگ ہماری زندگی میں محض آتے جاتے نہیں بلکہ وہ وقت کے اوراق پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتے ہیں۔ان کے ساتھ جڑے لمحات، سفر، گفتگو اور احساسات ایک ایسی امانت بن جاتے ہیں جو عمر بھر ساتھ رہتی ہے۔جلیل الرحمن جمیل میرے لیے ایسا ہی ایک ہمسفر، ایسا ہی ایک دوست، اور ایسا ہی ایک عہد تھا۔

میری اور جمیل کی دوستی کا آغاز بچپن کی اُن سادہ مگر سچی فضاؤں میں ہوا، پہلی ملاقات میں ہی اس کی شائستہ گفتگو، سحر انگیز لہجہ اور دلنشین انداز نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔وہ محض ایک عام لڑکا نہیں تھا اس کے اندر ایک ٹھہرا ہوا وقار، ایک فطری ذہانت اور ایک گہری حساسیت موجود تھی، جو بعد ازاں اس کی ادبی شخصیت کا بنیادی حوالہ بنی۔

جمیل کا اصل نام کنور جلیل الرحمن خان تھا اور اس نے ''جمیل'' کو بطور تخلص منتخب کیا تھا۔اور پھر ادبی حلقوں میں جمیل الرحمن سے شہرت پائی، جلیل الرحمن جمیل 22 جنوری 1954 کو محمد نگر، گڑھی شاہو لاہور میں پیدا ہوا۔جلیل الرحمن نے جمیل نے ابتدائی تعلیم لاہور میں اور اس کے بعد اپنے مرکز میں تعلیم الاسلام ہائی سکول اور ٹی آئی کالج سے حاصل کی کالج کے زمانے میں ادبی سرگرمیوں مشاعروں اور سالانہ ڈبیٹ کے پروگراموں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے ٹی آئی کالج یونین کے الیکشن میں ایک مرتبہ سیکرٹری بھی مقرر ہوئے پنجاب کے مختلف شہروں کے کالجز میں مختلف ادبی پروگراموں اور مقابلوں میں حصہ لینے کے لئے جاتے تو انعامات حاصل کر کے ہی واپس آتے۔ان کے دوستوں اور ادبی حلقوں کا دائرہ بہت وسیع تھا جلیل الرحمن جمیل کا تعلق ایک معزز اور علمی گھرانے سے تھا۔ان کے والد ڈاکٹر راؤ محمد حبیب الرحمن خان صدیق ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھے اور محکمہ زراعت سے وابستہ تھے۔حکومتی ذمہ داریوں کے باعث انہیں مختلف شہروں میں رہائش حاصل رہی، اور ان کا گھر علم، وقار اور نظم وضبط کا ایک حسین نمونہ تھا۔جمیل کی والدہ محترمہ امتہ الکریم صاحبہ بھی نہایت شفیق اور مہربان خاتون تھیں۔میں جب بھی ان کے گھر گیا، انہوں نے مجھے اپنے بیٹوں کی طرح محبت اور اپنائیت دی۔یوں جمیل کا گھر میرے لیے کبھی محض ایک دوست کا گھر نہیں رہا بلکہ ایک ایسا آنگن بن گیا جہاں مجھے ہمیشہ خلوص اور شفقت ملی۔

وقت کے ساتھ ہماری دوستی گہری ہوتی گئی، اور پھر 1977 کا وہ تاریخی لمحہ آیا جب ہم نے ایک طویل سفر ایک ساتھ طے کیا جس کا آغاز کیا لاہور سے شروع ہوا اور جرمنی میں جا کر اختتام پذیر ہوا۔یہ سفر محض جغرافیائی فاصلہ طے کرنے کا نام نہیں تھا، بلکہ یہ ایک آزمائش، ایک جدوجہد اور ایک خواب کی تعبیر کی تلاش تھی جو ہم دونوں کی آنکھوں میں یکساں تھے اس سفر میں جمیل ہر موڑ پر میرے ساتھ رہا۔جب حالات نے سختی دکھائی، وسائل کم پڑے، یا راستے دشوار ہوئے میں نے اور اس نے کبھی ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا۔وہ صرف ہمسفر نہیں تھا، وہ حوصلہ تھا، وہ امید تھا، وہ ایک ایسا ساتھی تھا جس کی موجودگی ہر مشکل کو آسان بنا دیتی تھی افغانستان کی سرزمین، ترکی کے راستے اور یورپ کی سرحدیں، ہم نے سب کچھ ایک ساتھ دیکھا، اچھے بُرے حالات کو ایک ساتھ جھیلا اور محسوس کیا۔یہی وہ سفر ہے جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب "خاکِ راہ" میں کیا ہے، اور اس داستان کا سب سے روشن اور وفادار

کردار بھی جلیل الرحمن جمیل ہے۔اس کی شخصیت صرف میری دوستی کا حوالہ نہیں بلکہ وہ ادب کا ایک روشن چراغ بھی تھا وہ تادمِ تحریر بیس کتابوں کا خالق تھا،اُس نے نہ صرف شاعری کی بلکہ تنقید اور صحافت میں بھی اپنی پہچان بنائی۔اس کا قلم ایک حساس دل کی ترجمانی کرتا تھا،جس میں وقت کی دھڑکن، انسان کے دکھ اور زندگی کے نشیب وفراز کی گہری جھلک ملتی ہے۔اس کی تصانیف اس کے فکری اور فنی سفر کی عکاس ہیں۔اس کے نمایاں مجموعہ ہائے کلام میں شامل ہیں:

''خواب، ہوا اور خوشبو''''کوئے بازگشت''(غزلیں)''کارنیوال''(نظمیں)''زمیں جب آنکھ کھولے گی''''لہو کی بوند جب بولے گی''،''ہم پہ سورج کہیں ڈوبتا ہی نہیں''''ڈوبتے دن کی سرگزشت''''قریۂ غزل''،''حرفِ سقراط''،''عکس ابھرتا نہیں''''لہو کی تال پ'' ''لہو کی لکیر پر'' ''کنارشی''''گم شدہ آسمان''''خلا زاد''''میورل''''جلتی آنکھیں بجھتے خواب''''چیخ اور چپ کے درمیان''''معدوم سے موجود تک''اور خاص طور پر علمِ عروض پر اس کی تصنیف''حدیقۃ العروض''اس کی علمی گہرائی اور فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔لندن میں ایم ٹی اے ٹیلی ویژن اسٹیشن کا آغاز ہوا تو وہاں جمیل الرحمن کے لکھے ہوئے ترانے، نغمے اور نظمیں سنی جاتی تھیں ادبی حلقوں میں جناب عبید اللہ علیم مرحوم اور موجودہ دور کے دور معروف شاعر جناب صابر ظفر سے خصوصی تعلق تھا۔عالمی شعراء سے تعلق کے علاوہ لندن کے ایک معروف شعراء کے گروپ جو کہ ساقی فاروقی گروپ کہلاتا ہے(ایک مشہور شاعر ساقی فاروقی کے نام کی نسبت سے معروف ہے)ان کی محافل میں خاص طور پر جانا رہتا تھا۔پاکستان میں قیام کے دوران لاہور میں پاک ٹی ہاؤس میں ملک کے نامور شعراء کی محفل میں مجھے ساتھ لے کر جایا کرتا تھا۔منیر نیازی،احمد ندیم قاسمی صاحب سے اس کا خصوصی تعلق رہا ادبی محافل میں شریک ہونا تو اس کا ایک جنون تھا ملک کے مختلف ادبی رسائل اور اخبارات کے ادبی صفحات کا دلچسپی سے مطالعہ کرنے کا بے اسے حد شوق تھا جب بھی کہیں چند شاعر دوستوں کی آپس میں ملاقات ہو جاتی شعر و شاعری کی محفل سجا لیتے تھے۔جلیل الرحمن جمیل نے والد کے تبادلوں کے باعث کئی بچپن میں بھی کئی ہجرتیں کیں اور پھر تا عمر سفرِ ہجرت میں ہی رہا۔

راقم الحروف خاکسار شہزادہ مبشر سے ساٹھ سال سے زائد عرصہ اس سے سے تعلق اور دوستی تھی بارہ تیرہ سال کی عمر میں ہماری دوستی شروع ہوئی جس دور میں جرمنی کے شہر سٹٹ گارٹ میں اس کا قیام تھا کبھی میں اس کو ملنے جاتا کبھی وہ نیورن برگ میں میرے پاس آیا کرتا مستقل قیام کی اجازت جرمنی میں نہ ہو سکنے کی وجہ سے اسے مجبوراً" ہالینڈ شفٹ ہونا پڑا اور پھر ہالینڈ کی ایک مقامی خاتون سے شادی کے بعد اسے ہالینڈ اور یورپ میں مستقل قیام کی اجازت مل گئی اور نیشنلٹی بھی مل گئی مستقل قیام کی اجازت ملتی ہی اپنی فیملی کے ہمراہ پاکستان اپنے والدین کے پاس بھی گیا اور واپس ہالینڈ آکر اپنے والدین اور تمام بہنوں بھائیوں کو اپنے پاس بلا لیا اور ایک لمبا عرصہ ہالینڈ قیام کے بعد اپنی فیملی بمعہ اپنے والدین لندن شفٹ ہو گئے۔ہجرت کے اس سفر میں اس نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار جرمنی، ہالینڈ اور پھر برطانیہ میں گزارے۔ستمبر 1977 سے 1982 تک جرمنی، پھر 1982 سے 2008 تک ہالینڈ میں رہا، اور اس کے بعد برطانیہ میں قیام، ان تمام ہجرتوں کے دوران بھی اس کا قلم رواں رہا۔اس کی شاعری پاک و ہند، یورپ اور برطانیہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔جلیل الرحمن جمیل کی صحت کافی عرصے سے خراب چلی آ رہی تھی صحت خراب ہونے کے باوجود وفات سے چند ہفتے قبل" خاک راہ" میری کتاب کا مسودہ پی ڈی ایف منگوا کے کئی دن بڑی باریک بینی سے بار بار اس کی نوک پلک کی اور بعض اغلاط کی نشاندہی کی اور اس مین مفید اور اہم امور پر راہنمائی بھی کی۔جیسے ہی اس کے علم میں یہ بات آئی کہ کراچی میں اس کتاب کی پبلیکیشن مکمل ہو چکی ہے اور جلد میرے پاس گلاسگو پہنچنے والی ہے تو اس نے شدید خواہش ظاہر کی کہ کتاب پرنٹ ہونے کے بعد میں اس کو ایک نظر ضرور دیکھ لوں۔اللہ تعالی نے اپنا خاص فضل کیا کتاب پرنٹ ہونے کے بعد

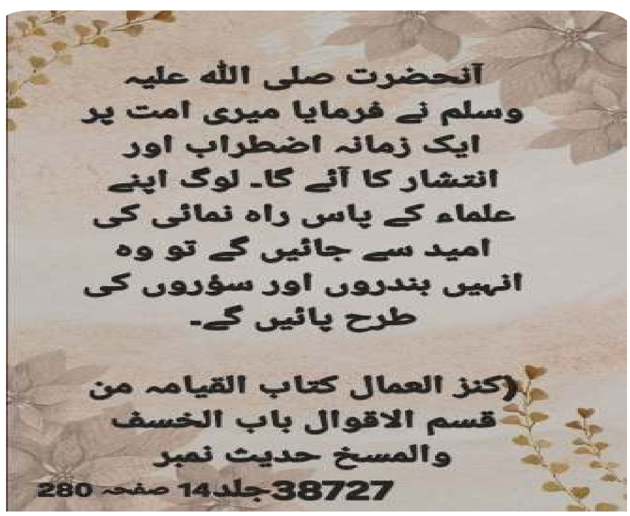
وفات سے ایک ہفتہ قبل ہسپتال میں پہنچا دی گئی کتاب کو دیکھ کر انہیں بے حد خوشی ہوئی۔

17 مارچ 2026 کو، عارضہ قلب اور سانس کی تکلیف کے باعث، جلیل الرحمن جمیل لندن میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ خبر سن کر یوں محسوس ہوا جیسے میرے وجود کا ایک حصہ جدا ہو گیا ہو۔ وہ دوست، جس کے ساتھ میں نے بچپن سے، جوانی اور تقریباً نصف صدی تک کا طویل دوستی سفر کیا، اور خوابوں کی تعبیر کی تلاش میں دنیا کے راستے ناپے اب ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا آج میرے پاس اس کی یادوں کے جگنو، لفظوں کی بازگشت کے سوا کچھ باقی نہ رہا، جلیل الرحمن جمیل صرف ایک دوست یا شاعر و ادیب ہی نہیں تھا، بلکہ وہ ایک احساس تھا۔ ایک رفاقت تھی۔ ایک ایسا چراغ جو بجھ کر بھی روشنی دیتا رہے گا۔

جلیل الرحمن جمیل کے والدین چند سال قبل وفات پا گئے تھے اس کے علاوہ گزشتہ سال ان کی ایک بہن نے وفات پائی۔ پسماندگان میں جمیل الرحمن کی دو بہنیں تین بھائی ذوجہ محترمہ اور ایک بیٹی اور ایک بیٹا موجود ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خاندان کے ان احباب کو صبرِ جمیل و اجرِ عظیم عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ہمیں اس کی یادوں کے ساتھ جینے کا حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

جلیل الرحمن جمیل

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁





احمدیت کے نڈر جانباز خادم زندہ باد

(جناب عبدالمنان صاحب ناہید)

آہ خادم تو بھی آخر چل دیا سوئے معاد
نوحہ خواں ہے سالِ نو کی اولین شب کا سواد
پھر ترے غم سے نمایاں ہو گئے سینے کے داغ
شاخِ گُل کو آ گئی ٹوٹے ہوئے پھولوں کی یاد
کفر کی ہر ضرب تھی تیرے لئے وجہِ ثبات
یعنی اس سے پختہ تر ہوتا تھا تیرا اعتقاد
کتنی دلکش تھی تری تقریر بھی تحریر بھی
تیرا اسلوبِ بیاں اور تیری طرزِ انتقاد
ہے بہشتی مقبرہ شاہد ترے ایمان پر
حق تو یہ ہے مر کے بھی تو پا گیا اپنی مراد
مضطرب دل مرضی مولا پہ راضی ہو گئے
اپنا بندہ لے گیا اپنے قریں رب العباد
غیر ممکن ہے کہ تجھ کو بھول جائے گی وہ قوم
عمر بھر جس نے تجھے دیکھا ہے مصروفِ جہاد
قوم کی تاریخ میں تو زندہ جاوید ہے
احمدیت کے نڈر جانباز خادم زندہ باد

(الفرقان جنوری 1958ء)



جلیل الرحمن جمیل احباب کی نظر میں

(ادارہ)

جلیل الرحمٰن جلیل صاحب کی کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔جن کے شروع میں کئی ایک مشہور نقاد نے اپنے تبصرے اور تعارف پیش کئے ہیں۔قندیل حق کے قارئین کے لئے اُن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔



ہم پہ سورج کہیں ڈوبتا ہی نہیں۔پیش لفظ (نصیر احمد قمر)

’زمیں جب آنکھ کھولے گی‘ اور ’لہو کی بوند بولے گی‘ کے بعد ’ہم پہ سورج کہیں ڈوبتا ہی نہیں‘ جمیل الرحمن کا تیسرا مجموعہ کلام ہے۔اس مجموعہ میں شامل اکثر نظمیں ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل کے شماروں میں شائع ہو چکی ہیں اور بعض گیت اور نغمے ایم ٹی اے انٹرنیشنل کے ذریعہ نشر ہو کر دنیا بھر کے احمدیوں میں قبولیت کا شرف پا چکے ہیں۔ان گیتوں اور نغموں میں بنیادی طور پر عصر حاضر کی ایک عظیم حقیقت یعنی اسلام احمدیت کی صداقت کی نوید دی گئی ہے۔بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ:’’خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام دنیا میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا...... ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پیئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلا آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا‘‘۔اسی طرح آپؑ نے فرمایا:’’میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے...... یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا ہے۔خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے‘‘۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔مصائب کے زلزلے آئے،حوادث کی آندھیاں چلیں،چاروں طرف سے لعن طعن کی بارشیں ہوئیں۔مسیح محمدی کے عشاق کو طرح طرح کے صدمات کا تختۂ مشق بنایا گیا اور انہیں نابود کرنے کے لئے ہر حربہ اختیار کیا گیا لیکن جیسا کہ خدا کا وعدہ تھا یہ شجرہ؟ طیبہ پھولا،پھلا،اس کی شاخیں ہر طرف سے نکلیں اور آج خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم اور اس کی نصرت و تائید کے روشن نشانات کے ساتھ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک دنیا کے 190 ممالک میں احمدیت کا پودا قائم ہو چکا ہے اور یہ ایک تابندہ حقیقت ہے کہ عالم احمدیت پر سورج نہیں ڈوبتا۔

دیدہ ور ہو تو دیکھو یہ اعجاز حق	عالم احمدیت اُفق در اُفق
جس پہ سورج کہیں ڈوبتا ہی نہیں	ہم پہ سورج کبھی ڈوبتا ہی نہیں

جمیل الرحمن بھی اسی الوہی شجر کی ایک شاخ اور احمدیت کے درختِ وجود کا ایک حصہ ہے۔اسے بخوبی علم ہے کہ احمدیت کی ترقی کا یہ سفر پھولوں کی سیج

پر نہیں ہوا۔اس سفر میں جا بجا اخلاص و وفا اور قربانیوں کی بہت سی دلگداز داستانیں پھیلی پڑی ہیں۔

کھلے قید خانے سجے لاکھ مقتل	اٹھائی گئی رہ میں دیوار ہر پل
بہت آزمائے ہیں باطل نے کس بل	مگر روز افزوں یہ سیل وفا ہے

یہ پربھو کی پربھا نہیں ہے تو کیا ہے

ربوہ میں احمدیہ پریس کی ضبطی کا واقعہ ہو یا سانحہ مونگ یا پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا یا انڈونیشیا کے احمدیوں پر ظلم وستم کے واقعات، جمیل الرحمن کے حساس دل میں ایک تلاطم بپا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے جذبات کو نہایت خوبصورت نغموں میں ڈھالتا ہے۔کبھی وہ اپنے دوستوں کے حوصلے بڑھاتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہوتا ہے:

تم خدا کے شیر ہو جری ہو تم دلیر ہو	نہیں تمہیں غم زیاں فلک ہے تم پہ مہرباں
ہو خاک پائے مصطفٰیؐ، غلام مہدی زماں	مسافتیں سمیٹ لو، چلے چلو، بڑھے چلو

خدا تمہارے ساتھ ہے، خدا تمہارے ساتھ ہے

اور کبھی یوں گویا ہوتا ہے:

دیارِ شب میں دعا کے دیئے جلا کے چلو	بہ حالِ زار بھی تم اپنے سر اٹھا کے چلو
غرور اہلِ ستم اپنی ٹھوکروں میں رکھو	رہِ وفا میں قدم سے قدم ملا کے چلو

اور کبھی دشمن سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

بے سود ہیں وہ جتنے بھی تم ظلم کرو گے	قدموں پہ مسیحا کے بہر حال گرو گے
تم کیسے بدل سکتے ہو آئندہ کی تقدیر	لاریب ہے زنجیرِ ستم موم کی زنجیر

جمیل الرحمن کو اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا احساس ہے اور جب وہ اپنی ذات کے اندر جھانکتا ہے تو غم میں ڈوب جاتا ہے اور اسے یہ فکر دامنگیر ہوتا ہے کہ 'جو ہم نے یہاں کمایا ہے کس ترازو میں دیکھیں تلتا ہے'۔لیکن اسے اسلام احمدیت کی سچائی اور الٰہی نصرت و تائید کے وعدوں پر کامل ایمان اور مرشد کی دعاؤں پر بڑا بھروسہ ہے۔اس کے ان گیتوں میں خدائی نصرت کے وعدوں کے ایفاء کی پُرشوکت گونج بہت نمایاں ہے۔

خلافت کا ذکر آئے تو محبت وفدائیت کے بے پناہ جذبات سے اس کا دل جھوم اٹھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے کلام میں بھی ایک خاص اہتزاز کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔مختلف ممالک میں حضرت خلیفۃ المسیح کے استقبالیہ گیتوں میں عشق و وارفتگی کی یہ کیفیات عشاقانِ خلافت کے جذبات کی بھر پور عکاسی کرتی ہیں۔کبھی وہ حضرت خلیفۃ المسیح سے اپنی محبت کا اظہار سیدی، مرشدی، یا حبیبی کے الفاظ سے کرتا ہے اور کبھی جانِ عالم، رشکِ خوباں، مہرِ تاباں، صبحِ نگاراں، مطربِ حق، نغمہ جاں، نگارِ امنِ عالم، نجم سحر، موسمِ جاں اور نکہت عرفان جیسی مبنی بر صداقت نہایت خوبصورت اور دلاویز تراکیب سے آپ سے مخاطب ہوتا ہے۔وہ خلافت کی عظمت واہمیت اور اس کی بے پناہ برکات سے خوب آگاہ ہے۔اور اس نے ان مضامین کو اپنی نظموں اور گیتوں میں بہت عمدگی سے اور دلوں میں اتر جانے والے الفاظ میں بیان کیا ہے۔صد سالہ خلافت جوبلی کی مناسبت سے خلافت احمدیہ کے سو سال پورا ہونے پر اس کا تہنیتی گیت بھی اپنا ایک خاص رنگ لئے ہوئے ہے۔

الغرض ’ہم پہ سورج کہیں ڈوبتا ہی نہیں‘ زندہ حقیقتوں پر مشتمل جمیل الرحمن کی بہت خوبصورت اور پاکیزہ نظموں اور گیتوں کا ایک ایمان افروز اور ولولہ انگیز دلکش مجموعہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیل الرحمن کی قلبی اور ذہنی صلاحیتوں کو روشن سے روشن تر فرماتا رہے اور اس کا شمار ان مومن شعراء میں ہو جو ایمان و عملِ صالح کے زیور سے آراستہ اور روح القدس سے تائید یافتہ ہیں۔ خدا کرے کہ حضرت مصلح موعودؓ کی درج ذیل دعا کا فیض بھی ہمیشہ ان کے شاملِ حال رہے۔

زباں مرہم بنے پیاروں کے حق میں	مگر اعداء کو کاٹے مثل شمشیر
وہ جذبہ ہم میں پیدا ہو الٰہی	جو دشمن ہیں کریں ان کی بھی تسخیر
دلوں کی ظلمتوں کو دور کر دیں	ہماری بات میں ایسی ہو تاثیر
وہی بولیں جو دل میں ہو ہمارے	خلاف فعل ہو اپنی نہ تقریر
ہماری بات میں برکت ہو ایسی	کہ ڈالے روح مُردہ استخواں میں
الٰہی نور تیرا جاگزیں ہو	زباں میں، سینہ میں، دل میں، دہاں میں

(آمین ۔ خاکسار نصیر احمد قمر)



شاعر اور شاعری کے بیان میں

ہر روز کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا ہے۔ جس کی شدت میری روح کو جھنجھوڑ کر اسے تارِ مضراب کی طرح مرتعش کر دیتی ہے۔ کربِ ذات اور آشوبِ آگہی کے تماشے کی اذیت اس پر مستزاد ہے۔ آگ اور لہو کا کھیل طاغوتی منصوبہ بندی کے تحت جس عیاری اور تسلسل سے جاری ہے۔ وہ یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ رقصِ شیاطین کا دائرۂ عمل سمٹنے کے بجائے اور بھی پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ ایسے میں الوہی مواعید کے جگمگاتے ہوئے آسمان کے تلے پھیلی ہوئی دھند کی دبیز تہوں سے جھانکتی خداوند کے جلال کی روشنی ہی صرف وہ امید بن کر رہ گئی ہے۔ جس کا سورج کبھی اور کہیں نہیں ڈوبتا!

اپنے شش جہت میں پھیلی ہوئی ایسی نیم روشن دھند میں جب ایک شاعر کی قوم اپنے عہدِ ابتلا سے گزر رہی ہو۔ اس شاعر کا فرضِ منصبی اس کے سوا اور کیا بنتا ہے کہ ایک طرف تو وہ ایمان و یقین کی سرزمین پر آرزوؤں کے باغ لگا کر ان میں خوابوں کے پھول کھلاتا رہے اور دوسری طرف اپنے قبیلے کے اجتماعی حوصلے اور امنگوں کو اپنے جذبوں میں سمو کر فن کی سطح پر ایسی تخلیقات کو معرضِ وجود میں لائے۔ جو دنیا کے روبرو اس کے قبیلے کے محسوسات کی نیابت کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

میں تاریخ کے ایک سنجیدہ قاری کی حیثیت سے اب تک یہی سمجھ پایا ہوں کہ تاریخ کا وار بہت کاری پڑتا ہے۔ وہ شعراء جنہوں نے دورِ مصائب میں اپنی قوم کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر وقت کی آندھیوں کا سامنا کرنے کی بجائے فن کی سطح پر اپنے فرضِ منصبی سے رخ پھیر لیا۔ تاریخ نے انہیں کسی طور معاف نہیں کیا۔ فن کے دائرے میں اغیار کے خوف اور اپنے نام و نمود پر کسی طرح کی کوئی آنچ نہ آنے دینے کی جس خود فریب خواہش نے انہیں اپنے فرائضِ منصبی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ تاریخ کے صفحات پر اسی خواہش کے نتیجے میں ان کے نام کے نقوشِ پا کی گرد تک نظر نہیں آتی۔

سوا اپنی بقا کے لئے ثانوی مفادات کو پسِ پشت ڈال کر وقت کی آواز پر اپنے کان دھرنا، ہر قبیلے کے ہر فنکار کا فرضِ اولین ہے۔ میں اپنا یہ فرض کہاں تک پورا کر سکا ہوں۔ اس کا فیصلہ آنے والا کل کرے گا۔ فی الحال تو مجھے یہی کہنا ہے کہ ہر احمدی کی طرح مجھے بھی یقینِ کامل ہے کہ بہت جلد یہ دنیا سچے خدا کی قدرتوں کو جان لے گی۔ اور اس پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ احمدی یا احمدیت اسلام کے کسی نئے فرقے یا گروہ کا نام نہیں بلکہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے اس الوہی پیغام کا تجسیم شدہ پیکر ہے۔ جو اپنے دامن میں خلافت اللہ جیسی نعمت سمیٹے ہوئے ہے۔ احمدیت سے وابستہ ہونے اور اس کی راہ میں روڑے نہ اٹکانے ہی میں اب نوعِ انسان کی فلاح و بہبود مضمر ہے۔ خلافتِ احمدیہ کسی روایتی سجادہ نشینی کا نام نہیں۔ یہ فیوضِ جسمانی اور افاضاتِ روحانی اچھالتے ہوئے اُس آبِ بقا کا منبع ہے۔ جسے خدا نے جماعتِ احمدیہ کو بطورِ انعام عطا کر کے خود اس کی سچائی پر فعلی شہادت دی ہے۔

اس امر کی صداقت و اہمیت پر جماعتِ احمدیہ کی گذشتہ صد سالہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ کس طرح خلیفۃ اللہ کی دعاؤں کی بدولت عداوت کی کوندتی ہوئی بجلیاں شبنمی صبحوں اور مچل مچل کر اٹھتی ہوئی آندھیاں بادِ صبا کے روپ میں ڈھل گئیں۔ اور اپنے تخت و تاج، کلاہ و مسند، جبہ و دستار پر نازاں جس کم نظر نے بھی خلافتِ احمدیہ سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ خدائے قادر و توانا نے اس کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ سیدی و مرشدی حضرت مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خلافتِ خامسہ کے جاری عہدِ مبارک میں جماعتِ احمدیہ پر خدائے کریم و رحیم کے بے پایاں الطاف و اکرام کے بادل جس طرح پیہم برس رہے ہیں۔ دشمنانِ احمدیت کو اسی طرح اپنی تمام تر عیاریوں کے باوجود ہر موڑ پر روزانہ ایک نئی نامرادی، ناکامی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ تین برس کی یہ کاوش قارئین کے سامنے رکھتے ہوئے کتنے ہی احباب و اعزہ کی بے لوث محبتوں اور دعاؤں کے تذکرے کے بغیر یہ تحریر نامکمل رہے گی۔ ناموں کے انتخاب کا یہ مرحلہ میرے لئے جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ پھر بھی مجھے توقع ہے کہ جو نام بوجوہ اس فہرست میں شامل نہیں ہو سکے وہ بھی مجھے اپنی محبت اور دعا سے محروم نہیں رکھیں گے۔ اس کتاب کی تکمیل و اشاعت کے مختلف مراحل کے دوران جن احباب کی معاونت شامل رہی ان میں؛

1۔ جناب نصیر احمد قمر مدیر اعلیٰ الفضل انٹرنیشنل (برطانیہ) 2۔ محترمہ عمرانہ نصیر (آسٹریلیا) 3۔ اخویم جناب عبدالرشید آرکیٹیکٹ (برطانیہ)

4۔ عزیزم برادرم محمد مجیب الرحمن شکیل سلمہٗ (ہالینڈ) 5۔ عزیزم برادرم محمد وقیع الرحمن عقیل سلمہٗ (سوئٹزرلینڈ)

6۔ عزیزم برادرم محمد وجیہہ الرحمن خلیل سلمہٗ (ہالینڈ) 7۔ محترم جناب تسنیم احمد بٹ (بھارت)

کے اسمائے گرامی خصوصی دعا اور شکریے کے مستحق ہیں۔

میں جناب نصیر احمد قمر مدیر اعلیٰ الفضل انٹرنیشنل (برطانیہ) کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں جنہیں میرے انتہائی اصرار پر بہت کم وقت میں اس کتاب کا پیش رس تحریر کرنے کی زحمت اٹھانی پڑی۔ جزاکم اللہ۔ میں اکنافِ عالم میں پھیلے ہوئے ان تمام احمدی بزرگوں، نوجوانوں، بچوں اور خواتین کا بھی انتہائی مشکور ہوں۔ جن کی بے پایاں محبتوں اور دعاؤں نے مجھے ہر لمحے مالا مال کئے رکھا۔ مجھے قوی امید ہے کہ انہوں نے جس تپاک سے میری پہلی دو کتابوں کی پذیرائی کی۔ 'ہم پہ سورج کہیں ڈوبتا ہی نہیں' کو بھی اسی توجہ اور محبت کا مستحق سمجھیں گے۔ حرفِ آخر کے طور پر میں وہی بات کہنا چاہتا ہوں۔ جس سے ہم سب کی نبضیں اور سانسیں جڑی ہیں۔ یعنی خلافتِ احمدیہ سے دیوانگی کی حد تک عشق کرنے اور اس کی اطاعت گزاری میں فنا ہونے ہی میں ہماری بقا اور ترقی کا ہر رازِ نہاں ہے۔ ہمیں اور ہماری نسلوں کو ہر موڑ پر اس کی روح القدس سے فیض یافتہ رہنمائی اور دعاؤں کی ضرورت پڑے گی۔ سر خاک خدا کی آخری جماعتِ احمدیہ کا اعزاز پانے کے بعد اس الوہی نعمت کی اپنی جان سے بڑھ کر حفاظت کرنا اور اسے ہر لحظہ خود سے زیادہ پیار کرنا ہمارا ایمان ہی نہیں اولین فریضہ بھی ہے۔ ایسے میں جب کہ خلافت کے ظہور کی پہلی صدی مکمل ہونے والی ہے۔ میں تمام جماعتِ احمدیہ عالمگیر کو اس عظیم

الشان الوہی نعمت کو پانے اور اس کی اہمیت کو سمجھنے پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ خداوندِ رحمان و رحیم مجھے اور میری نسلوں کو بھی اس عظیم نعمت سے وابستہ رہنے اور اس کے فیوض سے متمتع ہونے کی توفیق عطا کرتا رہے۔ آمین ثم آمین۔ جمیل الرحمن (ہالینڈ)



جمیل الرحمٰن۔ پروفیسر پرویز پروازی۔ تاریخِ وفا کا مورّخ

اردو ادب کی تاریخ میں ترقی پسند تحریک ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ کیونکہ اس تحریک نے ادب کو نیا لب ولہجہ عطا کیا تھا۔ شومیٔ قسمت سے ہمارے مورّخوں نے اس تحریک کو ہمیشہ اشتراکیت کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ اس تحریک کے ابتدائی وابستگان کے ہاں اشتراکی رجحانات غالب نظر آتے تھے، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے آگے دنیا بھر میں آزادی، مساوات اور اقتصادی استحصال سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تحریکیں پنپ رہی تھیں اور وہ ساری تحریکیں اشتراکی نہیں تھیں۔

میں نے ترقی پسند تحریک کے جس لب ولہجہ کا ذکر کیا ہے وہ لب ولہجہ ہمارے افسانوی ادب سے زیادہ ہماری شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔ رومانوی تحریک کے لب ولہجہ میں ذرا سی تندی اور بغاوت کا عنصر شامل کر دیا جائے تو شاید اس لب ولہجہ کا ہلکا سا اندازہ کرنا ممکن ہو۔ جوش کے یاں، جو رومانوی تحریک کا منفرد شاعر تھا، یہ لہجہ ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر جوش بنیادی طور پر بغاوت پسند شاعر نہیں تھا کیونکہ یہ چیز اس کی طبیعت اور اپج کے خلاف تھی۔ اس لئے اس کے لہجہ کی ساری توانائی محرومی اور گھٹن کا احاطہ اور اظہار کرنے کی بجائے لفظوں کی یورش اور یلغار میں صرف ہوگئی۔ کہیں کہیں اس نے انگریز کو للکارا بھی ہے تو یہ للکار اس شخص کی للکار ہے جو لڑنے بھڑنے کے بجائے کمین گاہ کی اوٹ سے محض للکارنے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ ترقی پسند لہجہ کا جو رنگ ورنگ وروپ مجاز، اختر الایمان اور جان نثار اختر کے ہاں ابھرتا نظر آتا ہے وہی فیض، ساحر اور سردار جعفری کے ہاں پختگی اختیار کرتا اور توانائی پکڑتا ہے۔ ایسا رومانوی لہجہ جس میں محرومی، گھٹن اور جبر کے خلاف بغاوت، سرکشی اور سرکشیدگی کا عنصر ابھرتا ہوا نظر آئے، ایک للکار سی ابھرتی ہوئی محسوس ہو۔ یوں ہو کہ شاعر مصائب کے سیلِ بے پناہ کے سامنے سینہ سپر ہی نظر نہ آئے اسے للکارتا بھی نظر آئے۔ میں ترقی پسند تحریک کے اس لب ولہجہ کا تفصیل سے اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ مجھے جمیل کے ہاں اسی توانا لہجہ کا پرتو نظر آرہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ ایک تنہا دردمند احمدی شاعر ہے جو جماعتِ احمدیہ کے خلاف ہونے والے ظلم وستم کے خلاف مسلسل احتجاج کی حالت میں ہے۔ اس کی شاعری

لہو کی بارش میں جو نہائے یہ ان شہیدوں کا بانکپن ہے

''جو مقتل گاہوں میں اُگ رہے ہیں'' وہ سارے منظر اس کی شاعری کا موضوع ہیں اور ایسے موضوع سے انصاف کرنا آسان نہیں ہوتا۔

ایسا آساں نہیں لہو رونا دل میں طاقت، جگر میں حال کہاں

جمیل کی شاعری کا سارا منظر نامہ میرے سامنے ہے۔ کالج کے زمانہ سے ہی اس ''سر پھرے دیوانے'' شاعر کے اندر آگ سی سلگتی نظر آتی تھی۔ اس کی ساری توانائیاں حرفِ احتجاج میں ڈھلنے کو بے تاب رہتی تھیں۔ وہ احتجاج کسی بھی چیز کے خلاف ہوسکتا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا اور اس کا ذہن پختہ ہوتا گیا، اس کی سوچ میں گداز اور اس کے لہجہ میں بانکپن پیدا ہوتا گیا۔ ہجرت کے تجربہ نے اسے نیا آہنگ عطا کیا۔ ہجرت کوئی معمولی عمل نہیں ہوتا۔ یہ جسم وجاں کو گداز کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس کی ''ہجرت، کے باب میں بھی کہیں پہ سولی، کہیں قفس تھا'' اس لئے کہ جمیل ہجرت کی سولی چڑھ کر اترا ہے۔ اس کے لب ولہجہ میں صلیب اور مصلوب، دونوں کا وجود نمایاں ہے۔

فلک پہ نظریں گڑی ہوئی ہیں — بدن میں میخیں جڑی ہوئی ہیں
تماشا کیا خوب ہو رہا ہے — مسیح مصلوب ہو رہا ہے

1974 کے سانحہ کے بعد اس نے اپنے دیس کے لوگوں کو آگاہ کیا تھا:

اتنا یاد رکھو کہ جب بھی	معصوموں کا خونِ زمین پر
بے دردی سے بہہ جاتا ہے	ایک قیامت آ جاتی ہے
خون کے قطرے شعلے بن کر	جابر و قاہر سرداروں کو
ظلم کی ساری دیواروں کو	پل میں پھونک کر رکھ دیتے ہیں

1984 کا سانحہ ہوا تو اس نے نوحہ نہیں کیا۔اس نے اپنے احتجاج کو اک نئے زاویے سے روشناس اظہار کیا۔

کسے خبر ہے؟ میرے قبیلے کے سب بہادر	صفیں جمائے بدن پر سب اسلحہ سجائے
خموش و ساکت کھڑے ہیں۔تو۔کس لئے کھڑے ہیں	دنوں سے کیوں۔وہ میرِ سپاہ کی سمت دیکھتے ہیں

صبر و استقامت اور اطاعت کے اس رخ کی طرف اشارہ کرنا ہی اس کے کلام کا امتیاز ہے۔اس نے کچھ بھی نہ کہہ کر سب کچھ کہہ دیا ہے کہ 'میرِ سپاہ کی سمت دیکھنے والے' اس کے اشارے کے منتظر ہیں مگر میرِ سپاہ کا مسلک صلح جوئی اور ضبط کے سوا کچھ اور نہیں۔اس گروہِ وفا شعاراں کے سامنے، تیسرے امام کا کہا ہوا موجود ہے کہ ''محبت سب کے لئے، نفرت کسی سے نہیں۔''

جمیل نے خود کو سرمد و منصور کی میراث کا وارث کہا ہے تو کوئی ایسی انمل، بے جوڑ بات نہیں کہی ہے۔اس کا کلام اس کی بات کا گواہ ہے۔

پروفیسر پرویز پروازی...اپسالا۔سویڈن 25 اکتوبر 1992ء



جمیل الرحمان ایک نظر میں (کتاب کے اندر والا ٹائٹل)

اصل نام: کنور محمد جلیل الرحمان خاں جمیل — والد کا نام: ڈاکٹر راؤ محمد حبیب الرحمان خاں صدیق

پیدائش: 22 جنوری 1954 محمد نگر گڑھی شاہو، لاہور — قلمی نام: جمیل الرحمان... مشاغل: ادب و صحافت

خصوصی دلچسپی: اردو زبان و ادب، علم المعانی و علم البیان — مراحلِ ہجرت: ستمبر 1977 تا ستمبر 1982 مغربی جرمنی

اکتوبر 1982 تا اکتوبر 2008 ہالینڈ — اکتوبر 2008 تا حال برطانیہ

ادبی شناخت: شاعر، نقاد

ادبی خدمات: سابق جوائنٹ سیکریٹری (1975_77) حلقہ تخلیق ادب، لاہور سابق مدیرِ اعلیٰ، سہ لسانی جریدہ "المصور" 1982_87 (جرمنی)

بانی کنوینر: لٹریچر اینڈ آرٹ سوسائٹی 1991 (ہالینڈ)

تخلیقات: 1۔زمین جب آنکھ کھولے گی۔(1996) 2۔لہو کی بوند بولے گی۔(2004) 3۔ہم پہ سورج کہیں ڈوبتا ہی نہیں۔(2006) 4۔خواب، ہوا اور خوشبو (2008) 5۔کارنیوال۔(2012) 6۔کوئے بازگشت (غزلوں کی پہلی کتاب) (2012) 7۔میورل (2014) 8۔خلا زاد

(2016)9۔لہو کی لکیر پر(2017)10۔گم شدہ آسمان(2019)11۔کنارشی(2020)12۔جلتی آنکھیں بجھتے خواب(2022)13۔معدوم سے موجود تک(2022)14۔لہو کی تال پر(2025)15۔ Off The Strange Waters (2025)

16۔ ایک تھا شاعر زیر اشاعت 17۔ حدیقۃ العروض زیرِ ترتیب

میں تمہیں رد کرتا ہوں تم مجھے رد کر دو لیکن میری آنکھوں میں سلائیاں پھرنے اور کانوں میں سیسہ انڈیلنے سے پہلے مجھ سے ان پرندوں کی پیشگوئی سن لو جو تمہارے شہر سے ہجرت کر چکے ہیں۔

''خواب گلی کا آوارہ گرد'' سے ایک اقتباس۔جمیل الرحمٰن؛

کنور جمیل الرحمان صاحب نے بلاشبہ کیفیت کا ایک یکسر نیا منظر نامہ ترتیب دیا ہے۔نثری نظم کا جامعاتی تناظر اپنے کس قدر وسیع معانی اور کیفیاتی اسلوب میں دیکھا اور برتا جاسکتا ہے اس سوال کے گم شدہ جواب کو جمیل الرحمان صاحب نے اپنے قاری کی بصری وحسی جولان گاہ تک میورل کی شکل میں ایک واضح اور بہترین سلاست کے ساتھ پہنچایا ہے۔یہ نظمیں قدیم خانقاہوں میں سلگتی ہوئی لوبان کی ان اگربتیوں ایسی ہیں کہ جن کی بزرگ خوشبو اپنے پڑھنے والے کو اپنے درست منظر و پس منظر سے روشناس کرواتی ہے۔یقین ہے کہ یہ کتاب اپنے وجدانی مصاحبین کی باوقار صحبت پوری خوش اسلوبی کے ساتھ بنا ہے گی۔ ادارہ



زمین جب آنکھ کھولے گی

میں نے شاعری اور ادب کے بارے میں مروجہ نظریات ومفروضات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی راہ خود وضع کرنے کی کوشش میں تاریخ وادب کا یہ قرض چکانے کی جو سعی کی ہے اسے بھی میری باغی روح کا ایک اور ردِعمل سمجھئے۔کیونکہ میں نے صرف مور ہی کو نہیں دیکھا۔مور کے پاؤں بھی دیکھے ہیں......انسانیت کی تمام تر خوبصورتی اور عظمتوں کے باوجود میں انسان کے اس پیچیدہ کردار کو نظر انداز نہیں کرسکتا جس کے انسانی حرمت،شرافت،خوابوں اور خواہشوں کی راکھ ازل سے گرم اور روشن ہے میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اس عہدِ پُر آشوب کو رفتگاں کی تاریخ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں پایا۔تاریخ کا یہ المیہ ہے کہ وہ ایک عہد کے واقعات من وعن بیان تو کر دیتی ہے مگر اس دور کے ردِعمل اور محسوسات کو نظر انداز کر دیتی ہے۔میرے نزدیک تاریخ وادب کے باہمی ارتباط سے اس خلاء کو پُر کیا جاسکتا ہے اور یہی میں نے کرنے کی کوشش کی ہے۔بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں احمدیت اور احمدیوں کے خلاف عالمی سازشوں کا جو تانا بانا بُنا گیا......اس میں ذاتی سطح پر مجھے دو ایسے واقعات سے دوچار ہونا پڑا جنہیں آئندہ برپا ہونے والی قیامت کا پیش خیمہ سمجھنے کے لئے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔اربابِ اختیار کے ہاتھوں میرے والد ڈاکٹر محمد حبیب الرحمن کی جبری ریٹائرمنٹ اور میرے عزیز دوست ابرار احمد سوری فلائنگ آفیسر شہید کا بہیمانہ قتل ...... دیگر حادثات کے علاوہ یہ واقعات میرے محسوسات کو اس لرزہ خیز ماحول میں مہمیز لگانے کے لئے کافی تھے،جس میں اجتماعی سطح پر آج بھی پاکستانی احمدی اپنی بقا کی جدوجہد میں برسرِ پیکار ہیں۔

اپنی شاعری (یا جو کچھ بھی ہے) قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بے پناہ شفقت کو یاد کئے بغیر نہیں رہ سکتا جن کی حوصلہ افزائیوں نے مجھے ہر قدم پر ایک نیا اعتماد،عزم اور حوصلہ بخشا،اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔کاش میں یہ کتاب ان کی خدمتِ اقدس میں پیش کرسکتا۔

سیدنا وامامنا ومرشدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری نالائقیوں کے باوجود ہمیشہ مجھے اپنی شفقت اور مشورے سے نوازا۔ یہی اعزاز میرے لئے کیا کم ہے کہ اس کتاب میں ان کے دستِ مبارک سے اصلاح شدہ ایک مصرعہ بھی شاملِ کلام ہے۔

محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد ابن ڈاکٹر حضرت مرزا منور احمد، مکرم محمد اکرم محمود، محترم پروفیسر جناب محمد خالد اور ڈاکٹر خالد احمد عطاء صاحب کا بھی بوجوہ ممنون ہوں کہ وہ میرے اس سفر میں کسی نہ کسی رنگ میں ہر طرح شریک رہے ہیں۔ خاص طور پر میں استاذی المکرم محترم جناب ڈاکٹر پروفیسر ناصر احمد پرویز پروازی کا انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے انتہائی خلوص ومحبت سے اس کتاب کا دیباچہ رقم کرنے کی زحمت اٹھائی۔ یہ کتاب میرے والدین، بہن بھائیوں اور بیوی کی دعاؤں کا لازوال ثمرہ اور اپنے بچوں، زارا، نینا اور دانیال رحمان کی طرح نئی نسل کے لئے وہ تحفہ ہے جس کے حرفوں کی روشنی میں امید ہے کہ انہیں اپنے ماضی کی تاریخ سے محسوسات کی سطح پر روشناس ہونے کا موقع میسر آئے گا اور وقت کے طاق میں بفضلِ ایزدی جب احمدیت کی گوناگوں عظمتوں اور رفعتوں کے نئے چراغ روشن ہوں گے تو ایسے میں محبت کے بلند میناروں سے انہیں ماضی کی راہ میں پھیلے ظلم ونفرت کے وہ سائے ضرور نظر آجائیں گے جنھوں نے ان کے اجداد کو نگلنے کی ناکام کوشش کی تھی شاید ایسے میں وہ یہ جان کر کہ زندہ قومیں تاریخ کا قرض کس طرح ادا کرتی ہیں ......میرے حق میں بھی دعائے خیر کرسکیں۔ حرفِ آخر کے طور پر مجھے صرف یہی کہنا ہے اگر میری والدہ کی دعائیں اور خواہشیں میرے شاملِ حال نہ ہوتیں تو یہ کتاب کبھی منظرِ عام پر نہ آتی۔ ربِ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں اس فریضہ سے سبکدوش ہوا۔ کتاب کی خوبیوں اور خامیوں کا فیصلہ میں وقت کی عدالت پر چھوڑتا ہوں۔



جمیل الرحمن ایمسٹرڈیم۔ہالینڈ

12/11/1996ء

جمیل الرحمان۔چیخ اور چپ کے درمیان (عین تابش)

آج سے کوئی پندرہ سولہ سال پہلے جمیل الرحمن (پیدائش 1954ء) کی غزلوں کے مجموعے ''کوئے بازگشت'' کے دیباچے میں شمس الرحمن فاروقی نے لکھا تھا کہ ''اس مجموعے میں اچھے اور تازہ کاری سے بھرے ہوئے اشعار اس کثرت سے ہیں کہ جی چاہتا ہے، سارا مضمون اشعار ہی سے بھر دیا جائے۔'' جو لوگ فاروقی صاحب کی صاف گوئی اور بے باکی سے واقف ہیں، وہ اس رائے کو مبالغہ آمیز تحسین پر ہرگز محمول نہ کریں گے۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے، تو میں اس وقت خوش گوار حیرت میں ڈوب گیا جب زیرِ نظر مجموعہ ''چیخ اور چپ کے درمیان'' پڑھتے ہوئے میں بھی اسی شدید احساس سے ہم کنار ہوا۔ یہاں بھی بیشتر اشعار اپنی دلکشی اور تازگی کی بنا پر بار بار دامنِ دل کھینچتے ہیں، اور ہمیں اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کلام کی تازہ کاری دراصل انداز واسلوب کی تازہ کاری ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہ یہ تازگی کلام کی خوبی سے مشروط ہے۔ یعنی، ایسا ہوسکتا ہے کہ شعر کسی پہلو سے بہ ظاہر ہمیں نیا اور تازہ محسوس ہو، لیکن وہ بیان کی خوبی کی رو سے مکمل اور کامیاب نہ ٹھہرے۔ ایسی صورت میں شعر کی خوبی اور تازگی کا محض التباس پیدا ہوتا ہے، اور کچھ نہیں۔ جمیل الرحمن کے یہاں کلام کی خوبی اور تازگی کا ایسا دل کش امتزاج ہے، جس کے سحر سے نکلنا کسی بھی صاحبِ ذوق کے لیے آسان نہیں معلوم ہوتا۔

جمیل الرحمن کا شعری سفر کم وبیش چار دہائیوں پر پھیلا ہوا ہے، اور وہ اس وقت بھی تخلیقی طور پر فعال ہیں۔ ان کا شمار ایسے مخصوص جدید شعرا میں ہوتا

ہے، جنھوں نے نظم اور غزل دونوں میدان میں اپنی تخلیقی قوت کا اظہار کیا ہے۔ البتہ جمیل الرحمن اپنے معاصرین میں اس لحاظ سے بہت نمایاں نظر آتے ہیں کہ انہوں نے اگرچہ نظموں کی طرف توجہ زیادہ کی ہے اور ان کی نظموں کے مجموعوں کی تعداد بھی زیادہ ہے، تاہم غزل گوئی میں بھی ان کا تخلیقی اظہار اس بلا کا ہے کہ ہمیں یہ فیصلہ کرنا بسا اوقات مشکل معلوم ہوتا ہے کہ غزل اور نظم میں سے ان کا زیادہ بہتر اور پر قوت وسیلہ ? اظہار قرار دیا جائے۔

جمیل الرحمن کی غزل گوئی کے بارے میں بالعموم اور زیرِ نظر غزلوں کے تعلق سے بالخصوص گفتگو کرنے سے پہلے ایک دو بنیادی باتوں کی طرف آپ کو متوجہ کرنا مناسب اور برمحل معلوم ہوتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ 1960ء کے آس پاس جدید غزل کے نمائندہ شعرا نے کلاسیکی اردو و فارسی شعری روایت سے تخلیقی رشتہ قائم رکھتے ہوئے اپنے لیے نئی راہیں تلاش کیں اور اظہار کے نت نئے امکانات کے جویا رہے۔ اس تلاش و جستجو میں کلاسیکی شعریات کا یہ تصور ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہا کہ طرزِ بیان کی جدت کلام کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی ہے۔ ملحوظ رہے کہ اسی صفت کو قدما نے ''جدتِ ادا'' کہا ہے۔ ظاہر ہے، بیان کی یہی جدت کلام کی تازہ کاری کا بڑا وسیلہ قرار پائی ہے۔ چناں چہ جدید غزل گو اس نکتے سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ بیان کی سطح پر نیا پن پیدا کرنا کلام کی خوبی کا ضامن ہے۔ اس سلسلے کی دوسری بے حد اہم بات یہ ہے کہ جدید غزل میں کلاسیکی مضامین کو بسا اوقات من و عن اختیار نہیں کیا گیا، بلکہ ان مضامین کو نئے خیالات اور جدید تجربات کے ساتھ اس طرح منسلک کر کے شعر میں ڈھالا گیا کہ غزل کے جسم میں نئی جان پڑ گئی۔ کلاسیکی عہد کے بعد اور جدید دور سے پہلے کی غزل میں یہ پہلو خال خال ہی نظر آتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ شاید یہ رہی کہ اس عرصے کے دوران غزل گو شعرا کا ایک گروہ وہ تھا جس نے کلاسیکی غزل کی بنیاد سے خود کو دور رکھا، اور جن غزل گویوں نے کلاسیکی روایت پر تکیہ کیا، انہوں نے اپنے خیالات کو کم و بیش روایتی انداز میں بیان کرنے کو کافی سمجھا۔ روایتی انداز سے یہاں میری مراد کلاسیکی غزل کی مخصوص لفظیات اور ان کا طرزِ استعمال ہے۔ اس تناظر میں جب ہم جدید غزل کو دیکھتے ہیں تو اس کا جدید ہونا زیادہ معنی خیز معلوم ہونے لگتا ہے۔ اوپر بیان کردہ مختصر تمہید کی روشنی میں جمیل الرحمن کی غزلوں کو ہم دیکھتے ہیں تو وہ اس میدان میں اپنے معاصرین سے بڑی حد تک مختلف نظر آتے ہیں۔ ان کی الگ پہچان کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ کلاسیکی شعری روایت بالخصوص کلاسیکی غزل کے گہرے رمز شناس ہیں۔ انہیں ان امور سے بہ خوبی واقفیت ہے، جن سے کلام کلاسک کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ یہاں ان امور سے میری مراد فن کے وہ بنیادی تقاضے اور نکات ہیں جن کی کارفرمائی ہماری شعری روایت میں پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر رہی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کلاسیکی روایت سے استفادے کی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں سب سے عام صورت یہ ہے کہ کلاسیکی مضامین کو مروجہ الفاظ، عام تشبیہات اور استعاروں کے ساتھ روایتی انداز میں استعمال کیا جائے۔ اس صورت میں یہ استفادہ بڑی حد تک بے جان اور معنی خیزی سے عاری ہوتا ہے۔ یعنی، یہاں شاعر کے نزدیک مضمون کی بندش ہی کافی ہوتی ہے، اس لیے شعر مکمل تو ہو جاتا ہے، اور اگر شاعر مشاق ہے تو لطف کے کچھ پہلو بھی شعر میں پیدا کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس حقیقی اور تخلیقی استفادہ ہم اسے کہتے ہیں، جہاں اشعار کی تہ میں کلاسیکیت کی نادیدہ موجیں اپنی روانی کا احساس دلائیں۔ ملحوظ رہے کہ یہ کیفیت انہیں شعرا کا مقسوم ٹھہرتی ہے، جن کا مزاج اپنی روایت کے گہرے شعور سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ جمیل الرحمن کا شعور اور تخلیقی مزاج اس صفت سے مملو ہے، جس کا بہت خوب صورت اظہار ان کی غزلوں میں ہوا ہے۔ ان کے پچھلے مجموعے ''کوئے بازگشت'' سے یہ اشعار دیکھیے تو مذکورہ بالا کیفیت کا بخوبی احساس ہوگا:

اس گلی میں ایسے روئے حشر برپا کر دیا	کم نما ہے وہ تو اپنی بے کلی کم نہیں
نمازِ عشق ادا کی اگرچہ مہر بلب	جمیل سجدے میں باتیں ہزار کر آئے
اب تک اسی کی گونج میں لپٹا ہوا ہوں میں	اک عمر ہو گئی ہے کسی کو صدا دیے

مندرجہ بالا آخری شعر کے ساتھ منیر نیازی کا یہ شعر پڑھیے:

آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے	ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائگاں تو ہے

جیسا کہ ظاہر ہے، دونوں شعروں میں صدا دینے کے بعد کی صورتِ حال کا اظہار ہوا ہے۔ منیر نیازی کا شعر اس لحاظ سے شدید تاثیر کا حامل ہے کہ یہاں اگرچہ امید اور نا امیدی کے بیچ کی کیفیت کا بیان ہے، لیکن شعر کے لہجے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نا امیدی اور لا حاصلی کا احساس امید پر پوری طرح غالب ہے، جسے سفر کے رائگاں جانے کے یقینی احساس نے مزید گہرا کر دیا ہے۔ اس شعر کی خوبی کی بنیاد دراصل اسی احساس کی شدت اور کیفیت کے برجستہ اظہار پر ہے۔ جمیل الرحمن کے شعر کا حسن احساس سے زیادہ استعاراتی پیکر اور معنی کی کثیر الجہتی پر قائم ہے۔ یہاں متکلم کی اپنی ہی آواز کا گونج بن جانا اور ایک عمر گزر جانے کے بعد بھی اس کے اثر کا قائم رہنا معنی کے کئی امکانات پیدا کرتا ہے۔ اپنی ہی صدا کی گونج میں لپٹے ہوئے ہونے کا پیکر کس قدر تازہ اور معنی خیز ہے۔ علاوہ ازیں، شعر میں معنی کے امکانات پر غور کیجیے تو یہ پہلو فوری طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آواز کی گونج ہمیشہ سناٹے اور ویرانی میں ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ متکلم ایک عمر سے ایسی جگہ پر ہے جہاں دور دور تک کسی دوسری آواز کا وجود نہیں۔ مزید یہ کہ اس کا وجود اس کی اپنی آوازِ بازگشت سے وابستہ ہو کر زمان و مکاں کی گرفت سے باہر ہو گیا ہے۔ جسے آواز دی گئی ہے، اس کے ملنے کی امید شاید پہلے ہی نہیں تھی، اس لیے متکلم کی آواز خود اس کے وجود کا حصہ بن گئی ہے۔ اپنی ہی آواز کی گونج میں لپٹنے سے ایک ہلکا سا اشارہ اس بات کا بھی ملتا ہے کہ متکلم اپنی عمر اسی آواز کے سہارے گزارنے پر مجبور ہوا ہے، لیکن یہ جبر اس کے لیے باعثِ اذیت نہیں ہے۔ ان باتوں کے باوجود بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ شعر کے تمام پہلوؤں تک ہماری رسائی ہو گئی ہے۔

جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں، جمیل الرحمن کی غزل گوئی کی عمومی کیفیت بیان کی تازہ کاری اور کلام کی معنی خیزی کے حسین امتزاج سے عبارت ہے۔ یہی امتزاج ان کے تازہ مجموعے کی غزلوں میں ذرا اور شدت کے ساتھ نمایاں ہوا ہے۔ اسے ان کی غزل گوئی کا اگلا قدم کہنا مناسب نہ ہوگا، بلکہ یہ کہنا زیادہ بامعنی ہوگا کہ ''کوئے بازگشت'' کے بعد وہ غزل میں اظہار و بیان کی سطح پر جدت اور تازگی پیدا کرنے کی طرف زیادہ مائل رہے ہیں۔

جہاں تک جمیل الرحمن کی طرزِ فکر اور طرزِ احساس کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اول و آخر جدید فکر و احساس کے حامل نمائندہ شعرا میں بہت نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ البتہ دیگر قابلِ ذکر اور نمائندہ جدید شعرا کی طرح دنیا کو دیکھنے اور جدید عہد میں انسانی زندگی سے وابستہ معاملات کو تخلیقی تجربے میں ڈھالنے کا ان کا اپنا مخصوص طرز ہے۔ نا امیدی، نارسائی اور لا حاصلی کے ساتھ اداسی اور محرومی وغیرہ کی کیفیات جدید غزل کی بہت نمایاں صفات رہی ہیں۔ چناں چہ جمیل الرحمن کے یہاں بھی یہ کیفیت جگہ جگہ بالواسطہ صورت میں محسوس کی جا سکتی ہے، لیکن قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ان احساسات کو ایسے تازہ کار پیرا ہے کے ساتھ اشعار میں ڈھالا ہے کہ وہی پیرایہ بیان ان کی غزل کا امتیازی نشان بن گیا ہے۔ یہ صفت اس مجموعے میں جا بجا بہت نمایاں صورت میں نظر آتی ہے۔ جمیل الرحمن کی غزل میں کار فرما استعاروں میں آواز اور اس سے منسلک عناصر کو بڑی حد تک بنیادی استعارے کی حیثیت حاصل ہے۔ زیرِ نظر مجموعے میں یہ استعارہ کئی جگہ مختلف پہلوؤں کے ساتھ برتا گیا ہے۔ یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مجموعے کے عنوان ''چیخ اور چپ کے درمیان'' سے ہی اس استعارے کی اہمیت اور معنویت ظاہر ہو جاتی ہے پہلے وہ شعر دیکھ لیجیے جس سے یہ عنوان ماخوذ ہے: چیخ اور چپ کے درمیاں ہوں میں

اور تو بھی یہیں کہیں ہے یار

اگر ذرا غور و تامل سے کام لیا جائے تو اس شعر کی سطح پر ہی ''چیخ'' اور ''چپ'' کے استعاراتی ابعاد کچھ نہ کچھ روشن ہونے لگتے ہیں۔لیکن ذرا ٹھہریے، کیوں کہ یہ لفظ/ الفاظ مجموعے میں اور کئی اشعار میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔انہیں بھی سامنے رکھ لیتے ہیں:

سراپا چیخ بن کر گھومتا ہے	ترے کوچے میں اک تیرا مسافر
لوگ زندہ سمجھ رہے ہیں مجھے	اور میں اپنے مزار میں چپ ہوں
گرد اڑاتی ہے مجھ میں چیخ مری	میں صدا کے غبار میں چپ ہوں
چپ ہوں صحرا کی چیخ دریا کی	کیا کہوں یار تجھ سے کیا ہوں میں

مندرجہ بالا اشعار جہاں ایک طرف چیخ اور چپ کی استعاراتی معنویت کی وسعت کو ظاہر کرتے ہیں، وہیں یہ اس بات کا ثبوت بھی ہیں کہ ایک ہی استعارے کو شاعر نے مختلف تناظر کے ساتھ نئے نئے پیرا ہے میں اس خوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ ہر شعر میں معنی کی الگ دنیا آباد نظر آتی ہے۔چیخ اور چپ کے انسلاکات پر غور کریں تو انسانی وجود کی بظاہر دو متضاد حالتیں بالکل سامنے نظر آتی ہیں۔لیکن جب اسے ہم اشعار میں بیان کردہ تجربے کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو چیخ کا لفظ انسانی وجود میں پیوست اس اذیت ناک تکلیف کا استعارہ بن جاتا ہے جو جدید عہد کی عطا کردہ ہے۔ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اذیت ناک انسانیت کے ساتھ ازل سے وابستہ ہے، جس سے کسی صورت مفر ممکن نہیں۔اس کی تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ وہ اس کیفیت میں روتا اور چلاتا رہے اور چیختے چلاتے خاموش ہو جائے۔کبھی کبھی یہ چیخ پکار کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا پہلے شعر میں ہم دیکھتے ہیں، جہاں مسافر کا چیخ چیخ کر پکارنا لا حاصل ٹھہرتا ہے۔درج بالا دوسرے شعر میں متکلم کے وجود کو مزار کی خاموشی سے تعبیر کرنا، اور تیسرے شعر میں چیخ کا باطن میں گرد اڑانا اور متکلم کا صدا کے غبار میں چپ ہو جانا ایسی جہات رکھتے ہیں جن میں معنی کے بہت سے پہلو پوشیدہ ہیں۔چوتھا شعر اس بات کی بہت عمدہ مثال ہے کہ جمیل الرحمن بظاہر سامنے کے الفاظ اور پیکر کو اس مہارت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ وہی سامنے کے الفاظ وسیع معنوی امکانات اپنے اندر سمیٹ لیتے ہیں۔متکلم کا خود کو صحرا کی خاموشی اور دریا کی چیخ کہنا نہایت بلیغ اظہار تو ہے ہی، یہ بذاتِ خود بیان کی جدت کی دلیل ہے۔ان اشعار کے پیشِ نظر یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجموعے کا عنوان یعنی ''چیخ اور چپ کے درمیان'' جمیل الرحمن کی تازہ غزلوں کا استعاراتی اظہار ہے۔یعنی متکلم یا انسانی وجود کی اذیت ناکی اور خاموشی کے بیچ کی حالت اس کلام کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔

جدید شاعری بالخصوص جدید غزل کے بارے میں یہ بات بہت شد و مد کے ساتھ کہی جاتی رہی ہے کہ اس میں کائنات اور دنیا کے بجائے ذات کے اظہار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اور انسانی وجود کی شکست و ریخت اور اس کی پیدا کردہ صورتِ حال جدید غزل کا بنیادی موضوع ہے۔ہم جانتے ہیں کہ ایک مخصوص نظریۂ ادب کے زیرِ اثر غزل کے اس پہلو کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جدید غزل کو جو مقبولیت عام حاصل ہوا، اس کے بہت دور رس اثرات رونما ہوئے۔اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جدید نظریۂ ادب نے تخلیقی اظہار کے لیے شاعر کے آزادانہ یعنی ذاتی اور انفرادی فکر و احساس کو مقدم قرار دیا۔اسی طرح اظہارِ ذات کے علاوہ انسانی وجود کے ان پہلوؤں کو معرضِ اظہار میں لانے پر زور دیا گیا، جن کا گہرا تعلق دنیا، انسان اور خالقِ کائنات کے باہمی رشتے سے ہے۔یہی سبب ہے کہ جدید شعرا کے یہاں فکر و خیال کے یہ پہلو نہایت معنی خیز صورت میں سامنے آئے ہیں۔ملحوظ رہے کہ یہ موضوع مشرقی شعری روایت خاص کر اردو اور فارسی غزل کی طویل روایت میں آفاقی حیثیت رکھتا ہے، اور اسے مختلف مضامین کی صورت میں جدید غزل گویوں نے بھی کثرت سے برتا ہے۔جمیل الرحمن کے یہاں اس کا اظہار کئی جگہ بڑی خوبی اور تازہ کاری کے ساتھ ہوا

ہے۔ان کے یہاں متکلم کی صورت میں جدید انسان کے مقابلے میں انسان کی ازلی حیثیت زیادہ نمایاں ہے۔مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

مہلتِ عمرِ رائگاں کے سوا	کارِ دنیا ہے کیا زیاں کے سوا
ستارہ رات کا ساتھی ازل سے	میں اپنی صبح کا تنہا مسافر
اے اجل تجھ سے پیار کرنا کیا	جب جیا ہی نہیں تو مرنا کیا

مندرجہ بالا تیسرے شعر میں لہجے کی برجستگی اور زورِ بیان کی خوبی تو ظاہر ہے،لیکن مضمون کو جس طرز میں ادا کیا گیا ہے،اس سے معنی کی کئی پرتیں کھلتی محسوس ہوتی ہیں۔''جب جیا ہی نہیں تو مرنا کیا'' میں جینے اور مرنے کے بہت سے پہلو پوشیدہ ہیں۔میری زندگی وہ تھی ہی نہیں جسے حقیقی معنی میں زندگی کہا جا سکے۔میں بہ ظاہر زندہ رہا مگر میرا وجود بے جان تھا۔جس شخص کی زندگی ہی موت جیسی ہو،وہ موت کی تمنا کیا کرے۔''جب جیا ہی نہیں'' کا فقرہ اس معنی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ مجھے زندگی نصیب ہی نہیں ہوئی،اس لیے میرے مرنے کا سوال ہی بے معنی ہے۔

دنیا میں انسان کا ورود ہی کیوں ہوا،اگر بے نام ونشاں ہوجانا ہی اس کا مقدر تھا؟ یہ سوال ہماری شعری روایت کے چند بے حد اہم سوالات میں شامل ہے،جسے مضمون کی صورت میں بڑے شعرا نے بیان کیا ہے۔میر کہتے ہیں:

حرفِ غلط تھے کیا ہم صفحے پہ زندگی کے	جو صاف یوں قضا نے ہم کو مٹا دیا ہے

(دیوانِ سوم)

غالب نے اسے یوں کہا ہے:

یا رب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے	لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

ان شعروں میں مذکورہ سوال کے تئیں میر اور غالب کے زاویہ فکر کو واضح طور سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔میر کے نزدیک ہمیں مٹا دیا جانا دراصل ہمارے مقدر میں ہی لکھا تھا،لیکن یہ سوال بہرحال اپنی جگہ قائم ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا گیا،یعنی ہماری ہستی میں ایسی کیا خامی تھی؟ غالب اس صورتِ حال کا ذمہ دار زمانے کو قرار دیتے ہیں،اور خدا سے یہ سوال پوچھتے ہیں کہ زمانہ انسان کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتا ہے؟ اب جمیل الرحمن کا یہ شعر دیکھیے:

تیری تحریر ہوں مگر تو نے	کیسے کاغذ پہ لکھ دیا ہے مجھے

میری نظر میں یہ شعر کئی لحاظ سے قابلِ توجہ ہے۔پہلی بات یہ کہ جمیل الرحمن نے اپنی کلاسیکی روایت سے جو انتہائی معنی خیز استفادہ کیا ہے،اس کی بہت سی مثالوں میں ایک عمدہ مثال یہ شعر بھی ہے۔دوسری بات یہ کہ انہوں نے میر اور غالب کے اشعار کے سامنے اس مضمون کا چراغ اس طرح روشن کیا ہے کہ اس کی روشنی میں معنی ومفہوم کے مزید کئی رنگ شامل ہو گئے ہیں۔اس شعر پر غالب کے مصرعے''کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا'' کا بھی ہلکا سا اثر شاید محسوس ہوسکتا ہے،لیکن زیرِ بحث شعر کو براہِ راست غالب سے اثر پذیر ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے۔اس ضمن میں تیسری بات یہ ہے کہ سادگی اور سلاست کے ساتھ یہاں مضمون کو اس پیرایے میں بیان کیا گیا ہے کہ معنی کے کئی امکانات روشن ہو گئے ہیں۔''تیری تحریر ہوں'' بہ یک وقت انسانی تخلیق کی حقیقت اور خالق سے اس کے ازلی رشتے کا اعتراف واعلان ہے۔علاوہ ازیں،اس میں انسان کا اپنے پیدا کرنے والے کے تئیں گہرے اور مخصوص تعلق خاطر کا بھی اظہار ہے،یعنی میں جو بھی ہوں،جیسا بھی ہوں،بس تیرا ہی ہوں۔اس کے بعد یہ سوال کہ مجھے تو نے کیسے کاغذ پر لکھ دیا ہے،بہت بڑے المیے کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔دوسرے مصرعے کا انشائیہ طرز اور کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر کا استعاراتی پیکر کئی پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔شعر میں انسانی وجود

کے لیے تحریر کا استعارہ خاص طور سے قابلِ توجہ ہے۔تحریر بذاتِ خود بے حد اہم اور با معنی چیز ہے،اور اگر یہ خالقِ کائنات کی تحریر ہے تو اس کی اہمیت اور معنویت کی مکمل آگاہی کا ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔یہاں انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا پہلو بھی اس استعارے میں شامل ہوجاتا ہے۔اس صورت میں ''کیسے کاغذ'' کا فقرہ کئی طرح کے معنوی امکانات پیدا کرتا ہے۔اوّل تو یہی کہ کاغذ میں کوئی پائیداری نہیں ہوتی،دوسرے یہ کہ جس کاغذ پر تحریر لکھی گئی وہ بوسیدہ تھا،یا وہ کاغذ ہی ایسا تھا جس پر تحریر پوری طرح نمایاں نہیں ہوئی۔یہ تمام پہلو انسانی وجود کی المناکی اور لایعنیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

جمیل الرحمن نے عشقیہ مضامین کے بیان میں غیر معمولی فنی سلیقہ مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔یہاں متکلم غزل کے معروف عاشق سے زیادہ ہماری دنیا کے فرد کی صورت میں نمایاں ہوا ہے۔نارسائی اور تنہائی کا تجربہ اس کی زندگی کے ساتھ ہمیشہ سے وابستہ ہے،جس سے نجات کی کوئی صورت نہیں دکھائی دیتی۔اس عالم میں دنیا اور اہلِ دنیا کی ریشہ دوانیاں اسے مزید اذیتوں سے دوچار کرتی ہیں۔آرزو کی عدم تکمیل اس کے لیے باعثِ ملال تو ہے،لیکن وہ اس کیفیت میں بھی اپنی محرومی اور اداسی کی بدولت زندگی کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے:

جاوداں ہے شجر اداسی کا	سیلِ غم سے وہی بچا ہو گا
اک ستارے سے دوستی ہے مری	صبح تک مجھ کو جاگنا ہوگا
دنیا ترا فسوں بھی تو مجھ پر نہیں چلا	کچھ رہ گیا تھا مجھ میں جو پتھر نہیں ہوا
اک زندگی ہی مجھ سے گریزاں نہیں رہی	میں بھی جمیل اس کو میسر نہیں ہوا

مندرجہ بالا آخری دونوں اشعار میں جس تیور کا اظہار ہوا ہے،اس کی اور بھی مثالیں ان غزلوں میں نظر آتی ہیں۔بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کی غزلوں میں لہجے کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے۔یہ مثالیں دیکھیے:

میں کہاں ایسے رونے والا تھا	زد میں یادوں کی آ گیا تنہا
یہ کس فسوں نے مجھے رکھ لیا نشانے پر	وہی گلی ہے مگر وہ مکاں نہیں موجود
خود فراموش تھے سو جی لیے اتنا ہم بھی	جن کے سینے میں ہو دل زندہ کہاں رہتے ہیں
وہ گلی اس شہر میں تھی ہی نہیں	جس گلی کا شہر نے غوغا کیا
جس کو جانا تھا جا چکا ہے جمیل	نقشِ پا کا ہوا کرے گی کیا
جب وہ مرا نہیں تو کسی آرزو سے کیا	کوئی خدا بھی ہو تو مجھے جستجو سے کیا
زہر لگتی ہے پرسشِ احوال	کیا بتاؤں میں کیا ہوا ہے مجھے

درج بالا آخری شعر کو میر کے مندرجہ ذیل شعر کے ساتھ پڑھیے تو اس شعر میں لہجے کی کاٹ دار دل کشی اور معنی کی وسعت زیادہ روشن ہوجائے گی:

ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی تس پر	پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

(دیوانِ اوّل)

جیسا کہ ظاہر ہے،میر کے شعر میں عشق کے تجربے کا براہِ راست اظہار ہوا ہے،جب کہ جمیل الرحمن نے ''پرسشِ احوال'' اور ''کیا ہوا ہے مجھے'' کے

مبہم فقروں کے ذریعے مضمون کو وسیع کینوس پر پھیلا دیا ہے۔ اب یہ شعر محض عشقیہ نہیں رہا، عام انسانی تجربے سے وابستہ ہو گیا ہے۔

میری نظر میں جمیل الرحمن کی غزل کا ایک بہت نمایاں اور پر قوت پہلو الفاظ کا ایسا استعمال ہے جس سے شعر لہجے کی سطح پر ہمیں متوجہ کرتا ہے۔ اور کئی جگہ شعر کا لہجہ معنی کی پہلو داری اور استحکام میں معاون ہوتا ہے۔ یہ صفت بہت کم غزل گوئیوں کے حصے میں آئی ہے۔ جمیل الرحمن کے یہاں لہجے کی کارفرمائی زبان و بیان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا ثبوت بھی فراہم کرتی ہے۔

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ جمیل الرحمن کی تخلیقی کارگزاری میں ان کی فنی ہنرمندی کا بہت بڑا دخل ہے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ایک لفظ کے استعمال میں جس مہارت کا ثبوت دیتے ہیں، اس کی بہت سی مثالیں ان غزلوں میں موجود ہیں۔ بطور نمونہ یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

سرِ راہ ایک بادل رو پڑا تھا	رکا اور دیر تک بھیگا مسافر
جو اس کے ہجر میں دل پر کہیں ابھرتا ہے	وہ نجمِ خواب سرِ آسماں نہیں موجود
کسی کے لمس کے اسرار کیا کھلیں گے جمیل	وہ ایک چیخ ہے جس کا نشاں نہیں موجود

طرف انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، وہیں اپنی خود اعتمادی بھی ظاہر کی ہے۔ اس ضمن میں یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ احمد مشتاق کی ایک نہایت عمدہ اور مشہور غزل ہے جس کا مطلع حسب ذیل ہے:

مل ہی جائے گا کبھی دل کو یقیں رہتا ہے	وہ اسی شہر کی گلیوں میں کہیں رہتا ہے

اس زمین میں جمیل الرحمن نے جو غزل کہی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شعر گوئی پر بلا کی قدرت حاصل ہے۔ ان کی غزل کے دو شعر ملاحظہ کیجیے:

اک تو مہتاب ٹھکانے پہ نہیں رہتا ہے	کچھ مرا دھیان بھی اب اور کہیں رہتا ہے
رات بھر اس کو سناتا ہوں کہانی اپنی	صبح تک یاد جسے کچھ بھی نہیں رہتا ہے

دوسرا شعر معنی خیز وسعت اور طرزِ بیان کی برجستگی کی بنا پر داد سے مستغنی کہا جا سکتا ہے۔ یہ شعر ایسے اشعار کی قبیل سے ہے جو زمان و مکاں کی قید سے باہر نکل جاتے ہیں۔

فن کی حیثیت سے شاعری کی غیر معمولی قدر و منزلت کا سچا احساس ہر زمانے کے شعرا کو رہا ہے، جس کا وہ اظہار بھی کرتے رہے ہیں۔ جمیل الرحمن نے ایک شعر میں یہ بات ایسے پیرائے میں بیان کی ہے جس کی کوئی اور مثال ملنا مشکل ہے:

باہم آمیز ہوں یہ عشق و ہنر کیسے جمیل	وہ مری جان سہی شعر کی جاں ہے کچھ اور

اوّل تو عشق اور شعر گوئی کو آمنے سامنے رکھنے کی ہمت کرنا ہی بڑے دل گردے کی بات ہے، اوپر سے یہ کہنا کہ شعر کی جان کچھ اور ہے جس کی پاسداری ہم پر فرض ہے، فنِ شاعری کے تئیں جمیل الرحمن کی غیر معمولی وابستگی کا برملا اظہار ہے۔ ''شعر کی جاں ہے کچھ اور'' کا فقرہ بہت معنی خیز ہے۔ اس شعر سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ محض عشقیہ خیال کا اظہار شعر کی خوبی کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ شعر میں جان کچھ اور چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے، وہ چیزیں فکر و فن کے بنیادی تقاضے ہیں جن کی کامیاب تکمیل سے شعر کا حق ادا ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مجموعے کی اشاعت پر میں جمیل الرحمن کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے زمانے کے باذوق قارئین کے لیے یہ مجموعہ قیمتی تحفے سے کم نہ ہوگا۔ احمد محفوظ





جدید شاعری کی ایک ناقابلِ فراموش آواز

یہ اس زمانے کی بات ہے جب جدیدیت اپنے نقطہ عروج پر تھی اور ''شب خون'' اس تحریک کا قافلہ سالار اور ترجمانِ اوّل تھا۔ شمس الرحمن فاروقی کی قیادت میں ''جدیدیت'' اور ''شب خون'' کے ذریعہ ایک تازہ ترین اور روشن خیال ادبی وفکری عہد کے اس فروغ کا اگر دیانت داری سے مطالعہ کیا جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا صائب ہوگا کہ جدیدیت دراصل ادبی دانش کی کلید تھی۔

شمس الرحمن فاروقی اور شب خون کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے ادب وشاعری کے نئے امکانات تلاش کیے اور شب خون میں نئے اذہان وقلوب کا مستقبل انگیز اجتماع ظہور پذیر ہوا جس نے مستقبل کے ادبی انکشافات پر گہرا اثر ڈالا۔

فاروقی صاحب اپنے انتخاب میں بے حد محتاط بلکہ سخت ترین تھے۔ لہٰذا انہوں نے ''شب خون'' کی بزم میں جن ادیبوں اور شاعروں کو یکجا کیا وہ دراصل جدیدیت کے مخلص نمائندے اور ادبی وشعری انفرادیت کے حامل تھے۔

جدیدیت کی سچی نمائندگی کرنے والے اور ''شب خون'' میں تواتر کے ساتھ شامل رہنے والوں میں ایک بے حد اہم نام جمیل الرحمن۔

میں جس عہدِ شباب کا ذکر کر رہا ہوں اس پر کم وبیش پچاس برس کا عرصہ گزر گیا اور ''شب خون'' کے اختتام کو بھی تقریباً دو دہائیاں ہو گئیں مگر جمیل صاحب کی شاعری آج بھی اتنی ہی تازہ دم اور تازہ کار ہے۔ بلکہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ان کی تخلیقی توانائی میں روز افزوں اور حیرت خیز حد تک ترقی ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اب تک ان کی نظموں کے کئی دل کش اور عہد ساز مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور اب تک کی آخری کتاب ''معدوم سے موجود تک'' جو نثری نظموں کا مجموعہ ہے گویا ان کی تخلیقی اور شعری انقلاب آفرینی پر دال ہے۔

فی الحال وہ اپنی غزلوں کے دوسرے انتخاب کی تیاری میں مصروف ہیں اور ان کا حکم ہے کہ ناچیز ان غزلوں کا مطالعہ کرے اور ان پر کچھ لکھنے کی جرأت کرے۔ لہٰذا اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نظم کے اس منفرد اور نثری نظم کے باکمال شاعر کی غزلوں کے تعلق سے کچھ غیر رسمی باتیں کروں گا۔

غزل اس لحاظ سے محبوب خلائق شعری صنف ہے کہ ہر پانچواں ادب دوست اور ادب نواز غزل لکھنے کا شغف رکھتا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہر ادیب، فکشن نگار اور ناقد اپنی قلم کاری کے اولین مرحلے میں غزل کے میڈیم سے ہی ادبی سفر کا آغاز کرتا ہے۔

ذرا اور قریب سے دیکھا جائے تو بعض باکمال اور عہد ساز ناقدین مثلاً سید احتشام حسین، شمس الرحمن فاروقی، شمیم حنفی، وزیر آغا، فضیل جعفری اور عنوان چشتی تو غزل گو شاعر کی حیثیت سے بھی اپنی مکمل شناخت رکھتے تھے۔ یہ چند بے حد نمایاں نام ذہن میں آ گئے ورنہ عتیق اللہ، صادق، حسین الحق، غضنفر اور فکشن نگاروں اور ناقدوں کی ایک خاصی تعداد ہے جو غزل کی شاعری کرتی رہی ہے۔ غزل اس لحاظ سے بھی ناگزیر رہی کہ شاید باید ہی کوئی نظم نگار (مثلاً اختر الایمان، میراجی اور ن م راشد) ایسا رہا ہو جس نے اپنے اولین دور میں غزل میں تخلیقی دل چسپی نہ رکھی ہو۔ لیکن کمال کی بات تو یہ رہی کہ نظم کے بعض اہم اور صاحبِ طرز شعرا بہ یک وقت اتنے ہی منفرد اور معتبر غزل گو بھی رہے اور آج بھی ہیں اور اس سلسلے کی ایک روشن مثال جمیل الرحمن کی ہے جو آزاد نظم کے مستند شاعر اور نثری نظم کے بے مثال اور جیسا کہ میں نے کہا انقلاب آفریں شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ جدید غزل کے بھی نہایت توانا اور صاحبِ اسلوب شاعر ہیں۔ جن کے پہلے مجموعہ ؟ غزلیات پر شمس الرحمن فاروقی صاحب کا مقدمہ آج بھی یاد رکھا جاتا ہے۔

معریٰ اور آزاد نظموں کے مزاج اور آہنگ سے تو غزل کی ہم رشتگی سمجھی جا سکتی ہے لیکن نثری نظم تو اپنے ڈکشن اور موضوع کے لحاظ سے اس قدر مختلف

اور بعید ہے کہ غزل کے تکلفات اور تحفظات سے بہ ظاہر اس کا کوئی ربط نہیں بن پاتا ہے۔ باعثِ صد حیرت ہے کہ جمیل الرحمن جیسا نثری نظم کا ممتاز شاعر کس طرح اتنے بھرپور شعری اعجاز و اعتماد کے ساتھ غزل کی معرکہ آلآرا شاعری سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔

کہاں بکھرے گا جانے راکھ ہو کر	خود اپنی آگ میں جلتا مسافر
جمیل اک منکشف لمحے سے آگے	مسافت جھوٹ تھی سچا مسافر
یہ کس فسوں نے مجھے رکھ لیا نشانے پر	وہی گلی ہے مگر وہ مکاں نہیں موجود
اس خرابے میں ہو عیار نہ دل سا کوئی	خوں بہاتا ہے مگر گوشہ نشیں رہتا ہے

کے مضامین و موضوعات ان دونوں ہی منہاج پر قائم ہوتے ہیں۔ یا تو ذات کی الم نا کی اور وجود کی کش مکش یا کائنات کی وسعت و لامحدودیت جو یا تو شاعری کو وجود کا سرنامہ یا آفاق کی شیشہ گری کا رزمیہ بناتی ہے۔ اس معیار سازی کا دوسرا جو ہر شاعری کا اظہار و اسلوب ہے۔ موضوع و مضمون شعر خواہ کچھ بھی ہو اس کو کس انداز و اطوار و اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ اور غزل کے لیے یہ دوسرا جو ہر کچھ زیادہ ہی اہم ہے۔ یعنی عصریت و آفاقیت میں شاعری کے موضوعات کی ترجیح کیا ہوگی اور اس کا اسلوب و طریقِ اظہار کلاسیکیت کے زیرِ اثر ہوگا یا جدت اور تازہ کاری سے معاملہ کرے گا۔ جدید غزل کے نمائندہ شاعر کا امتیاز یہ ہے کہ وہ وجود سے آفاق تک کا فکری اور تخیلی سفر طے کرتا ہے اور جدت و کلاسیکیت کو بہ یک وقت اپنے اظہار کا وسیلہ بناتا ہے۔

جمیل الرحمن کی غزلوں کے مطالعے کا طریقِ کار بھی یہی ہے اور یہی معیار ان کی شاعری کو پڑھنے اور سمجھنے کا صائب پیٹرن ہوگا۔ ان کی غزلوں کا ایک بڑا حصہ ''شب خون'' میں شائع ہوتا رہا اور وہ جدیدیت کے اہم شعرا میں شمار کیے جاتے رہے۔ آج بھی وہ اپنے اسی شعری طریق پر گامزن ہیں۔ یعنی وہ شاعری کی شریعت سے زیادہ اس کی طریقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ مندرجہ بالا اشعار اس تازہ کاری کے گواہ ہیں۔ ان کی شعری ہنرمندی وجود اور کائنات کے متوازن تطابق اور کلاسیکی جدت طرازی کی حامل ہے۔ ان کے اشعار پڑھتے ہوئے یہ احساس بہ خوبی قائم رہتا ہے کہ وہ دراصل نظم کے اور بہ اختصاص نثری نظم کے منفرد شاعر ہیں۔ غزلوں کے اس دوسرے مجموعے کی اشاعت پر میں انہیں محبت و احترام کے ساتھ تہنیت پیش کرتا ہوں۔

عین تابش



جمیل الرحمن کی غزل

جمیل الرحمن میرے ہم عصر شاعر ہیں۔ شروع ہی سے میں نے انہیں غصیلا، بے باک اور ایک الجھا ہوا شخص پایا۔ اسی الجھاؤ کی گرہیں کھولتے وہ اس عمر کو آپہنچے ہیں۔ پلٹ کر دیکھیں تو کئی اصناف مثلاً غزل، نظم، نثری نظم اور تنقید میں ان کی تخلیقات کا خاصا اثاثہ ہے۔ قابلِ ذکر نقادوں اور ہم عصروں نے ان کو سراہا ہے اور اپنے دل کے قریب دیکھا ہے۔ میں بھی ان کی تخلیقات سے نظر چرا کر کبھی نہیں گزرا۔ خاتمِ وقت کا نگیں ہے یار

وطن سے دور چلے جانے کے باوجود وہ انتہا پسندی، تعصب، حسد، نفرت اور قتل و غارت گری کے شکار ہم وطنوں کے دلوں میں موجود رہ کر ان کے احوال سے آشنا رہتے ہیں اور ہر اس ظلم و ستم کو محسوس کرتے ہیں جو یہاں روا رکھا جا رہا ہے۔

مرے پسماندگاں میں ایک سایا	ابھی تک اُس گلی میں رو رہا ہے

مگر وہ صبر اور امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے:

گزرتی شب میں ستاروں کا ٹوٹنا ہی نہیں	جمیل صبح کی کھلتی ہنسی بھی دھیان میں ہے

نئے پیراڈائم کی شاعری۔اقبال فہیم جوزی

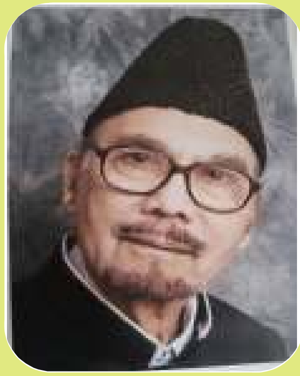


جمیل الرحمن کی نظمیں مبہم ہیں، گنجلک ہیں اور بے معنی ہیں۔لیکن ان میں یہ دلکشی کیسی ہے اور یہ ہمارے خیال کی لہروں کو بہت دور، بہت ہی دور انجانے جزیروں میں کیوں لے جاتی ہیں جہاں ہمارے تصورات کی دنیائیں نو بہ نو ہیولے تراشتی ہیں۔کیا یہی شاعری کا عمل نہیں ہے؟ شاعری کی اس بنیادی خصوصیت پر پورا اترنے کے بعد اب تنقید کا مرحلہ آتا ہے کہ اس شاعری کا تجزیہ کرنے کے لئے کن اصول وضوابط کا اطلاق کریں۔

ہمارے یونانی آباؤاجداد نے ہمیں سیدھی لائن کا تحفہ دیا۔سیدھی لائن ان کے فلسفیانہ افکار کا جوہر تھا اور اس کا اطلاق ایک تصورِ مطلق! سیدھی لائن نے ہی ان میں یہ وہم پیدا کیا کہ زمین چپٹی ہے، جس کے چار کونے ہیں۔سیدھی لائن نے ہی انہیں دو نقطوں کا خواب دکھایا۔آغاز اور انجام، طلوع اور غروب، زندگی اور موت! اور پھر یہ دو نقطے زندگی کے ہر شعبے میں شہد کی مکھیوں کی طرح پھیل گئے۔ثنویت کے تضاد نے جنم لیا اور یوں میکانکی فکروعمل نے ہمارے ذہن پر ایک ایسا جالا بن دیا جس کو عبور کرنا خارج از زمان ومکان ہوتا تھا۔قوانین کے نام پر ہم کائنات کے ہر مظہر کو جامد کرتے چلے گئے، دو لخت کرتے گئے۔منطقِ استخراجیہ اور استقرائیہ ہمارے لئے ایک ایسا پیمانہ تھا جس کی مدد سے حقیقت کا تعین کرنا ہماری ذہنی کاوشوں کا ہدف تھا۔ہر خیال کو منطقی انجام تک پہنچانا ضروری تھا جس کے بعد خیال کا سفر ختم ہو جاتا۔فنِ شعر پر منطقِ استخراجیہ اور استقرائیہ کے اطلاق نے جس تکنیک اور ہیئت کو جنم دیا وہ بھی دیگر لوازمات کی طرح ثنویت کا ایک مظہر انبار تھا......ثنویت زدہ اس تہذیب نے جہاں زمان ومکان میں ڈوئی کا تصور دیا وہیں مواد وہیئت کو بھی علیحدہ علیحدہ خانوں میں رکھ کر اس پیدا شدہ تضاد پر اپنے اصول تخیل وتعقل کو بے جا صرف کرنے کے عمل کا نام دے کر خوش فہمیوں میں گرفتار رہے۔

اس قدیم پیراڈائم نے خیال کو معنویت کی شرط کے ساتھ منسلک کر کے فنِ شعر کے بے کراں تخیل کو محدود کر دیا اور منفیت کے معیار کو آرٹ کے لئے ایک اعلیٰ اور ارفع مقام عطا کر کے خود کو تقدیس کے سنگھاسن پر براجمان کر لیا۔کسی بھی نظم کے لئے ضروری تھا کہ اس کا ایک آغاز ہو اور ایک انجام۔موضوع کے تسلسل کے لئے منطقِ استخراجیہ واستقرائی کی سیڑھیاں قبل از تخلیق موجود تھیں۔چنانچہ ہم نے جس ہیئت کو جنم دیا وہ بھی ثنویت زدہ تھی۔نظم کے ایک خطے میں نوحہ گری اور دوسرے خطے میں اس کے ردِعمل میں امید، زندگی اور حسن کی معنویت پر انجام!

جمیل الرحمن کی نظموں نے اس ثنویت زدہ منطق کی زنجیروں سے آزاد کر کے تخیل کی آزاد فضاؤں اور ہواؤں میں لسانی مرغولے بنانے کے عمل کو بحال کر دیا ہے۔یہ نئے پیراڈائم کی شاعری ہے۔اس کی نظم شعور کا وہ چوکھٹا نہیں جس پر شعور کوئی ایک رُخی تصور تشکیل دیتا ہے، اس کے ہاں شعور ایک مدّور غیر مرئی پردہ ہے جس پر شش جہات امیجز ایک دوسرے کو کاٹتی اور مدغم ہوتی ہوئی کہکشائیں خیال کے بلیک ہول میں گم ہو جاتی ہیں۔اس کی شاعری ہمیں باور کرواتی ہے کہ شاعری کا منصب اظہارِ شخصیت، اظہارِ ذات، اظہارِ لاشعور اور اظہارِ معاشرت نہیں۔شاعری پر پاپ اور پن کی قیود کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ شاعری بذاتِ خود ایک ایسی موضوعی قوت ہے جس کے اظہار کے لئے ایک نیا معرضِ تخلیق ہوتا ہے۔اس نے ہیئت اور مواد کو اسی طرح منطبق کر دیا ہے جس طرح زمان ومکان، جس طرح ڈی این اے اور آر این اے! نئے پیراڈائم کو پرانے پیراڈائم کی عینک سے دیکھنے کا نتیجہ مبہم، گنجلک اور غیر منطقی احساس ہوتا ہے۔ اقبال فہیم جوزی اسلام آباد۔پاکستان۔



ڈاکٹر محمود احمد ظفر صاحب مرحوم

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی   اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

تحریر:: رانا عبدالرزاق خان

کچھ زندگیاں صرف گذرتی نہیں بلکہ ایک گہرا اثر چھوڑ جاتی ہیں۔ کچھ لوگ محض پیشہ اختیار نہیں کرتے، اسے عبادت بنا لیتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود ظفر بھی انہی خوش نصیب انسانوں میں سے تھے جن کی زندگی خدمات، وفا اور خاموش استقامت کی ایک روشن تفسیر تھی۔ ان کی کہانی ٹانگانیکا (مشرقی افریقہ) کی سرزمین سے شروع ہوئی تھی جہاں وہ ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جس کی بنیاد ایمان اور قربانی پر رکھی گئی تھی۔ ان کے والد عبدالکریم ڈار صاحب نے پہلی جنگ عظیم میں برطانوی فوج میں رضا کارانہ خدمات انجام دیں۔ جنگ کے بعد وہ مشرقی افریقہ میں آباد ہوئے اور ایسٹ افریقن ریلوے میں بطور میکینیکل (Mechanical) انجینئر کام کیا۔ پھر زندگی نے ایک روحانی موڑ لیا ایک احمدی دوست کی دعوت پر عبدالکریم ڈار صاحب نے احمدیت حقیقی اسلام قبول کر لیا۔ یہ فیصلہ آسان نہ تھا۔ سماجی بائیکاٹ، تنہائی اور مخالفت نے دروازہ کھٹکھٹایا مگر انہوں نے استقامت کا چراغ بجھنے نہ دیا۔ یہی استقامت بعد میں ان کے بیٹے کی شخصیت کا بھی جوہر بنی۔ ڈاکٹر محمود ظفر صاحب کی والدہ بچوں کو لے کر قادیان (انڈیا) منتقل ہوئیں۔ وہاں کا علمی و روحانی ماحول ان کی شخصیت سازی میں سنگ میل ثابت ہوا۔ الحمدللہ۔ خاندان کے تمام افراد کو بہترین تعلیم نصیب ہوئی۔ محمود ظفر کے دل میں کم عمری ہی سے یہ آرزو مچلتی رہی کہ وہ طب کے میدان میں جا کر دکھی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور (K.E.Medical Collage) لاہور سے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (M.B.B.S) کی ڈگری حاصل کی اور یوں ایک خواب حقیقت میں ڈھل گیا۔

1956ء میں وہ اپنے بھائی کی دعوت پر دوبارہ مشرقی افریقہ جا پہنچے۔ تلاش روزگار میں سرگرداں تھے کہ وہاں کے مشنری انچارج شیخ مبارک احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے محمود ظفر صاحب کو ٹبورا (Tibora) جانے کا مشورہ دیا۔ ایک ایسا شہر جہاں مسجد فضل، احمدیہ پرنٹنگ پریس اور مشن ہاؤس کی بدولت احمدیت کی ہلکی سی روشنی پہلے ہی موجود تھی۔ ٹبورا میں ڈاکٹر صاحب نے 1956ء سے 1971ء تک طبی خدمات انجام دیں۔ وہ صرف ایک معالج نہ تھے بلکہ دلوں کے مسیحا تھے۔ افریقن سرداروں سے لے کر عام شہریوں تک، ہر دل میں ان کے لئے عزت اور محبت تھی۔ ان کی مسکراہٹ اعتماد بخشتی، ان کا لہجہ تسلی دیتا اور ان کا ہاتھ شفا کا وسیلہ بنتا۔ الحمدللہ۔ انہیں تبلیغ کے قیمتی مواقع میسر آئے اور انہوں نے اپنے پیشے اور احمدیت کے پیغام کو خوبصورتی سے یکجا رکھا۔ پھر سیاسی حالات بدلے۔ بے چینی اور انتشار نے قدم جمانے شروع کئے تو وہ لندن منتقل ہو گئے۔ یہاں انہوں نے اپنی ذاتی میڈیکل پریکٹس شروع کی۔ مگر جماعت میں خدمات سے ان کا تعلق پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا گیا۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ، حضرت سر ظفر اللہ خان اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب جیسے اکابرین کی قربت انہیں حاصل رہی۔ یہ ان کے لئے اعزاز بھی تھا اور ذمہ داری بھی۔

کلافم (Clapham) میں دو ادوار تک جماعتی صدر کے طور پر خدمت انجام دی۔ بیت الفضل میں ہومیو پیتھک ڈسپنسری میں باقاعدگی سے رضا

کارانہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مسجد فضل لندن کے فرسٹ ایڈ (First Aid) ڈیپارٹمنٹ میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ان کی زندگی کا ہر باب خدمت سے مزین تھا۔ بے آواز، بے نمود مگر بھر پور۔ نومبر 2018ء میں 90 برس کی عمر میں وہ سکون کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ یوں لگا جیسے ایک طویل اور با مقصد سفر اپنے اختتام کو پہنچ گیا ہو۔ ان کی نماز جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پڑھائی اور بہشتی مقبرہ ووکنگ میں ان کی تدفین ہوئی۔ ایک ایسی سرزمین جہاں وفاداری اور خدمت کی داستانیں محفوظ کی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر محمود ظفر مرحوم کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ عظمت شور سے نہیں، کردار سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان اگر اپنے پیشے کو امانت سمجھے، اپنے ایمان کو اساس بنائے اور خدمت کو شعار بنا لے تو وہ دلوں میں جگہ پا لیتا ہے وہ چلے گئے مگر ان کی مسکراہٹ، ان کی شفقت اور ان کی خاموش خدمات آج بھی ان لوگوں کی دعاؤں میں زندہ ہیں جن کے درد کو انہوں نے کم کیا تھا۔ ایسے لوگ مر کر بھی نہیں مرتے۔ وہ اپنے عمل کی روشنی میں زندہ رہتے ہیں۔

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

مکرم ڈاکٹر محمود ظفر مرحوم کی اہلیہ محترمہ لئیقہ ظفر صاحبہ بھی خدمت دین میں ہمہ وقت ان کے شانہ بشانہ رہیں۔ مہمان نوازی اور آؤ بھگت میں ان کی کوئی مثال نہیں۔ ان کی شادی 1985ء میں ہوئی۔ محترمہ لئیقہ ظفر صاحبہ اپنے خاوند صاحب کو اپنے سر کا تاج سمجھتی تھیں۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ اور سب لندن میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بخوشی رکھے۔ اور مکرم ڈاکٹر محمود ظفر مرحوم کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین۔

رانا عبدالرزاق خان۔ لندن



مقامِ توکل اور دعا

مولوی ظفر محمد صاحب ظفر

اب میرے دردِ دل کی نہ کوئی دوا کرے
یہ درد لادوا ہے مگر ہاں دعا کرے
وہ مرغِ پر شکستہ جو اڑنے سے رہ چکا
رہ رہ کے گرز میں پہ نہ تڑپے تو کیا کرے
فرمان تیرا خوب ہے "اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ"
لیکن یہ بے زبان ہو وہ کیوں کر صدا کرے
ہمت نہ جس غریب میں ہو التجاء کی بھی
تو ہی بتا کہ تجھ سے وہ کیا التجاء کرے
یا رب تو اس کو اور بھی اپنے قریب کر
جو میرے حق میں قرب ترے کی دعا کرے
احوالِ عُسر و یُسر دگرگوں نہ کر سکیں
بندہ ہر ایک حال میں بندہ رہا کرے
طولِ امل میں نفس مرا مبتلا نہ ہو
راضی رہوں اسی پہ جو میرا خدا کرے
میں غیر کی جفاؤں کے شکوے کروں تو کیا
اے میرے دل جو تو ہی نہ مجھ سے خفا کرے
تدبیر بھی ہے قبضۂ تقدیر میں ظفر
مولیٰ تجھے مقامِ توکل عطا کرے

(بحوالہ الفرقان ربوہ مئی 1958ء)



چند انمول لمحے

ڈاکٹر عبدالباری ملک ۔ایم بی ای۔ بریڈفورڈ یو کے

برصغیر پاک وہند کے بعد شاید انگلستان میں بسنے والے احمدی سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے سیدّ نا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام، چار خلفاء احمدیت اور جماعت کے بزرگان کو سات سمندر پار اس دور دیش میں بھی نہ صرف قریب سے دیکھنے کے مواقع ملتے رہے ہیں بلکہ ان کی قربت کے یادگار لمحے بھی میسر آتے رہے ہیں۔انگلستان کی سرزمین کی یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی بھی دفن ہیں۔

یہاں کے احمدیوں کو 1984ء کی ہجرت کے بعد تو ہر وقت خلیفہ وقت کو اپنی آنکھوں سے قریب سے دیکھنے اور مسلسل رہنمائی اور تربیت بھی مل رہی ہے اور وہ براہِ راست حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی قربت، برکات اور دعاؤں سے خوب جھولیاں بھر رہے ہیں۔ہجرت کے بعد لندن میں بسنے والے احمدیوں کو تو خلیفہ وقت کی موجودگی کی برکت سے ہر سال بہت سے بزرگان جماعت کو بھی قریب سے دیکھنے کا موقع مل جاتا ہے لیکن ہم جو لندن سے قریباً ڈھائی سو میل دور یارکشائر کے رہنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری بھی سن لی ہے اور ہمیں بھی خلیفہ وقت کی شفقت سے ہمارے اپنے شہر میں بزرگان دین کی قربت کے ایسے انمول لمحات میّسر آتے ہیں جن کا ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

خاکسار اپنے آپ کو انتہائی خوش قسمت سمجھتا ہے کہ گذشتہ چالیس سال میں اکثر بزرگان سے ملنے، ان کی صحبت میں رہنے اور قربت کے چند انمول لمحے میسر آتے رہے اسی طرح بعض اور افراد بھی تھے جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد اور خلافت خامسہ کے بابرکت دور میں خوب خدمت دین کی توفیق ملی اور اس مقبول خدمت دین کے نتیجہ میں وہ بھی آسمان احمدیت کے چمکتے دمکتے ستارے بن گئے۔خاکسار کو مختلف مواقع پر ان دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ ملنے اور کام کرنے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ان سے ملاقاتوں کا مختصر احوال تحریر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

اس مضمون میں خاکسار چند وفات شدہ بزرگان اور دوستوں کے ساتھ گذرے ہوئے ان چند یادگار لمحات کا ذکر اور اپنے ذاتی مشاہدات بیان کرنے کی کوشش اس دعا کے ساتھ کرنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے درجات بہت بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کو اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔آمین ثم آمین۔



حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اپنے انگلستان قیام کے دوران کئی بار یارکشائر تشریف لائے اور احباب جماعت کو ان سے ملنے کا موقع ملتا رہا۔ان کے یہاں آنے سے جماعتوں کو مختلف پروگراموں میں اور احباب جماعت کو اپنے گھروں میں حضرت چوہدری صاحبؓ کو دعوت دینے کا موقع ملتا اور حضرت چوہدری صاحبؓ کی

تقاریر اور باتیں براہ راست سننے کا بھی موقع مل جاتا۔ جب آپ آخری بار یارکشائر تشریف لائے تو خاکسار نے فون کر کے ان کو کھانے کی دعوت دی اور چونکہ حضرت چوہدری صاحب کو سرسوں کا ساگ پسند تھا خاکسار نے عرض کی کہ میری بیگم ساگ پکا لے گی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے دعوت قبول فرمالی لیکن بعد میں فون کر کے فرمایا کہ چونکہ میرے پاؤں میں سوجھن ہے اس لئے آپ سب بچوں سمیت مکرم ڈاکٹر سعید خان صاحب کے گھر ساگ لے آئیں، ہم اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھالیں گے۔ ہم مقررہ دن مکرمی ڈاکٹر صاحب کے گھر چلے گئے اور ساری دوپہر حضرت چوہدری صاحبؓ کے ساتھ گذارنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت خاکسار کا ایک بیٹا عزیزم ہادی جس کی عمر چار سال اور بیٹی عزیزہ عطیہ جس کی عمر دو سال تھی ہمارے ساتھ گئے۔ جب کھانا میز پر لگ گیا تو سب نے کھانا کھایا اور باری باری فارغ ہو کر میز سے اٹھتے چلے گئے لیکن حضرت چوہدری صاحبؓ کھانا کھانے کے بعد بھی دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔ ہم سب حیران تھے کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ ہمارا بیٹا عزیزم ہادی آرام آرام سے کھانا کھا رہا تھا اور حضرت چوہدری صاحبؓ اس وقت تک میز سے نہ اٹھے جب تک بچے نے کھانا نہیں کھالیا۔

خاکسار کی شادی کے موقع پر ہم نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو بھی دعوت بھجوائی۔ ہماری خوش قسمتی کہ حضرت چوہدری صاحبؓ نے ہماری دعوت قبول فرمالی لیکن خاکسار کے والد صاحب کو فون کر کے فرمایا کہ میں لندن سے ولیمہ کی دعوت میں شامل ہونے کیلئے آپ کی دعوت پر بریڈفورڈ آؤں گا، آپ کو علم ہے کہ میں خود کار ڈرائیو نہیں کرتا اس لئے میرے ساتھ میرا ایک عزیز انور کاہلوں ہوگا جو کار ڈرائیو کرے گا، اسی طرح ان دنوں میرا داماد اور بھتیجا حمید نصر اللہ خان بھی لندن میں ہے وہ بھی میرے ساتھ ہوگا۔ آپ سے ان دو افراد کی اجازت لینی ہے۔ خاکسار کے والد صاحب نے فرمایا کہ چوہدری صاحب آپ کو اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں، آپ بڑی خوشی سے اپنے ساتھ ان کو بھی لے کر آئیں، یہ ہمارے لیے اعزاز کی بات ہوگی۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے فرمایا آپ نے کارڈ پر ایک بجے کا وقت لکھا ہوا ہے مجھے امید ہے کہ آپ سوا ایک بجے تک پروگرام شروع کر دیں گے۔ خاکسار کے والد صاحب نے عرض کی کہ ہم ٹھیک ایک بجے پروگرام شروع کر دیں گے۔۔ اس طرح خاکسار کی دعوت ولیمہ میں حضرت چوہدری صاحبؓ اور آپ کے دو عزیز بھی شامل ہوئے جو کہ ہمارے لیے بہت بڑی خوش قسمتی کی بات تھی۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کی موجودگی کی وجہ سے پروگرام بھی ٹھیک وقت پر شروع کیا گیا۔ الحمدللہ۔

ایک دفعہ خاکسار نے حضرت چوہدری صاحبؓ کو خط لکھا اور ''حضرت چوہدری صاحب'' لکھ کر مخاطب کیا۔ اس کے جواب میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا جواب آیا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ''آپ کا پیار بھرا خط ملا جس میں آپ نے مجھے ''حضرت'' لکھ کر مخاطب کیا ہے۔ اس پر میں ساری رات استغفار کرتا رہا۔ میرا آپ کے ساتھ ایک پیار کا تعلق ہے، اگر آپ مجھے صرف ظفر اللہ خان لکھ کر مخاطب کر لیا کریں تو میں اس پر بہت خوش ہوں گا۔ اللہ اللہ کس قدر عجز تھا ہمارے حضرت چوہدری صاحبؓ میں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بہت بلند سے بلند تر فرماتا چلا جائے۔ آمین۔

ہم نے اپریل **1979**ء میں بریڈفورڈ کے ایک ہائی سکول میں مجلس خدام الاحمدیہ کا اجتماع کیا جس میں ملک بھر سے مجالس کو شمولیت کی دعوت دی۔ خاکسار ان دنوں قائد مجلس تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو فون کر کے دعوت دی جو آپ نے منظور فرمالی۔ آپ اجتماع کے افتتاحی اور اختتامی اجلاسوں میں دو دن شامل ہوئے۔

اختتامی اجلاس کے پروگرام میں آخر میں دعا نہیں لکھا ہوا تھا، حضرت چوہدری صاحب نے اجتماع کے اختتام کا اعلان فرمایا، خاکسار نے عرض کی کہ آپ دعا کروادیں، حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا کہ پروگرام میں دعا تو نہیں لکھی ہوئی۔ خاکسار نے غلطی کی معافی مانگی تو حضرت چوہدری صاحب

نے دعا کروادی، اس بات سے ہمیں یہ سبق مل گیا کہ پروگرام میں ہر وہ چیز درج ہونی چاہیئے جو مہمان خصوصی سے کروانی ہو۔

حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب اور حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ



شروع شروع میں اکثر بزرگان کو لیک ڈسٹرکٹ کی سیر کروانے کی ذمہ داری خاکسار کی ہوتی تھی۔ان میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگان بھی شامل تھے۔حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب اور حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ کو خاکسار کو دو مواقع پر لیک ڈسٹرکٹ کی سیر کروانے کا شرف حاصل ہوا۔

خاکسار کے دل میں حضرت میاں صاحب کا بہت رعب اور دبدبہ تھا۔اس لئے پہلی بار ڈرتے ڈرتے چلا گیا لیکن جو مزہ اس سفر میں آیا وہ ناقابل بیان ہے۔حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کے دلوں میں اپنے خدام کی شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔حضرت میاں صاحب خاکسار کے ساتھ پنجابی میں بات فرماتے اور سارا سفر حضرت میاں صاحب اپنی دلچسپ باتوں سے خوب ہنساتے بھی اور بہت علمی باتیں بھی فرماتے جن سے شاید کسی تقریب میں فیضیاب ہونا بہت مشکل ہوتا۔حضرت بیگم صاحبہ بہت ہی دعا گو اور شفیق بزرگ تھیں جن کے دل میں ہمدردی اور شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔خاکسار نے دیکھا کہ حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ دوران سفر دعاؤں سے اپنی زبان تر رکھتے اور نمازوں کو سفر کے دوران بھی وقت پر بڑے اہتمام سے ادا کرتے۔ان کی نمازوں اور دعا کرنے کے تو رنگ ہی اور تھے۔

پہلے سفر کے موقع پر نارتھ یارکشائر کے ایک خوبصورت قصبہ **Crosshills** میں سے گذرتے ہوئے حضرت میاں صاحب کی نظر ایک ایسے سٹور پر پڑ گئی جو زرعی مشینری فروخت کرتے تھے۔حضرت میاں صاحب نے حکم دیا کہ یہاں ذرا گاڑی روکو۔خاکسار نے گاڑی روکی تو حضرت میاں صاحب جلدی سے کار سے نکل کر سٹور کی طرف چل پڑے۔خاکسار گاڑی بند کر کے جانے لگا تو حضرت بیگم صاحبہ نے تسلی دی اور فرمایا باری گھبرانا نہیں ،میاں صاحب کو ان چیزوں کا بہت شوق ہے۔خاکسار بھی جب سٹور میں پہنچا تو حضرت میاں صاحب سٹور کے مینیجر سے فصلوں کی کٹائی والی نئی مشینوں کی معلومات حاصل کر رہے تھے۔آپ کے سوالوں سے مینیجر بڑا متاثر ہوا اور پوچھنے لگا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔حضرت میاں صاحب نے بتایا کہ میں پاکستان سے آیا ہوں تو مینیجر مجھے کہنے لگا کہ مجھے یقین نہیں آرہا کہ پاکستان سے آئے ہوئے شخص کو جدید مشینری کی اتنی وسیع معلومات ہیں۔

ایک سفر میں محترمہ صاحبزادی امتہ القدوس بیگم صاحبہ بھی ساتھ تھیں۔سارا راستہ حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کو صرف یہ فکر تھی کہ خاکسار کو کھانے پینے کی کوئی طلب تو نہیں ہے۔جب ہم لیک ڈسٹرکٹ میں جھیل **Winderemere** سے جھیل **Ullswater** کی طرف جا رہے تھے تو حضرت میاں صاحب نے محترمہ صاحبزادی امتہ القدوس بیگم صاحبہ کو فرمایا قوسی باری کو کچھ کھانے پینے کو دو، ورنہ یہ کہے گا کہ میاں منصور نے مجھے بھوکا مروادیا ہے۔حضرت میاں صاحب کے حکم پر خاکسار نے جھیل **Brotherswater** کے کنارے گاڑی روکی جہاں لیک ڈسٹرکٹ کا بہت ہی حسین نظارہ تھا۔حضرت بیگم صاحبہ خود کھانا ڈال کر مجھے دینے لگیں۔خاکسار نے عرض کی کہ بیگم صاحبہ یہ تو زیادتی ہے،آپ کی خدمت کیلئے تو میں حاضر ہوں۔حضرت بیگم صاحبہ نے فرمایا تم جو ہمیں سیر کروار ہے ہو یہی ہماری بہت بڑی خدمت ہے۔

لیک ڈسٹرکٹ میں جھیل **Winderemere** سے جھیل **Ullswater** جاتے ہوئے پہاڑیوں پر بہت خوبصورت نظارے ہیں۔کہیں جھیلیں ہیں تو کہیں آبشاریں۔کہیں آپ اونچائی پر ہیں اور بادل آپ سے نیچے نظر آتے ہیں تو کہیں دور بارش کا خوبصورت نظارہ نظر آرہا ہوتا ہے۔حضرت میاں

صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کو میں نے ہر بار دیکھا کہ ایسے خوبصورت نظاروں کو دیکھ کر خوب اللہ تعالیٰ کی حمد فرماتے اور مسلسل سبحان اللہ کا ورد فرماتے۔

یہاں لیک ڈسٹرکٹ کا بلند ترین مقام Kirkston Pass کے مقام پر ہے جہاں ایک کیفے بھی ہے اور کار پارک سے پہاڑوں پر کوہ پیما چڑھتے نظر آتے ہیں۔ایک دفعہ ہم یہاں رکے تو حضرت میاں صاحب نے دریافت فرمایا کہ اس کیفے میں کیا ملتا ہے۔خاکسار نے عرض کی کہ یہاں چائے ،کافی، ٹھنڈے مشروبات اور کھانے کی اشیاء ملتی ہیں۔خاکسار نے عرض کی کہ کیفے سے گرم گرم مشروب لے کر آتا ہوں لیکن حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ مانتے نہیں تھے،خاکسار کے اصرار پر آپ ازراہ شفقت مان گئے اور خاکسار نے وہاں سے چائے اور کافی خرید کر پیش کی۔خاکسار کی حوصلہ افزائی کی خاطر حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ بہت تعریف کرنے لگے کہ مشروبات بہت مزیدار ہیں۔الحمد للہ۔

ایک دفعہ لیک Winderemere کے کنارے چلتے چلتے اچانک حضرت میاں صاحب کے دل میں عجیب پیار کا طریقہ آیا۔ایک بینچ پر دو بوڑھی انگریز مستورات بیٹھی ہوئی تھیں،ان کے درمیان جگہ خالی تھی۔حضرت میاں صاحب نے مسکراتے ہوئے حکم دیا کہ باری ان کے درمیان جا کر بیٹھو میں تمہاری فوٹو کھینچتا ہوں۔خاکسار نے عرض کی نہیں میاں صاحب،خاکسار نے بڑی کوشش کی لیکن اب میاں صاحب مانتے ہی نہیں تھے،حضرت بیگم صاحبہ نے بھی فرمایا کہ جانے دیں کیوں بیچارے کو تنگ کر رہے ہیں لیکن حضرت میاں صاحب فرمانے لگے نہیں چلو جا کر بیٹھو،اب مجبوراً حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔حضرت میاں صاحب نے تصویر کھینچی۔اور فرمایا اب میں ربوہ جا کر تمہارے چچاؤں کو یہ فوٹو دکھاؤں گا کہ دیکھو تمہارا بھتیجا یوکے میں کیا کر رہا ہے۔یہ حضرت میاں صاحب کا پیار کا ایک خوبصورت انداز تھا۔

جھیل Winderemere کے کنارے پر ایک خوبصورت قصبہ Bowness ہے جہاں بہت سے کاروباری مراکز ہیں اور اکثر خوب رونقیں لگی رہتی ہیں۔یہاں حضرت میاں صاحب کی اجازت سے گاڑی روکی تا کہ کچھ دیر چل پھر کر جھیل کا نظارہ کرسکیں۔یہاں جھیل پر بے شمار ہر طرح کی رنگ برنگی کشتیاں اور چھوٹے جہاز کرائے پر بھی مل جاتے ہیں۔اسی طرح تیراکی اور Serfing کے شوقین افراد کے لئے انتظامات ہیں۔یہاں حضرت میاں صاحب کی نظر ایک سٹور پر پڑی جہاں کشتیاں اور سمندری کھیلوں کا سامان ملتا تھا۔حضرت میاں صاحب اس دوکان میں چلے گئے،خاکسار بھی حضرت بیگم صاحبہ کے ساتھ ان کے پیچھے سٹور میں چلے گئے۔حضرت میاں صاحب نے سٹور میں ساری کشتیوں کے متعلق معلومات لیں،ایک کشتی کے پاس جا کر حضرت بیگم صاحبہ سے فرمانے لگے اس طرح کی کشتی ہمارے ربوہ میں دریائے چناب میں بڑی کام آسکتی ہے۔آپ کے یوکے کے آخری سفر کے دوران بھی خاکسار کو حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کو لیک ڈسٹرکٹ لے کر جانے کا اعزاز حاصل ہوا۔واپسی پر خاکسار نے عرض کی کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ اور حضرت بیگم صاحبہ تھوڑی دیر کیلئے ہمارے گھر تشریف لائیں۔ وہاں چائے بھی پی لیں گے اور ہمیں برکت بھی مل جائے گی۔حضرت میاں صاحب نے حضرت بیگم صاحبہ کو فرمایا سنا ہے باری کیا کہہ رہا ہے،ہمیں اپنے گھر جانے کی دعوت دے رہا ہے۔حضرت بیگم صاحبہ نے انتہائی شفقت سے فرمایا کہ چلیں ضرور چلتے ہیں۔خاکسار ان کو اپنے گھر لے گیا۔تھوڑی دیر وہاں رک کر چائے پی اور ہمیں ان بزرگوں کی موجودگی سے برکتیں لوٹنے کا موقع مل گیا۔

ان دنوں حضرت میاں صاحب کو گھٹنوں یا ٹانگوں میں تکلیف تھی،ہمارے گھر خاکسار نے ان سے درخواست کی کہ صوفہ پر تشریف رکھیں،فرمانے لگے میں تو کرسی پر بیٹھوں گا،یوکے میں تم لوگوں کا یہ بڑا مسئلہ ہے کہ یہاں صوفے بہت نیچے بناتے ہیں جن پر ایک دفعہ بیٹھ جاؤ تو اٹھنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔

ایک دفعہ خاکسار ربوہ گیا ہوا تھا اور حضرت میاں صاحب کو سلام کرنے اور ملنے کیلئے آپ کے دفتر میں حاضر ہوا۔جب خاکسار نے حضرت بیگم صاحبہ کا

حال پوچھا تو حضرت میاں صاحب نے فرمایا شام کو کوٹھی میں آجانا، بیگم صاحبہ سے مل بھی لینا اور خود حال بھی پوچھ لینا۔اسی شام خاکسار حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کو سلام کرنے کیلئے ان کی کوٹھی چلا گیا۔جب حضرت میاں صاحب کو اطلاع دی گئی تو خود ہی بڑی شفقت سے باہر تشریف لے آئے اور خاکسار کو خود گھر سٹنگ روم میں لے گئے۔فرمایا کہ میں بی بی کو بتادوں کہ تم ہمیں ملنے آئے ہو،حضرت بیگم صاحبہ پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر بڑے پیار سے خاکسار کا اور بیوی بچوں کا حال پوچھنے لگیں اور فرمایا اچھا کیا تم ہمیں ملنے کے لئے گھر آ گئے ہو،اگر دفتر سے ہی مل کر چلے جاتے تو صرف میاں صاحب سے ہی ملتے۔حضرت بیگم صاحبہ خاکسار کی دادی جان مرحومہ کا ذکر اور ان کے ہاتھ سے بنائے ہوئے ساگ اور اچار کا ذکر بھی بڑے پیار سے فرماتیں رہیں۔حضرت میاں صاحب نے اصرار فرمایا کہ اب آئے ہو تو ضرور کچھ کھا کر جانا۔حضرت بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ان کو وہ چیز کھلاتے ہیں جو ان کو انگلستان میں نہیں ملتی۔چنانچہ آپ نے حضرت میر مسعود احمد صاحب کے گھر سے جو ہمسائے میں ہی تھا بڑے پیار سے بھینس کی تازہ باؤلی منگوا کر خاکسار کو پینے کے لئے دی۔اب یہ تو ایک خاص سوغات تھی جو واقعی انگلستان میں کہاں ملتی ہے۔خاکسار کو یہ بہت عرصہ کے بعد ملی تھی اور جس پیار اور شفقت سے ملی تھی اس کی مٹھاس نے تو اس کو اور زیادہ لذیذ کر دیا تھا۔خاکسار نے بڑے مزے لے کر پی اور حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کا شکریہ ادا کیا۔باتوں باتوں میں حضرت میاں سے دریافت فرمایا کہ تمھارا کیا پروگرام ہے،خاکسار نے عرض کی کہ رشتہ داروں سے ملنے کیلئے ڈسکہ بھی جانا ہے۔آپ نے فرمایا ڈسکہ کیسے جاؤ گے۔خاکسار نے عرض کی یا بس پر یا اگر کوئی گاڑی کرایہ پر مل گئی تو اس میں جائیں گے۔آپ نے فرمایا کل میرے دفتر آنا۔خاکسار دوسری صبح پھر دفتر میں حاضر ہو گیا۔حضرت میاں صاحب نے دریافت فرمایا کہ کل کتنے آدمی ہو۔خاکسار کے جواب پر حضرت میاں صاحب نے ڈرائیور کو بلوایا اور انتہائی شفقت سے ایک بڑی ویگن ہمیں ڈسکہ جانے کیلئے دے دی۔خاکسار کے دل سے حضرت میاں صاحب کے اس احسان پر آپ اور حضرت بیگم صاحبہ کیلئے دعاؤں سے بھر گیا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کو جنت الفردوس میں کروٹ کروٹ بلند سے بلند تر مقام عطا فرماتا چلا جائے۔آمین۔

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور صاحبزادی محمودہ بیگم صاحبہ



حضرت صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب سے خاکسار کا تعارف تو ربوہ میں زمانہ طالبعلمی سے ہی تھا۔آپ کے چھوٹے صاحبزادے محترمی صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور خاکسار کلاس فیلو تھے اور قریبی دوست بھی تھے۔اس طرح اکثر آپ کی کوٹھی جانا رہتا تھا۔وہاں اکثر محترمی میاں صاحب اور محترمہ بیگم صاحبہ سے ملاقات ہوجاتی تھی۔آپ ہمیشہ بہت ہی شفقت سے پیش آتے۔اسی طرح خاکسار کے چچا محترمی ملک عبدالرب صاحب کا محترمی صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب مرحوم سے بہت قریبی دوستی کا تعلق تھا۔خاکسار کو اکثر اپنی دادی جان کے ساتھ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اکثر گھروں میں ساگ اور اچار دینے کیلئے جانے کا موقع ملتا تھا۔ان مواقعہ پر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگوں کی شفقت اور دعائیں مل جاتی تھیں اور تعارف بھی ہوجاتا تھا۔

ایک دفعہ خاکسار کا سکول میں محترمی صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور کچھ عرصہ بات چیت بھی بند رہی۔محترمہ بیگم صاحبہ نے محسوس کیا کہ باری آجکل آتا نہیں ہے،میاں مظفر سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب نہ دیا،پھر محترمی جمیل صاحب سے دریافت فرمایا،جمیل صاحب کی پرورش حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ نے کی تھی اور آپ کوٹھی میں ہی رہتے تھے۔آپ بھی ہمارے کلاس فیلو تھے۔محترمی بیگم صاحبہ نے



جمیل کو حکم دیا کہ جاؤ باری کو بلا کر لاؤ، وہ دارالرحمت غربی آیا اور خاکسار کو اپنے ساتھ کوٹھی لے گیا۔حضرت بیگم صاحبہ نے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا ہے، خاکسار کو کچھ جھجک بھی تھی اور کچھ میاں مظفر صاحب کے اور ناراض ہونے کا خوف بھی تھا، بات کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن حضرت بیگم صاحبہ نے نہ مانی، آپ نے میاں مظفر صاحب کو ان کے کمرے سے بلوایا اور ہم دونوں کی صلح کروا کر حکم دیا کہ اب گلے ملو۔اس طرح حضرت بیگم صاحبہ کی شفقت سے یہ لمبی ناراضگی دور ہوگئی۔اس روز بیگم صاحبہ نے خاکسار کو پینے کیلئے شربت دیا جو اتنا مزیدار تھا کہ اس کا سوچنے سے بھی اس کی مٹھاس مُنہ میں آجاتی ہے۔ہم نے جب انگلستان پہنچ کر بریڈفورڈ کو اپنا گھر بنایا تو پتہ چلا کہ حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کی اکلوتی بیٹی محترمی صاحبزادی امتہ الحئی صاحبہ اپنے میاں محترمی ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کے ساتھ یارکشائر مین ہی باٹلے میں رہائش پزیر ہیں۔چنانچہ ان کا ہمارے گھر آنا جانا شروع ہوگیا جو ہمارے لئے بہت ہی خوشی کی بات تھی۔اب جب بھی حضرت میاں صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ اپنی بیٹی کے پاس تشریف لاتے تو ہمیں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوجاتا۔

آپ دونوں بہت ہی شفیق اور دعا گو وجود تھے۔جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی، آپ ڈھیروں دعائیں دیتے اور قیمتی نصائح بھی فرماتے۔ خاکسار کو کئی بار آپ دونوں کو لندن اور بعض دوسرے مقامات پر اپنی کار میں لے جانے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔آپ کو ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف پایا۔آپ اکثر نصائح فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کے گھروں کی مثالیں دیتے اور دلچسپ واقعات بھی سناتے۔ اکثر سفروں میں آپ اپنے خلفاء کے ساتھ گزارے ہوئے وقتوں کے ایمان افروز واقعات سناتے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب



ایک دفعہ خاکسار کو حکم ملا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ کو ہارٹلے پول محترمی ڈاکٹر حمید احمد خان صاحب اور محترمہ ساجدہ خان صاحبہ کے گھر سے لے کر ان کو لیک ڈسٹرکٹ کی سیر کروا کر باٹلے لے کر جانا ہے جہاں محترمی ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب اور محترمہ صاحبزادی امتہ الحئی بیگم صاحبہ رہائش پزیر تھے۔صبح سات بجے کا وقت طے ہوا۔بریڈفورڈ سے ہارٹلے پول چونکہ قریباً ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ہے اس لئے خاکسار نماز فجر کے بعد چائے وغیرہ پی کر پانچ بجے کے بعد گھر سے روانہ ہوگیا اور وقت مقررہ پر ہارٹلے پول محترمی ڈاکٹر صاحب کے گھر پہنچ گیا۔جہاں محترمی ڈاکٹر حمید احمد خان صاحب اور حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے بڑے پیار سے استقبال کیا۔خاکسار نے عرض کی کہ اگر تیار ہیں تو چلتے ہیں۔محترمی ڈاکٹر صاحب نے اصرار فرمایا کہ نہیں چائے پی کر نکلنا۔حضرت میاں صاحب نے فرمایا یہ فجر کے وقت سے گھر سے نکلا ہوگا اور آگے بھی لمبا سفر ہے، اس کو ناشتہ دیں۔خاکسار نے بہت کوشش کی کہ ان کو تکلیف نہ ہو اور ناشتہ نہ بنانا پڑے لیکن حضرت میاں صاحب نہیں مانے اور خاکسار کو ناشتہ کرنا پڑا۔ناشتہ کرتے ہوئے محترمی ڈاکٹر حمید احمد خان صاحب تو میزبان کی حیثیت سے حسب معمول خوب خیال رکھ رہے تھے لیکن حضرت میاں صاحب خود اٹھا اٹھا کر چیزیں خاکسار کے آگے رکھتے اور فرماتے یہ بھی کھاؤ۔یہ حضرت میاں صاحب کی شفقت اور مہمان نوازی کا ایک ایسا پیارا رنگ تھا جو خاکسار نے ہمیشہ ان میں قادیان قیام کے دوران بھی دیکھا۔ناشتے کے بعد روانگی سے

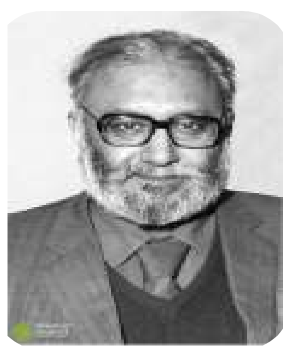
قبل محترمی ڈاکٹر صاحب نے خاکسار کو راستے سمجھائے کیونکہ یہ روٹ خاکسار کے لئے اس وقت نیا تھا۔ دوران سفر حضرت میاں صاحب خاکسار کا بہت خیال رکھتے۔ اس سفر میں حضرت میاں صاحب، حضرت بیگم صاحبہ اور آپ کی دو بیٹیاں بھی شامل تھیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی شخصیت بہت ہی شفیق، پیار کرنے والی اور ہمدرد تھی۔ خاکسار نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ سے ذاتی اور قادیان کے حالات سے متعلق سوالات پوچھنے شروع کر دئے، آپ ہر بات کا جواب بہت تفصیل سے دیتے۔ آپ کے اندر علم کا ایک خزانہ بھرا ہوا تھا۔ آپ تاریخ اسلام سے بہت دلچسپ واقعات سناتے، ہندوستان کے بادشاہوں کے واقعات اور تاریخ احمدیت سے ایمان افروز واقعات سناتے۔ اکثر تاریخ میں سے دلچسپ مگر سبق آموز لطائف بھی بیان فرماتے۔ آپ کو ہر احمدی خاندان کا شجرہ نسب معلوم تھا اور کسی احمدی کا اگر ذکر ہوتا تو آپ فوراً ان کے آباؤ اجداد کے حالات اور واقعات بھی بتا دیتے۔ حتیٰ کہ قادیان اور گردونواح کے سکھوں اور ہندوؤں کے آباء و اجداد کا بھی خاصا علم تھا۔ آپ ہر سفر کے دوران خصوصی طور پر قادیان سے تعلق رکھنے والے خاندانوں کا خاص خیال رکھتے اور ان کے رشتہ داروں کو ضرور ملنے کی کوشش فرماتے۔



یو کے میں اسلام آباد ابھی نیا نیا لیا تھا اور جلسہ سالانہ کی تیاریاں پورے زوروں پر تھیں۔ حضرت میاں صاحب یو کے پہنچ چکے تھے اور اسلام آباد دیکھنے کیلئے آئے ہوئے تھے اور اکیلے ہی چل پھر کر مختلف جگہوں کو دیکھ رہے تھے۔ خاکسار ان دنوں نائب افسر خدمت خلق تھا اور جلسہ سے ایک ہفتہ پہلے وقار عمل کی غرض سے اسلام آباد پہنچ کر کام کر رہے تھے۔ ہم ایک جگہ کھود کر لکڑی کا ایک ٹکڑا لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ خاکسار اکیلا ہی آری لے کر اس ٹکڑے کو کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک حضرت میاں صاحب وہاں پہنچ گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا کر رہے ہو، خاکسار نے بتایا کہ اس لکڑی کو کاٹ کر یہاں لگانا ہے۔ حضرت میاں صاحب فوراً خاکسار کے ساتھ لکڑی کو پکڑ کر مدد کرنے لگے۔ خاکسار نے بار بار درخواست کی کہ آپ بزرگ ہیں، آپ چھوڑ دیں میرے ساتھی ابھی آ جائیں گے اور میری مدد کریں گے لیکن حضرت میاں صاحب نہیں مانے اور فرمانے لگے کہ میں لکڑی کو پکڑتا ہوں تم اس کو کاٹو۔

ایک دفعہ قادیان میں خاکسار اور مکرم منور نوری صاحب مرحوم حضرت میاں صاحب کو دارالمسیح میں ملنے گئے۔ محترمی نوری صاحب سے حضرت میاں صاحب بہت شفقت فرماتے تھے۔ نوری صاحب نے حضرت میاں صاحب سے عرض کی کہ کسی دن شکار کا پروگرام بناتے ہیں کیونکہ باری بھی شکار کا شوقین ہے، باتوں باتوں میں شاعری کا ذکر چل نکلا تو نوری صاحب نے کہا کہ باری کو شاعری سے بھی دلچسپی ہے، حضرت میاں صاحب نے بڑی خوبصورت مسکراہٹ دیتے ہوئے فرمایا نوری صاحب آپ تو ہر لفظ ''ش'' سے باری کی دلچسپی بتا رہے ہیں، شکار بھی، شاعری بھی، پھر تو ان کو ''شادی'' سے بھی بڑی دلچسپی ہوگی۔ ہم جب کبھی ہمیں قادیان جانے کا اعزاز حاصل ہوتا تو ہم حضرت میاں صاحب سے ملنے دارالمسیح جاتے، حضرت میاں صاحب بڑے پیار اور شفقت سے ہمیں اور بچوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تبرکات دکھاتے اور ہر تبرک کے تعلق میں کوئی تاریخی واقعہ بھی بیان فرماتے۔ اللہ تعالیٰ حضرت میاں صاحب کو جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔



محترمی پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب



محترمی جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اس دور کے سب سے بڑے مسلمان سائنسدان تھے جن کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے **1979**ء میں فزکس میں نوبل انعام دیا گیا۔آپ کا شمار دنیا کے چوٹی کے سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔ دنیا آپ کی ریسرچ اور سائنسی دریافتوں سے آپ کی وفات کے بعد بھی آج تک فائدہ اٹھا رہی ہے۔آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے درجنوں ممالک نے اپنے ممالک کے دوروں کی دعوت دی اور ان ملکوں کے اعلیٰ ترین اعزازات سے نوازا گیا۔

آپ ایک غیور احمدی اور محب وطن پاکستانی تھے۔ باوجود انتہائی تعصب کے آپ نے آخر دم تک اپنے وطن کا نام روشن کرنے اور وطن کی خدمت کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔آپ کی انتھک کوششوں کی برکت سے آج بھی بے شمار مسلمان اور دوسرے طلباء اٹلی میں آپ کے قائم کردہ سینٹر میں اور دوسری جگہوں پر سائنس میں اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کر رہے ہیں اور ریسرچ کا کام بھی کر رہے ہیں۔

خاکسار کی آپ سے پہلی ملاقات کالج کے زمانہ میں ربوہ میں اس وقت ہوئی جب آپ ڈگری کالج کے افتتاح کے موقع پر ربوہ تشریف لائے۔آپ سے ملنے کا ہر طالبعلم کو شوق تھا۔آپ نے بڑی شفقت سے ہر ایک کو ملاقات کا شرف دیا اور بڑی محبت سے بات چیت کی۔



1983ء کے ربوہ کے آخری جلسہ سالانہ کے موقع پر خاکسار کی ڈیوٹی محترمی محمود احمد صاحب بنگالی مرحوم صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ تھی۔ ہمارے ساتھ ایک خادم بابر سندھی بھی تھے جو اپنی جیپ ڈرائیو کرتے تھے۔ہم اکثر دن کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح کے قافلے کے آگے چلتے تھے۔اور شام کو محترمی صدر صاحب کے حکم کے مطابق دوسری ڈیوٹیاں کرتے تھے۔ ایک دن محترمی صدر صاحب نے حکم دیا کہ آج شام آپ نے صدر انجمن احمدیہ کے گیسٹ ہاؤس میں جانا ہے، وہاں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا قیام ہے۔ان سے وقت لیا ہوا ہے۔ان کا انٹرویو ریکارڈ کرنا ہے۔یہ ہمارے لئے بہت بڑے اعزاز کی بات تھی۔

ہم وقت مقررہ پر گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے۔محترمی ڈاکٹر عبدالسلام صاحب بھی وقت پر پہنچ گئے۔کچھ دیر کیلئے اپنی رہائش گاہ میں گئے۔ پھر باہر آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا چھوٹا بیٹا بھی تھی جو اس وقت شاید دس گیارہ سال کا ہوگا۔آپ ہم سے پوچھنے لگے کہ آپ لوگوں کے پاس کتنا وقت ہے، ہم نے عرض کی کہ آپ کیلئے ہمارے پاس تو بہت وقت ہے۔آپ نے فرمایا کہ میں آج سارا دن بہت مصروف رہا ہوں اور اس بچے کو وقت نہیں دے سکا۔اس کی ضد ہے کہ میں اس کے ساتھ شطرنج کھیلوں، مجھے تھوڑا سا وقت دیں تا کہ میں اس کے ساتھ کچھ دیر کھیل سکوں۔ چنانچہ آپ واپس اپنی رہائش گاہ میں چلے گئے اور کافی دیر تک اپنے بیٹے کے ساتھ شطرنج کھیلنے کے بعد باہر تشریف لائے۔ یہ ہمارے لئے بڑا سبق تھا کہ آپ باوجود اپنی بے انتہا مصروفیات کے اپنے بیٹے کی خواہشات کا کس طرح خیال رکھ رہے تھے۔خاکسار کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس شام نہ صرف آپ کے ساتھ وقت گذارنے کا شرف حاصل ہوا، آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا بلکہ اس عظیم انسان کے ساتھ چند تصاویر بنوانے کا بھی موقع مل گیا۔الحمدللہ۔ یہ یادگار تصاویر آج بھی خاکسار کی فوٹو البم کی زینت ہیں۔ بعد میں آپ سے اکثر لندن میں ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔آپ ہمیشہ بہت ہی شفقت سے پیش آتے اور ربوہ کی ملاقات کا ذکر ہمیشہ فرماتے۔

محترمی صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب

محترمی صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے ،صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے صاحبزادے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے سمدھی تھے۔حضورؒ کی ہجرت کے بعد آپ قریباً ہر سال لندن تشریف لاتے اور کچھ عرصہ یہاں قیام فرماتے ،جلسہ سالانہ میں شمولیت فرماتے۔ آپ بہت ہی سادہ اور نفیس طبیعت کے مالک تھے۔لندن قیام کے دوران آپ سے اکثر ملاقات کا شرف حاصل ہوتا۔آپ بڑی خوبصورتی سے پنجابی میں بات کرتے۔اکثر آپ ہمارے پاس کچھ دیر کیلئے بیٹھ جاتے اور ہماری حوصلہ افزائی فرماتے۔اسلام آباد میں جلسہ سالانہ کے ایام میں بھی آپ ضرور کچھ وقت نکال کر ہمارے پاس تشریف لا کر کچھ دیر بیٹھتے۔ہمارے لئے یہ بات انتہائی خوشی کی باعث ہوتی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے ،حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے صاحبزادے اور حضرت خلیفۃ المسیح کے سمدھی نہایت شفقت سے ہم خدام کے پاس تشریف فرما ہوتے ہیں۔

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ صحابی سبز پگڑی والے



آپ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہدایت پر یو کے جلسہ سالانہ پر انگلستان تشریف لائے اور مختلف جماعتوں میں جا کر احباب جماعت کو ملاقات کا شرف عطا فرمایا۔خاکسار کی یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے گھر بھی تشریف لائے اور کچھ دیر تشریف فرما رہے۔اس کے بعد خاکسار ان کو برمنگھم چھوڑنے کے لئے گیا۔

خاکسار نے خاص طور پر یہ بات دیکھی کہ آپ کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ اسلام اور آپ کے خلفاء کی محبت اور عقیدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آپ کو ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ کہیں نماز کا وقت نہ گذر جائے۔یہاں تک کہ سفر کا پروگرام بھی اس طرح تیار کرنے کو فرماتے کہ نماز کہیں آرام سے ادا کر کے سفر پر روانہ ہوسکیں۔سارا وقت ذکر الٰہی میں گذارتے۔سبحان اللہ۔مسیح پاک علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ کی صحبت نے کیا نیک اثر چھوڑا ہوا تھا۔



حضرت مرزا عبدالحق صاحب

بریڈفورڈ جماعت میں محترمی جناب مولانا نسیم احمد صاحب باجوہ جتنا عرصہ بطور مربی سلسلہ خدمات سرانجام دیتے رہے ان کی وجہ سے حضرت مرزا عبدالحق صاحب ضرور بریڈفورڈ تشریف لاتے اور چند دن یہاں گذارتے۔آپ کی ذات بھی ہمارے لئے ایک نشان تھی،باوجود پیرانہ سالی کے آپ ہر وقت بڑے سرگرم رہتے اور عبادات کا خاص طور پر بڑا خیال رکھتے،عبادات کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ آنے دیتے۔

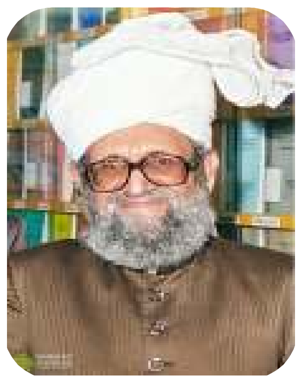
ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ ایک دفعہ آپ ہمارے گھر ٹھہرے۔ایک دن ہم ان کے کمرہ میں ان کا خیال کرتے ہوئے اس خیال سے کہ بزرگ ہیں شاید تیار ہونے کے لئے ان کو کچھ وقت درکار ہو ذرا تاخیر سے گئے تو دیکھا کہ ہمارے چھوٹے بیٹے کو ساتھ کھڑا کر کے نماز شروع کر دی ہوئی تھی۔نماز کے بعد فرمانے لگے کہ پچاس سال سے زائد عرصہ سے میں نے کبھی بھی اکیلے نماز نہیں پڑھی۔اسی لئے اپنے ڈرائیور کو ساتھ ہوائی جہاز کے سفروں میں بھی رکھتا ہوں تاکہ وہ ساتھ دے اور میری نماز باجماعت ہو جائے۔سبحان اللہ۔ایک دفعہ خاکسار نے بی بی سی ٹیلیویژن پر ان کا انٹرویو کروایا۔رپورٹر بریڈفورڈ آئی اور درخواست کی کہ ہم سٹی سینٹر چلتے ہیں جہاں بریڈفورڈ کی تاریخی عمارات ہیں۔وہاں فلم بنائیں گے۔حضرت مرزا صاحب چل پڑے۔وہاں پہنچ کر رپورٹر نے آپ سے درخواست کی کہ آپ کچھ دور چلیں تاکہ میں کچھ فلم ریکارڈ کر لوں۔حضرت مرزا صاحب اتنا تیز چلے

کہ ہم سب آپ کے ساتھ نہ رہ سکے۔اس سے رپورٹرا تنامتاثر ہوئی کہ اس نے اپنی رپورٹ میں اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا کہ نوے سال سے زیادہ عمر کے باوجود یہ اب بھی اتنی سرگرمی سے چلتے ہیں۔آپ نے اس کو بتایا کہ آپ چند سال پہلے تک سرگودھا میں اپنے گھر کے لان میں با قاعدہ روزانہ ٹینس کھیلتے تھے اور صبح کے وقت روزانہ چند میل پیدل چلتے ہیں۔رپورٹر نے عرض کی کہ آپ نے تو ہم جوانوں کو شرمندہ کر دیا ہے۔بی بی سی ٹیلیویژن انٹرویو میں جب رپورٹر نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کی لمبی زندگی کا راز کیا ہے۔آپ کا جواب تھا آدھی رات کے بعد کی ورزش،اس نے حیران ہوکر پوچھا آپ آدھی رات کے بعد ورزش کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا میں ہر رات آدھی رات کے بعد اُٹھ کر اپنے اللہ کے حضور جھک کر عبادت کرتا ہوں،نماز تہجد ادا کرتا ہوں جو کئی گھنٹوں تک کی ہوتی ہے،یہی میری ورزش ہے اور یہی میری لمبی عمر کا راز ہے۔

شہر میں آپ کے انٹرویو کے دوران بہت سے انگریز اور ایشیائی افراد آپ کو دیکھ کھڑے ہو گئے۔انٹرویو کے بعد بعض مسلمان خواتین آپ کے پاس آ کر آپ کے ہاتھ چومنے لگیں اور کہنے لگیں، باباجی ہمارے لئے ضرور دعا کریں۔یہ نظارہ ٹی وی پر رپورٹ کے دوران بھی دکھایا گیا۔

ایک دفعہ احباب جماعت سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ ایک دفعہ آپ امریکہ میں علیل ہو گئے تو ڈاکٹروں کو ایک چھوٹا سا آپریشن کرنا پڑا۔آپریشن کے بعد ڈاکٹروں نے بڑی حیرانگی سے ان کو بتایا کہ باوجود اتنی عمر کے آپ کے پیٹ کے اندر تمام **Organs** اسی طرح ہیں جیسے ایک چھوٹے بچے کے ہوتے ہیں۔آپ کھانے میں ہر چیز تھوڑی سی مقدار میں چکھتے ضرور تھے۔مثلاً اگر سیخ کباب بنے ہیں تو آدھا کباب کھائیں گے۔فرماتے تھے یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمتیں ہیں ان کو ضرور کھا کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔آپ بتاتے تھے کہ ساری عمر آپ نے روزانہ خدمت دین اور عبادات کو اپنے دنیاوی کاموں پر ترجیح دی ہے۔جب آپ وکالت کی پریکٹس کرتے تھے تو روزانہ چند گھنٹے وکالت کرنے کے بعد اپنے دینی فرائض میں مصروف ہو جاتے۔اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی ان کو کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔سبحان اللہ۔

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد



حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد بھی اپنے یورپ کے سفروں کے دوران کئی بار بریڈفورڈ تشریف لائے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ہی نفیس طبیعت عطا فرمائی تھی۔آپ جس محفل میں جاتے اس محفل کی جان بن جاتے۔آپ کی شخصیت ایسی تھی کہ آپ جہاں جاتے لوگ آپ کو دیکھ کر متاثر ہوتے۔

آپ کو تبلیغ کا جنون تھا۔آنے سے پہلے ہی حکم دے دیتے کہ غیر از جماعت دوستوں کے ساتھ مجلس سوال و جواب کا پروگرام رکھ لیں۔ہر مشکل سے مشکل ترین سوال کا جواب اور حوالے آپ کو زبانی یاد ہوتے۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر بریڈفورڈ کی بیت الحمد میں مجلس سوال و جواب کا اہتمام کیا گیا جس میں بڑی تعداد میں غیر از جماعت دوست شامل ہوئے۔حضرت مولوی صاحب نے حسب معمول ہر سوال کے جواب حوالے نکال نکال کر فوراً دیے۔اس موقع پر ایک پاکستانی مہمان جو یہاں کی مسلمان کمیونٹی کی جانی پہچانی شخصیت ہیں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مولوی ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں،ان کے علامہ صاحب نے تو حوالے فرفر یاد کئے ہوئے ہیں اور ایک منٹ میں نکال کر آگے رکھ دیتے ہیں۔ان کا مقابلہ تو نہیں ہوسکتا۔

ایک دن ہم مولانا صاحب کی خواہش کے مطابق آپ کو بریڈفورڈ کی سینٹرل لائبریری لے گئے جو ایک وسیع عمارت میں تھی اور جس کی آٹھ منزلیں تھیں۔حضرت مولوی صاحب کو ریسرچ کا تو جنون تھا،وہاں جاتے ہی ہر منزل پر بعض کتب کے متعلق لائبریرین سے دریافت فرمانے لگے۔لائبریرین بھی جو

سب انگریز تھے آپ کے وسیع علم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، خاکسار سے پوچھنے لگے کہ یہ صاحب کون ہیں، جب خاکسار نے ان کو بتایا کہ یہ مذہبی سکالر اور مورخ ہیں اور پاکستان سے آئے ہوئے ہیں تو سب کا ایک ہی تبصرہ تھا کہ ان صاحب کے اندر تو علم کا وسیع سمندر بھرا ہوا ہے۔الحمدللہ۔

ایک دفعہ حضور انور نے آپ کو رمضان المبارک میں چند ہفتوں کے لئے ہڈرز فیلڈ جماعت میں بھجوا دیا جو بریڈفورڈ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔آپ وہاں روزانہ درس قرآن اور درس حدیث دیتے۔ایک شام خاکسار بھی اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ مولانا صاحب کا درس سننے کے لئے ہڈرز فیلڈ چلا گیا اور مسجد میں پیچھے بیٹھ گیا۔درس کے دوران حضرت مولانا صاحب کی اچانک خاکسار پر نظر پڑی تو درس روک کر بڑے پیار سے فرمانے لگے، جناب باری ملک صاحب آپ کب پہنچے، آپ تو ''صف اول کے مجاہد'' ہیں، آپ پیچھے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں آگے آجائیں۔خاکسار مولانا صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں آگے جا کر بیٹھ گیا۔یہ آپ کی شفقت کا ایک خوبصورت انداز تھا۔



ایک دفعہ حضرت مولانا صاحب حضور انور کی اجازت سے چند دن آرام کرنے کے لئے بریڈفورڈ تشریف لائے لیکن خدمت دین کا جذبہ تھا کہ روزانہ کوئی پروگرام ترتیب دینے کا حکم دیتے۔حضور انور نے خاکسار کو حکم دیا کہ مولانا دوست محمد صاحب کو یارکشائر کی کسی پُرفضا مقام پر لے جائیں۔ہم حضرت مولانا صاحب کو بریڈفورڈ کے قریب ہی ایک خوبصورت جگہ **Bolton Abbey** لے گئے جہاں چار سو سال پرانے گرجے کے کھنڈرات بھی ہیں اور خوبصورت جھیل بھی ہے۔حضرت مولانا صاحب بہت لطف اندوز ہوئے، بار بار فرماتے سبحان اللہ حضرت صاحب کو میرا کتنا خیال ہے کیسی خوبصورت جگہ بھجوایا ہے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کیا خوبصورت نظارے ہیں۔حضرت صاحب نے میرے لئے باری کو اچھا گائیڈ چنا ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا صاحب نے اتنے دلچسپ لطائف سنائے کہ ہم سب کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔بعد میں ایک ملاقات کے دوران حضور انور نے دریافت فرمایا کہ مولوی دوست محمد صاحب کو کہاں لے گئے تھے، خاکسار نے عرض کی حضور ہم مولوی صاحب کو **Bolton Abbey** لے گئے تھے جہاں محترم مولوی صاحب نے بڑے دلچسپ اور مزاحیہ اشعار سنا کر ہم سب کو خوب ہنسایا تو حضور انور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اسی لئے میں نے تمہیں کہا تھا کہ مولوی صاحب کو کسی پرفضا مقام کی سیر ضرور کروا دو۔مولوی صاحب خوب رونق لگاتے ہیں۔

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا یہ طریق تھا کہ جہاں بھی جاتے اپنی ذمہ داریوں کو نہ بھولتے، ہر جگہ تاریخ سے متعلق اگر کوئی معلومات مل سکتیں تو ضرور اکٹھی کرنے کی کوشش فرماتے۔ایک دفعہ ہم مولانا صاحب کو بریڈفورڈ کے قریب **Guiseley** لے گئے جہاں **Harry Ramsden** کا مشہور زمانہ ریسٹورنٹ تھا جہاں یارکشائر کی مشہور **Fish & Chips** ملتی تھی۔اس مشہور ریسٹورنٹ میں دنیا بھر کی مشہور شخصیات آکر کھانا کھا چکی ہیں۔اس ریسٹورنٹ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بمعہ حضرت بیگم صاحبہ اور اپنی بچیوں کے تشریف لے گئے تھے اور وہاں کی مشہور **Fish & Chips** کھائی تھی۔یہاں ریسٹورنٹ والوں نے ایک مہمانوں کی کتاب رکھی ہوئی تھی جس میں برطانیہ، امریکہ اور یورپ کے مشہور افراد اور سربراہان مملکت نے اپنے تاثرات تحریر کیے ہوئے تھے، حضور انور کو بھی یہ کتاب پیش کی گئی اور حضور انور نے بھی اس کتاب میں اپنے تاثرات تحریر فرمائے تھے۔

حضرت مولانا صاحب کو یہاں پہنچ کر **Fish & Chips** کے لذیذ کھانے سے زیادہ حضور کے اس نوٹ کو حاصل کرنے میں دلچسپی تھی۔چنانچہ

ریسٹورنٹ کے مینیجر سے درخواست کی تو انہوں نے ہمیں وہ کتاب دکھادی ،ہم نے اس میں حضور انور کا نوٹ ڈھونڈ ھا اور مولانا صاحب نے اس کی تصاویر بھی لیں اور ویڈیو بھی بنوائی۔مولانا صاحب بار بار یہ کہتے کہ **Fish & Chips** کا اپنا مزا تو تھا ہی لیکن حضرت صاحب کا نوٹ ملنے کی مجھے بہت خوشی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے **1993**ء کے دورہ یورپ میں خاکسار بھی حضور انور کی شفقت سے قافلہ کا ممبر تھا فرینکفرٹ میں جرمنی کی جماعت نے قافلہ کے بعض افراد کو ان کی نئی خریدی ہوئی عمارت جو **Bonamesse** کہلاتی تھی ٹھہرایا ہوا تھا۔ خاکسار ایک کمرے میں تھا۔ہمارے ساتھ والے کمرے میں حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد ٹھہرے ہوئے تھے۔روزانہ صبح کے وقت حضرت مولوی صاحب ہمارے کمرے کے قریب آ کر آواز دیتے کہ کیوں جی مجاہدین اُٹھ گئے ہیں۔ہم کہتے جی مولوی صاحب ہم اُٹھ گئے ہیں،آپ سنائیں آپ کا کیا حال ہے۔مولوی صاحب کا ہمیشہ یہ جواب ہوتا ’’حال تو اچھا ہے لیکن مستقبل اس سے بھی زیادہ اچھا ہے‘‘۔

ایک دفعہ یورپ کے سفر کے دوران مسجد نور فرینکفرٹ میں نماز عصر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مولانا دوست محمد صاحب شائد سے پوچھا کیا حال ہے،مولوی صاحب نے فرمایا حضور حال بہت اچھا ہے۔حضور نے فرمایا آپ کی شادی کسی یوز نین عورت کے ساتھ نہ کروادیں۔مولوی صاحب نے کہا نہیں حضور میرے بچے ناراض ہوجائیں گے۔حضور نے فرمایا بچوں کو کیسے پتہ چلے گا۔مولوی صاحب نے فرمایا حضور یہ ڈش انٹینا کا دور ہے خبر فوراً پھیل جاتی ہے۔حضور اس پر بہت مسکرائے۔

ایک دفعہ خاکسار کو بریڈفورڈ کے سب سے بڑے پیر معروف حسین صاحب کا فون آیا۔انہوں نے مجھے فرمایا کہ میں ان کے گھر جا کر ان سے ملوں کیونکہ وہ ایک اہم بات کرنا چاہتے ہیں۔خاکسار ان کے گھر گیا تو مجھے پچھلے کمرے میں لے گئے اور چند نوٹ مجھے دیے کہ مولانا دوست محمد صاحب نے اپنی ایک کتاب میں ان کے خاندان نوشاہی قادری کے چند حوالے دیے ہیں جو غلط ہیں۔خاکسار نے ان کو کہا کہ میں مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو یہ حوالے بجھوادوں گا اور ان سے اس کا جواب حاصل کروں گا۔چنانچہ خاکسار نے وہ حوالے مولانا کو بجھوا دیے۔محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے چند ہی دنوں میں ان کے اعتراض کے تفصیلی جواب خاکسار کو بجھوادیا اور ثابت کیا کہ ان کی تحریروں میں کوئی غلط حوالہ نہیں ہے۔خاکسار نے مولانا کا جواب پیر صاحب کو پہنچایا تو اس کو پڑھنے کے بعد فرمانے لگے کہ میں اس کو تفصیل سے دیکھ کر آپ سے رابطہ کروں گا۔اس کے بعد ان کہ طرف سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔



حضرت چوہدری انور حسین صاحب

حضرت چوہدری انور حسین صاحب امیر جماعت شیخوپورہ تھے۔آپ بہت بڑے زمیندار بھی تھے اور نامور وکیل بھی۔لیکن سادگی اور عجز ان کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔خلافت سے عقیدت میں بے مثال شخصیت تھے۔ان کو یہ بھی اعزاز حاصل تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے بیرون ملک دوروں میں خلفاء کہ شفقت سے ان کو قافلے میں شامل ہونے کا اعزاز ملتا رہا۔حضور انور کی ہجرت کے بعد بھی حضرت چوہدری صاحب حضور انور کے ساتھ یورپ کے دوروں میں ہر سال موسم گرما میں شامل ہوتے۔آپ خلفاء کے حقیقی عاشق تھے۔خلیفہ وقت کے سامنے بیٹھ کر ان کے پُرنور چہرہ کو دیکھتے رہتے۔

حضور چوہدری صاحب سے پنجابی میں بات فرماتے اور اکثر سفروں کے دوران ہالینڈ، بیلجئم، جرمنی، سویٹزرلینڈ وغیرہ میں صبح کے وقت دفتر میں بلا کر کچھ دیر ان سے باتیں فرماتے۔ بعض دفعہ حضور انور نمازوں کے بعد مسجد میں ہی کچھ دیر تشریف فرماتے اور محترمی چوہدری صاحب سے پنجابی میں دلچسپ گفتگو فرماتے۔ محترمی چوہدری صاحب پنجابی میں ’’ بلّے بلّے‘‘ بڑے پیارے انداز سے کہتے اور حضور خوب لطف اندوز ہوتے۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو چند دن کے لئے بریڈفورڈ ایک ضروری کام سے بھجوایا اور فرمایا کہ آپ وہاں باری کے پاس ٹھہر جائیں اور کام کر کے واپس لوٹیں۔ ہمارا گھر بہت چھوٹا تھا لیکن پھر بھی ہم نے حضرت چوہدری صاحب کو ایک کمرہ دے دیا تا کہ آپ آرام سے قیام فرما سکیں۔ کئی احباب جماعت اس کوشش میں لگے رہے کہ کسی طرح چوہدری صاحب ان کے گھر ایک رات ہی قیام فرمالیں لیکن چوہدری صاحب نہیں مانے۔

ایک دن ایک احمدی دوست جو کافی خوشحال تھے اور ان کا کافی بڑا اور وسیع گھر تھا ضد کر کے حضرت چوہدری صاحب کو ایک رات کیلئے اپنے گھر لے گئے۔ رات دس بجے کے قریب ان کا فون آیا کہ میں چوہدری صاحب کو واپس تمہارے گھر لا رہا ہوں۔ جب چوہدری صاحب ہمارے گھر پہنچ گئے اور وہ دوست اپنی ناراضگی کا اظہار کر کے چلے گئے تو خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہوئی، ان کا گھر تو کافی بڑا ہے اور سہولتیں بھی زیادہ ہیں۔ حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا میں اس لئے رات گئے ضد کر کے واپس آ گیا ہوں کیونکہ حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ باری کے پاس ٹھہریں، اگر میں ان کے ہاں قیام کرتا تو مجھے ساری رات جاگنا پڑتا کیونکہ مجھے نیند تو آنی نہیں تھی اور حضور انور کی نافرمانی بھی ہو جاتی۔ اللہ اللہ اطاعت کا کیا بلند معیار تھا۔

مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب



مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین صاحب بھی حضور کی ہجرت کے بعد کئی بار انگلستان مختلف مواقع پر آتے رہے اور بریڈفورڈ بھی کئی بار تشریف لاتے رہے۔ آپ کی شادی خاکسار کے ماموں محترمی صوبیدار غلام رسول صاحب مرحوم کی بڑی بیٹی عائشہ امینہ صاحبہ نائب صدر لجنہ اماء اللہ پاکستان سے ہوئی تھی۔ اس وجہ سے خاکسار کو ان کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔

آپ کا خلافت سے عشق اور اطاعت مثالی تھی۔ ایک دفعہ آپ نے مہمانوں کو ربوہ اپنے گھر کھانے کی دعوت پر مدعو کیا ہوا تھا اور سب کھانا کھا رہے تھے کہ دروازے پر گھنٹی بجی۔ آپ دروازے پر گئے اور واپس آ کر جلدی جلدی کوٹ اور ٹوپی پہننی شروع کر دی۔ مہمانوں سے معذرت کرنے لگے کہ حضور انور کا ایک ضروری حکم ملا ہے جس پر فوری عمل کرنا ہے اس لئے مجھے جانا پڑے گا۔ سب نے کہا کہ آپ کھانا تو کھا لیں۔ کہنے لگے کہ حضور کی اطاعت مقدم ہے۔ یہ کام مکمل کرنے کے بعد گھر آ کر بقیہ کھانا کھا لوں گا۔ ایک دفعہ بنگلہ دیش کے دورے کے دوران شدید بیماری اور اللہ کے فضل سے تندرستی کے بعد اکثر یہی کہتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعاؤں کی وجہ سے زندگی عطا فرمادی ہے۔ ایک دفعہ خاکسار ربوہ میں تھا تو ایک دن صبح سویرے ان کے گھر گیا تو قرآن ہاتھ میں پکڑ کر دفتر جانے کیلئے تیار تھے۔ خاکسار نے عرض کی کہ اتنی صبح کدھر جا رہے ہیں تو کہنے لگے کہ حضور نے میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ دفتر میں قرآن کلاس لیا کروں۔ میں کارکنان سے پہلے دفتر پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ سونے سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب کا کچھ حصہ ضرور پڑھتے۔



مکرم مولانا مبارک احمد صاحب ساقی

مکرم مولانا مبارک ساقی صاحب مربی سلسلہ تھے جو مغربی افریقہ میں خدمات سرانجام دینے کے بعد لندن میں قیام فرما تھے۔حضور انور کی ہجرت کے بعد حضور نے آپکو ایڈیشنل وکیل التبشیر مقرر فرمایا۔آپ باوجود صحت کی خرابی کے بڑی محنت سے اپنی دینی ذمہ داریوں کو سرانجام دیتے رہے۔آپ کو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔حضور انور کے ساتھ بہت سے اہم کام سرانجام دینے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔حضور انور کی ہجرت کے بعد ابتدائی ایام میں روزانہ شام نماز عشاء کے بعد حضور انور کی مجلس عرفان ہوتی تھی جس میں شمولیت کیلئے احباب جماعت دور دور سے تشریف لاتے۔ایک شام نماز عشاء کے بعد مسجد فضل کے باہر احاطے میں زیادہ احباب ہونے کی وجہ سے خاصا شور تھا،اچانک اوپر کھڑکی سے حضور انور کی آواز آئی،حضور نے فرمایا ساقی صاحب کو بلاؤ،جب ساقی صاحب حاضر ہو گئے تو حضور نے ان کو فرمایا کہ ان کو چپ کرواؤ،شور سے ہمسائیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔محترمی ساقی صاحب نے حکم کی تعمیل فوراً کرواتے ہوئے چندمنٹ میں ہی خاموشی کروادی۔اس کے بعد کبھی وہاں کوئی شور نہ ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے **1987**ء کے دورہ یورپ میں آپ بھی ایڈیشنل وکیل التبشیر کی حیثیت سے قافلے میں شامل تھے۔سارا سفر محترمی ساقی صاحب کی قربت حاصل رہی اور ان کے ساتھ بہت ہی اچھا وقت گذرا۔آپ انتہائی نیک،مخلص،دعا گو اور محنتی تھے۔

جرمن زبان میں مسجد کو **Moschee** لکھتے ہیں،محترمی ساقی صاحب مذاق کے رنگ میں فرماتے یہ کیا آپ لوگوں نے مسجد کو ’’ماشقی‘‘ بنادیا ہے۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے محترم ساقی صاحب کو حکم دیا کہ باری کو کہیں کہ **Organic** مکئی کی چھلیاں ڈھونڈ کر بھیجے۔ساقی صاحب کا فون آگیا۔اب ان دنوں ایک ناممکن سی بات تھی کہ کہیں سے **Organic** سبزیاں مل جائیں۔محترم ساقی صاحب نے تسلی دی کہ حضرت صاحب کا حکم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ خود ہی کوئی سامان فرمادے گا۔اس رات خاکسار نے ساری رات دعا کی اللہ خود ہی ایسا سامان پیدا فرمادے کہ حضور انور کی خواہش پوری ہوجائے۔خاکسار اگلے ہی دن جو جمعہ کا دن تھا مسجد سے نماز جمعہ میں دعا کر کے نکلا اور ساتھ والے شہر **Halifax** گیا جہاں ایک انگریز تاجر خاکسار کا واقف تھا،اس کا ایک بڑا اسٹور تھا لیکن وہ خود ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔سارا راستہ دعائیں کرتا گیا کہ اللہ جلدی سے سامان پیدا فرمادے۔وہ اپنے سٹور میں ہی مل گیا۔خاکسار سے پوچھنے لگا کہ تم تو جمعہ کے دن کام نہیں کرتے آج کیسے آنا ہوگیا۔خاکسار نے آنے کی وجہ بیان کی تو وہ سوچنے لگا اور پھر کہنے لگا کہ میرے گھر کے پاس ہی گاؤں میں ایک ایسا فارم ہے جہاں کسان **Organic** سبزیاں اور پھل اگاتا ہے۔اس سے پوچھوں گا،اگر اس کے پاس مکئی کی چھلیاں بھی ہوئیں تو تمہیں فون کردوں گا۔وہ دن اور جمعہ کی رات بھی دعاؤں میں گذری۔اگلے دن ہفتہ کو اس کا فون آگیا کہ مجھے اس ہمسائے کے فارم سے **Organic** مکئی اور چھلیاں مل گئی ہیں۔تمہیں کتنی چاہیئے،

خاکسار نے کہا کہ میں خود آتا ہوں۔چنانچہ خاکسار خود اس گاؤں میں چلا گیا اور کسان سے بھی ملا۔اس نے برائے نام قیمت پر دو بڑی بوریاں مکئی کی چھلیاں بھر کر دے دیں جو خاکسار وہاں سے سیدھا پانچ گھنٹے کا سفر طے کر کے حضور انور کے پاس لے گیا۔لندن پہنچ کر محترم ساقی صاحب کو اطلاع دی۔نماز کے بعد محترمی ساقی صاحب نے حضور کا اطلاع دے دی اور وہ چھلیاں حضور انور کو پیش کی گئیں۔حضور بڑے خوش ہوئے اور فرمایا کہ مجھے علم تھا کہ باری یارکشائر کے کسی فارم سے ضرور یہ چھلیاں ڈھونڈ ھ لے گا۔خاکسار کے لئے یہ ایک نشان بھی تھا کہ جب خدا تعالیٰ کا پیارا خلیفہ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کا غیب سے انتظام فرمادیتا ہے۔الحمدللہ۔ اگلے دن حضور نے خدام کو فرمایا کہ انگیٹھی جلا کر اس پر ان چھلیوں کو بھونو۔اب یہ اتنی زیادہ چھلیاں تھیں کہ مسجد میں موجود ہر شخص کو بھی کھانے کو ملیں اور ساتھ بعض ہمسایوں اور احمدیوں کو بھی بھجوائی گئیں۔مکئی بہت ہی میٹھی تھی۔محترم ساقی صاحب بڑے خوش تھے،خاکسار کو خود اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پیش کی۔

محترمی آفتاب احمد خان صاحب



محترمی آفتاب احمد خان صاحب پاکستان کے ایک انتہائی کامیاب سفیر تھے۔آپ کا تقرر قائداعظم نے پاکستان کے سفراء کی پہلی ٹیم میں فرمایا تھا۔آپ قریباً چالیس سال تک بیرونی ممالک میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے رہے۔آپ کو سفارتی حلقوں میں بہت عزت اور احترام کے ساتھ جانا جاتا تھا۔سفارت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ لندن میں قیام پزیر ہوگئے اور ہنسلو کے قریب ہینگر لین پر گھر خرید کر وہاں رہائش اختیار کی۔آپ کی بیگم محترمی پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب کی بیٹی تھیں۔ہجرت کے بعد جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے محترم چوہدری انور کاہلوں صاحب کو یوکے جماعت کا امیر مقرر فرمایا تو آپ کو نائب امیر مقرر کیا گیا۔



آپ کے اندر بے پناہ انتظامی سلاحیتیں تھیں اور آپ نے جلد ہی ان صلاحیتیوں کو اپنے کاموں کے ذریعہ منوالیا۔حضور آپ کو امور خارجہ کے بہت سے کام سونپتے اور آپ بہت عمدگی سے ان کاموں کو سرانجام دیتے۔محترمی انور کاہلوں صاحب کے بعد آپ کو امیر جماعت احمدیہ مقرر کیا گیا اور آپ نے جماعت احمدیہ یوکے کی تنظیم سازی اور ڈسپلن کو بہت مضبوط کیا۔آپ باقاعدہ تمام جماعتوں کے دورے کرکے مقامی افراد سے ملتے اور جماعتی امور پر بات کرتے۔

آپ کو انگریزی اور اردو زبانوں پر پورا عبور تھا اس لیے آپ نوجوانوں سے بھی کھل کر بات کر لیتے۔

☆ آپ کے دور میں ہی 1991ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ قادیان جلسہ سالانہ میں شمولیت کیلئے تشریف لے گئے۔یہ ایک تاریخی واقعہ تھا کیونکہ ہجرت کے بعد خلیفۃ المسیح کا پہلا دورہ تھا۔محترم آفتاب خان صاحب نے اس تاریخی دورہ کی تیاری اور انتظامات کے سلسلہ میں تاریخی کردار ادا کیا۔دہلی قیام کے دوران آپ کی ملاقاتیں ہندوستان کے بڑے سینئیر سیاستدانوں،حکومتی افسریان اور وزراء سے اور سفراء سے بھی ہوئیں۔آپ کو بہت احترام دیا گیا۔جلسہ کے ایام میں ایک شام خاکسار کو امیر صاحب نے فرمایا چلو ہم یوکے کے گیسٹ ہاؤز میں جماعت یوکے کے افراد سے مل کر آئیں۔خاکسار ان کے ساتھ چل دیا۔ہم پیدل ہی یوکے گیسٹ ہاؤز گئے اور امیر صاحب نے یوکے مہمانوں سے ملاقات کی۔یوکے کے مہمان امیر صاحب کو اپنے درمیان دیکھ کر بے انتہا خوش تھے۔آپ نے سب کا احوال دریافت کیا اور اگر کسی کو مدد کی ضرورت تھی تو ان کی مدد کی۔ایک دن نماز عصر کے بعد آپ پھلوں سے بھری ہوئی ایک بڑی ٹوکری لے کر آئے اور خاکسار کو حکم دیا کہ یہ پھل ڈیوٹی پر موجود یوکے کے تمام خدام کو دے آؤ۔خاکسار نے خدام کے پاس جا کر تمام خدام کو امیر صاحب کی طرف سے پھل پیش کیے۔

محترم آفتاب خان صاحب کی طبیعت میں انتہائی سادگی اور عجز تھا۔باوجود پاکستان کے سینئر ترین سفیر کے عہدے پر خدمات سرانجام دینے کے آپ میں اکڑ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔آپ خلیفہ وقت کے سامنے بیٹھتے تو اکثر آپ کی آنکھیں آبدیدہ ہوتیں۔

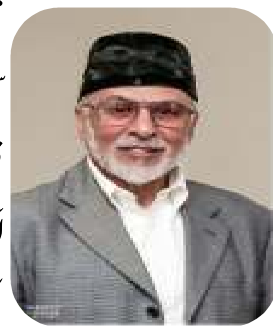
محترمی ہدایت اللہ صاحب بنگوی

محترمی ہدایت اللہ صاحب بنگوی بھی پاکستان کی فارن سروس سے ایک لمبے عرصہ تک منسلک رہے اور مختلف ممالک میں مادر وطن کی خدمات بڑی کامیابی سے سرانجام دیتے رہے۔ان کی ان خدمات کی وجہ سے بیرونی ممالک کے سفارت کار آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔آپ کا تقرر کچھ عرصہ

کیلئے انڈونیشیا میں جاکرتا میں بھی رہا۔ یہاں آپ کے تعلقات وہاں کے مقبول صدر سائیکارنو سے بھی رہے۔ آپ کے پاس ایک دھوتی تھی جو آپ اکثر رات کو پہنتے اور بڑے فخر سے بتاتے کہ یہ صدر سائیکارنو نے مجھے تحفہ دی تھی۔ محترمی بنگوی صاحب ان خوش قسمت افراد میں سے تھے جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خاص شفقت اور قربت حاصل ہوئی۔ آپ نے یوکے جماعت کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔ جب حضور انور نے آپ کو افسر جلسہ سالانہ یوکے مقرر فرمایا تو باوجود صحت کی خرابی کے بڑی محنت اور دیانتداری سے آپ نے خدمات سرانجام دیں۔ اسلام آباد میں ایک Portacabin میں آپ کا دفتر ہوتا۔ یہاں سے آپ کام سرانجام دیتے۔ یہ دفتر نہ صرف افسر جلسہ سالانہ کا دفتر ہوتا بلکہ تمام دوسرے ناظمین بھی اسے اپنے دفتر کے طور پر استعمال فرماتے۔ محترم بنگوی صاحب اس دفتر میں رش ہونے سے کبھی نہ گبھراتے۔ ایک دفعہ آپ جلسہ سالانہ کی خریداری کی غرض سے بریڈفورڈ بذریعہ ٹرین تشریف لائے۔ خاکسار ان دنوں نارتھ ریجن کا خدام لاحمدیہ کا ریجنل قائد تھا۔ خاکسار محترمی بنگوی صاحب کو لینے کیلئے لیڈز ریلوے سٹیشن پر گیا۔ وہاں بنگوی صاحب مل نہیں رہے تھے۔ کافی تلاش کے بعد محترمی بنگوی صاحب ملے، آپ نے باقاعدہ اوور کوٹ اور سر پر ایک بڑا Hat پہنا ہوا تھا اور ہاتھ میں اپنے بیگ کے علاوہ چھتری بھی پکڑ رکھی تھی۔ جب کار میں بیٹھ گئے تو خاکسار نے مذاق سے عرض کی کہ بنگوی صاحب آپ تو انگریز بن گئے ہیں، فرمانے لگے کہ یہ انگریزوں کی اچھی عادت تھی کہ جب کبھی گھر سے باہر نکلتے تو اوورکوٹ ضرور پہنتے اور سر پر Hat اور ہاتھ میں چھتری ضرور رکھتے، میں نے ان کی اس اچھی عادت کو اپنایا ہوا ہے اور جب کبھی سفر کیلئے روانہ ہوتا ہوں تو ان باتوں کا ضرور خیال رکھتا ہوں۔ آپ جب کبھی بھی بریڈفورڈ تشریف لاتے تو بریڈفورڈ میں پاکستان کونصلیٹ کے افسران آپ سے ضرور ملنے آتے اور بڑے ادب اور احترام سے آپ کو ملتے۔ 1989ء کے جلسہ سالانہ جرمنی کے موقع پر جماعت جرمنی نے فرینکفرٹ میں ایک ہاسٹل کرائے پر لیا ہوا تھا جہاں قافلے کے افراد اور دوسرے مہمانوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ خاکسار اور محترمی بنگوی صاحب کی رہائش کا انتظام ایک ہی کمرے میں تھے۔ محترمی بنگوی صاحب کی صحبت اور قربت کے یہ چند دن خاکسار کیلئے یادگار دن تھے۔ روزانہ رات کو محترمی بنگوی صاحب کے ساتھ محفل سجتی اور بہت دلچسپ باتیں ہوتیں۔ بعض اور دوست بھی ہمارے کمرے میں آجاتے۔



محترمی عبدالباقی ارشد صاحب



محترمی عبدالباقی ارشد صاحب کا شمار بھی یوکے جماعت کے بہت سینئیر ممبروں میں ہوتا ہے۔ آپ ایک لمبے عرصہ تک سعودی عرب میں قیام کے بعد لندن آکر یہاں ومبلڈن کے ٹینس کی گراؤنڈ کے پاس ایک بڑا گھر خرید کر یہاں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ قیام پزیر رہے۔ آپ کو یوکے جماعت کے نائب امیر، سیکرٹری جائداد اور افسر جلسہ سالانہ کی حیثیت میں لمبے عرصہ تک خدمات کی توفیق ملی۔ آپ کو ابتداء میں مسجد بیت الفتوح کی تعمیر کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت میں بھی خدمات کا اعزاز ملا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کا تقرر فرمایا تھا۔ آپ کو یہ اعزاز بھی ملا کہ ہجرت کے وقت آپ نے ایمسٹرڈیم جاکر یوکے جماعت کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا استقبال ائرپورٹ پر فرمایا۔ حضور کے ارشاد پر آپ نے اسلام آباد کی زمین کی نیلامی پر بولی بھی دی۔ آپ کے بیٹے نبیل ارشد کو کئی سالوں تک حضور انور کی کار کی ڈرائیونگ کرنے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔

ایک دفعہ خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو یارکشائر ڈیلز کے ایک خوبصورت مقام پر ایک خوبصورت سکول کی عمارت دکھانی جو نیلامی کیلئے جارہی تھی۔ خاکسار نے حضور سے درخواست کی کہ اگر حضور خود تشریف لا کر اس جگہ کو دیکھ لیں تو اچھا ہوگا۔ ہم خدام وہاں باربی کیو بھی کرلیں گے۔ حضور نے فرمایا ارشد باقی صاحب کو پوچھو۔ اگر وہ مجھے لے آئیں گے تو میں آجاؤں گا۔ خاکسار نے حضور کا پیغام محترم باقی صاحب کو دیا تو باقی صاحب نے فرمایا اگر حضور کا حکم ہے تو میں حاضر ہوں۔ چنانچہ حضور انور وہاں باقی صاحب کے ساتھ تشریف لائے اور خود جگہ کا معائنہ فرمایا اور ہم نے حضور کے اعزاز میں باربی کیو کا اہتمام بھی کیا۔ محترم ارشد باقی صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے افریقہ ٹریڈ کا چیرمین مقرر فرمایا۔ یہ ادارہ تجارت کے فروغ کیلئے بنایا گیا تھا۔ آپ نے یہاں بھی بڑی محنت سے خدمات سرانجام دیں۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے الشرکتہ الاسلامیہ کا چیرمین مقرر فرمایا تھا۔ آپ کا دفتر ڈیئر پارک میں تھا۔ آپ باقاعدگی سے وقت پر دفتر آتے اور بڑی محنت اور دیانتداری سے لمبے عرصہ تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔

آپ کے اندر خلافت احمدیہ اور نظام جماعت کی اطاعت اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ اکثر خاکسار کو فون کرتے اور بات کرتے۔ آپ ہمیشہ خلیفہ وقت سے انتہائی محبت اور عقیدت کا اظہار فرماتے۔ ایک دفعہ کسی ایسے شخص کا ذکر ہوا جس نے اپنی حرکتوں سے جماعت اور حضور انور کا دل دکھایا تھا۔ محترم باقی صاحب اس پر اس قدر ناراض تھے کہ خاکسار نے کبھی بھی کسی شخص کو اتنا ناراض نہیں دیکھا۔ خاکسار کو فرمایا کہ اس شخص کا نام بھی میرے سامنے مت لو۔ آپ کچھ عرصہ اصلاحی کمیٹی کے بھی چیرمین رہے۔ آپ نظام جماعت کے معاملے میں انتہائی سخت تھے اور نظام جماعت کی اطاعت کے معاملے پر کسی سے کسی قسم کی نرمی نہیں کرتے تھے۔ مالی معاملات میں بھی آپ سختی سے عمل کرواتے تھے۔ آپ نے افسر جلسہ سالانہ کی حیثیت سے بہت محنت سے ساری نظامتوں کی رہنمائی فرمائی اور اس نظام کو بہت مضبوط بنایا۔

محترمی خلیل احمد سولنگی صاحب شہید مسجد دارالذکر لاہور



محترمی جناب خلیل احمد سولنگی صاحب شہید اکثر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں بریڈفورڈ تشریف لاتے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ ہمیشہ بریڈفورڈ پہنچ کر فون پر اطلاع دیتے اور قیام کے دوران روزانہ مسجد نماز باجماعت کیلئے ضرور تشریف لاتے۔ آپ جب بھی مسجد آتے تو ضرور کچھ چندہ ادا کر کے جاتے۔ جب مسجد المہدی کی تعمیر شروع ہوئی تو ہر بار سینکڑوں پاؤنڈ مسجد کیلئے چندہ ادا کر کے جاتے۔

ایک دفعہ خاکسار نے ان سے درخواست کی کہ اگلی بار آپ ہماری مسجد کیلئے ایک عدد نمازوں کے اوقات والا بورڈ اور کچھ ٹوپیاں لیتے آئیں۔ آپ نے واپس پاکستان پہنچتے ہی بذریعہ پارسل دو خوبصورت نمازوں کے اوقات والے کلاک کے بورڈ اور بڑی قیمتی ٹوپیوں کا پورا بکس بھجوادیا۔ ہماری نئی مسجد المہدی کے لئے بھی آپ نے خود ہمیں ایک خوبصورت کلاک نمازوں کے اوقات والا پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان قربانیوں کو قبول فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ مجلس خدام الاحمدیہ یوکے نے **1992**ء میں یارکشائر ڈیلز میں اپنی سالانہ چیریٹی واک کا اہتمام کیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بھی رونق افروز ہوئے۔

خاکسار ان دنوں ریجنل قائد کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ جب آپ کو اس پروگرام کا علم ہوا تو مجھے فون کیا اور اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ میں بھی اس میں شامل ہو کر ڈیوٹی دینی چاہتا ہوں۔ خاکسار نے محترمی صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ یوکے سے ان کی منظوری لے کر ان کو اطلاع

دے دی۔ چنانچہ آپ لاہور سے پروگرام سے دو ہفتے قبل ہی بریڈفورڈ پہنچ گئے اور دن رات پروگرام کی تیاری میں ہمارے ساتھ کام کیا۔ چیریٹی واک کی صبح خاکسار ایک دوست کی نئی کار میں حضور انور کو باٹلے سے جہاں حضور انور کا قیام تھا لینے گیا۔ حضور سے درخواست کی کہ اس دوست کی خواہش ہے کہ برکت کی خاطر وہ حضور کو اپنی نئی کار میں بٹھائیں۔ حضور انور نے ازراہ شفقت ہماری درخواست قبول فرمالی اور خاکسار کو حکم دیا کہ آپ بھی اس کار میں ہی ساتھ بیٹھ جائیں، یہ خاکسار کے لئے تو زندگی کا سب سے بڑا اعزاز تھا۔ خاکسار نے حضور انور سے درخواست کی کہ اگر حضور اجازت دیں تو محترم سولنگی صاحب چونکہ خاص طور پر پاکستان سے اس پروگرام کے لئے آئے ہیں ان کو بھی اسی کار میں بٹھا لیا جائے، حضور انور نے انتہائی شفقت سے اجازت دے دی۔ یہ کار سات سیٹوں والی Land Cruiser تھی، اس لئے پچھلی سیٹ پر محترمی سولنگی صاحب بھی بیٹھ گئے۔ آپ اس اعزاز پر اتنے خوش ہوئے کہ بعد میں ہمیشہ اس کا ذکر ہر مجلس میں بڑے فخر سے فرماتے۔ محترمی خلیل سولنگی شہید میں دینی غیرت بھی کُوٹ کُوٹ کر بھی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ آپ ایک شادی میں شمولیت کی غرض سے بریڈفورڈ تشریف لائے۔ خاکسار ان دنوں صدر جماعت بریڈفورڈ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ بارات کی روانگی سے پہلے شادی والے گھرانے کے ایک فرد نے ایک اوراحمدی بھائی سے کہا کہ دعا کروادیں۔ محترمی سولنگی صاحب نے اس بات کا اتنا برا منایا کہ باوجود روکنے کے دولہے کے باپ سے جا کر بات کی اور کہا کہ جب صدر جماعت موجود تھا تو کسی دوسرے شخص سے کیوں دعا کروائی گئی ہے۔ آپ لوگوں کو جماعتی احترام کا علم نہیں۔ دولہے کے والد نے معافی مانگی تو خلیل سولنگی صاحب کا غصہ کم ہوا۔

حمید احمد صاحب لائلپوری

محترمی حمید احمد صاحب لائلپوری مرحوم ایک نڈر اور زندہ دل شخصیت کے مالک تھے۔ خدمت دین کا جذبہ ان میں مثالی تھا۔ ہر وقت خدمت کے لئے تیار نظر آتے۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے گلاسگو کے مشن ہاؤس کا افتتاح فرمایا تو محترمی حمید لائلپوری صاحب بھی لندن سے خاص طور پر اس مبارک موقع پر گلاسگو آئے ہوئے تھے۔ افتتاح حضور انور نے خطبہ جمعہ سے فرمانا تھا۔ لیکن جمعہ کی صبح سے ہی ملاؤں نے مشن ہاؤس کی عمارت کو گھیرے میں لے کر ایک طوفان بدتمیزی شروع کر دیا۔ خاکسار ان دنوں ریجنل قائد مجلس خدام الاحمدیہ نارتھ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا تھا اور سکاٹ لینڈ بھی خاکسار کی قیادت میں ہی آتا تھا۔ خدام ڈیوٹی پر کھڑے تھے اور پولیس بھی موجود تھی۔ جب محترمی حمید لائلپوری صاحب وہاں پہنچے تو باوجود روکنے کے بڑی جرأت سے ان ملاؤں کے لیڈر کے پاس جو سڑک کے پار کھڑا تھا جا کر اس جلوس کی وجہ پوچھی۔ اس ملاں نے الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں، محترمی حمید لائلپوری صاحب نے انتہائی جرأت کے ساتھ اس ملاں کو اس کی زبان میں ہی بات کر کے کہا کہ اگر چند منٹوں میں آپ نے اپنا بوریا بستر یہاں سے گول نہ کیا تو میں تم لوگوں کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ آپ یاد رکھیں گے۔ ملاں ہوتے تو ڈرپوک ہیں۔ حمید لائلپوری صاحب کی دھمکی سے ڈر کر فوراً سڑک سے ذرا دور جا کر کھڑے ہو کر بیہودہ نعرے لگانے شروع کر دیے۔ اب حمید لائلپوری صاحب دوبارہ اس کے پاس جانا چاہتے تھے لیکن مشکل سے ان کو سمجھا کر روکا گیا۔ نماز جمعہ ادا فرمانے کے بعد حضور انور اپنے دفتر میں تشریف لے گئے جو اوپر کی منزل پر تھا۔ حضور انور نے خاکسار کو یاد فرمایا۔ خاکسار حضور انور کے پاس دفتر میں گیا تو حضور کھڑکی کے پاس کھڑے خود ان ملاؤں کو دیکھ رہے تھے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ آج کیا ہوتا رہا ہے۔ خاکسار نے ساری تفصیل بتائی اور ساتھ ہی محترمی حمید لائلپوری صاحب والا واقعہ بھی بیان کر دیا۔ حضور اس بات کو سن کر خوب کھلکھلا کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ حمید بہت نڈر اور جماعتی غیرت رکھنے والا شخص ہے۔

حضور نے دریافت فرمایا کہ ان ملاؤں کا سردار کون ہے، خاکسار نے اشارہ کر کے بتایا کہ حضور وہ جو شخص مرسیڈیز کار میں بیٹھنے کی کوشش کر رہا ہے وہ ان کا لیڈر ہے۔اب ملاں کا پیٹ حسب معمول خوب بڑا تھا اور وہ خود بھی ضرورت سے زیادہ ہی موٹا تھا، اور کار چھوٹی سی مرسیڈیز تھی۔حضور اس کو دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ یہ اتنا موٹا اس چھوٹی سی کار میں فِٹ کیسے آتا ہوگا۔ خاکسار کی والدہ محترمہ کی وفات یکم ستمبر **1992**ء کو ہوئی تو محترمی امام مولانا عطاء المجیب راشد صاحب خاص طور پر لندن سے نماز جنازہ پڑھانے کیلئے تشریف لائے۔محترمی حمید لائلپوری صاحب بھی باوجود صحت کی خرابی کے بریڈفورڈ نماز جنازہ میں شمولیت کیلئے تشریف لائے۔

محترمی حمید لائلپوری صاحب اکثر محترمی امام صاحب کے ساتھ لمبے سفروں میں جاتے تھے۔ان کے دل کے کئی آپریشن ہو چکے تھے اور ڈاکٹروں نے ان کو قریباً جواب دے دیا ہوا تھا۔نماز جنازہ کے بعد ہمارے گھر سب اکٹھے ہوئے تو خاکسار نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، جب محترمی حمید لائلپوری صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ آپ ہمارے اوپر احسان فرماتے ہوئے باوجود اپنی صحت کی خرابی کے خاص طور پر اتنا لمبا سفر طے کر کے نماز جنازہ میں شامل ہوئے تو فرمانے لگے کہ خدمتِ دین تو دراصل میری صحت کی انشورنس ہے۔اس سے ہی تو میری زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔جب صحت ذرا خراب نظر آئے تو امام صاحب کے ساتھ کسی سفر پر چل نکلتا ہوں اور صحت ٹھیک ہو جاتی ہے۔اللہ اللہ کیا مجاہد تھے اور ایمان کا کیا بلند مقام تھا ان کا۔اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں بلند سے بلند ترین مقام عطا فرماتا چلا جائے اور ان کو ان کی خدمات کی جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین۔

مکرم نذیر احمد صاحب ڈار



مکرمی نذیر احمد صاحب ڈار مشرقی افریقہ سے ہجرت کے بعد لندن میں مسجد فضل کے قریب ہی گھر خرید کر رہائش پزیر ہو گئے تھے۔آپ مشرقی افریقہ میں ایک سینئیر پولیس افسر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔آپ اپنی دیانتداری اور قانون کے احترام کی وجہ سے ہر اس جگہ جہاں آپ نے نوکری کی پہچانے جاتے تھے۔آپ کی کامیاب پولیس سروس کی وجہ سے آپ کو مشرقی افریقہ میں بہت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

☆لندن جماعت میں آپ مختلف حیثیتوں سے خدمات دین سرانجام دیتے رہے۔آپ لندن جماعت کے جنرل سیکرٹری بھی رہے، صدر جماعت کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں اور یوکے جماعت کے سیکرٹری رشتہ ناطہ اور سیکرٹری امور عامہ کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔آپ اپنی پیشہ ورانہ زندگی کہ وجہ سے نظم وضبط اور ڈسپلن پر بہت سختی سے عمل کرتے بھی اور کرواتے بھی تھے۔

☆ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو اپنے نمائندہ کی حیثیت سے خاص طور پر تنزانیہ کی جماعتوں کے دورہ پر بھی بھجوایا۔

☆حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد جب خاکسار خدمت کے سلسلہ میں لندن میں رہا ان دنوں مسجد فضل کے پاس جماعتی رہائش نہیں تھی، صرف نصرت ہال میں یا محمود ہال کے سٹیج پر رات سو لیتے تھے، ایک دن محترمی ڈار صاحب پوچھنے لگے کہ سوتے کہاں ہو، خاکسار نے عرض کی کہ نصرت ہال میں تو فرمانے لگے کہ آج رات تم میرے گھر سونا۔چنانچہ نماز عشاء کے بعد خاکسار کو ساتھ لے کر اپنے گھر لے گئے۔محترمی ڈار صاحب کی بیگم بھی بڑی نیک عورت تھیں، آپ محترمی خواجہ محمد امین صاحب سابق امیر جماعت سیالکوٹ کی بیگم کی چھوٹی بہن تھیں۔افریقہ میں واقفیت کی وجہ سے آپ بھی ہمیشہ بہت شفقت سے پیش آتیں۔گھر پہنچنے پر محترمی ڈار صاحب نے اپنی بیگم کو خاکسار کے متعلق بتایا اور پھر خاکسار سے ہر بات پوچھی کہ

ناشتہ کتنے بجے کرو گے، ناشتے میں کیا کھاتے ہو، چائے یا کافی پسند کرو گے، کس طرح کی چائے پیو گے وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر اپنی بیگم صاحبہ کو ساری ہدایات دیں کہ صبح اتنے بجے اس طرح کا ناشتہ تیار ہو، بیگم نے بہت کہا کہ باری کو میں نے بچپن سے دیکھا ہے یہ ہمارے بچوں کی طرح ہے، گھر کی ہی بات ہے لیکن محترمی ڈار صاحب کا اصرار تھا کہ نہیں اس طرح کا ناشتہ ہونا چاہئے۔

محترمی ڈار صاحب نظم وضبط کے خود بھی سختی سے پابند تھے اور دوسروں سے بھی پابندی کرواتے تھے۔ جن دنوں خاکسار کی ڈیوٹی بطور ناظم وی آئی پی تھی، مکرمی ڈار صاحب ناظم دفتر جلسہ سالانہ کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے تھے، ان کا دفتر ہمارے دفتر کے ساتھ ہی تھا، آپ اکثر ایمیگریشن کے معاملات نمٹاتے۔ ایک دن آپ ہماری مارکی میں آئے، ایک خادم نے جین کی ٹراؤزر پہنی ہوئی تھی۔ محترمی ڈار صاحب اس کو دیکھتے ہی ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ تمہیں پروٹوکال کا علم نہیں ہے، تم وی آئی پی کی ڈیوٹی کر رہے ہو اور پہنی جین ہوئی ہے۔ تمہیں تو سمارٹ لباس میں سوٹ وغیرہ پہن کر آنا چاہیئے۔ خاکسار نے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ آجکل کا رواج ہے لیکن محترمی ڈار صاحب نے ایک نہ مانی۔

مکرمی سید فضل احمد صاحب سابق انسپیکٹر جنرل پولیس بہار

مکرمی سیّد فضل احمد صاحب بہار (بھارت) کے انسپیکٹر جنرل پولیس تھے اور اپنی سخت محنت اور دیانتداری کی وجہ سے سارے ہندوستان میں بڑی عزت سے جانے جاتے تھے۔ آپ بعد میں دہلی میں اندرا گاندھی پولیس ٹریننگ کالج کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت میں بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ خلیفہ وقت کی محبت ان کو بھی لندن کھینچ لائی۔

☆ یہاں خاکسار کی دعوت پر آپ حضور کی اجازت سے خاص طور پر وقت نکال کر بریڈفورڈ تشریف لائے اور مسجد میں ایک سوال و جواب کی مجلس کی صدارت فرمائی۔ آپ ساری عمر ایک سینیئر پولیس افسر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے لیکن آپ میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خاکسار کو ان کے ساتھ لندن سے بریڈفورڈ اور بریڈفورڈ سے برمنگھم، برمنگھم میں ایک رات محترمی ڈاکٹر سید فاروق احمد صاحب کے گھر میں قیام اور واپس لندن تک سفر کا اعزاز حاصل ہوا۔ آپ انتہائی قابل، دینی علم رکھنے والے، خلافت کے شیدائی اور خوش اخلاق طبیعت کے مالک تھے۔ نظم وضبط کے پابند تھے۔ قادیان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر ہر سال جب آپ قادیان پہنچتے تو پولیس کا چاک وچوبند دستہ آپ کو گارڈ آف آنر پیش کرتا اور سلامی دیتا۔ قادیان کے جلسہ سالانہ پر آپ کو اکثر حضرت خلیفۃ المسیح کی شفقت سے ایک اجلاس کی صدارت فرمانے کا اعزاز بھی حاصل ہوتا۔

☆ ایک دفعہ خاکسار بھی جلسہ سالانہ قادیان میں شامل تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ باری ملک اپنے شہر بریڈفورڈ کی جماعت کا تعارف جلسہ میں کروائیں۔ خاکسار نے اپنی تقریر تیار کی۔ اس اجلاس کی صدارت محترمی سید فضل احمد صاحب نے کرنی تھی۔ اسی صبح اطلاع ملی کہ امور خارجہ کے وزیر مملکت جلسہ میں شمولیت کیلئے تشریف لا رہے ہیں۔ محترمی سید فضل احمد صاحب نے خاکسار کو بلایا۔ مجھے بتایا کہ تمہاری تقریر کے موقع پر وزیر صاحب جلسہ گاہ میں ہوں گے، پہلے تو تسلی دی کہ گھبرانا نہیں اور پھر بعض ہدایات دیں کہ تم نے ان کو اپنی تقریر کے شروع میں خوش آمدید کہنا ہے، ان کو اس طرح مخاطب کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جلسہ کی کاروائی کے بعد خاکسار کو ملے، گلے لگایا اور مبارکباد دی کہ تم نے بہت خوش اصلوبی سے تقریر کی اور وزیر صاحب کو خوش آمدید کہا۔

مکرمی عزیز دین صاحب

مکرمی عزیز دین صاحب انگلستان کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے۔ آپ کو قریباً پچاس سال تک بہت ہی عمدہ طریق پر جماعت کی نمایاں خدمات

سرانجام دینے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ابتدائی دور میں انگلستان آنے والے ہر مبلغ سلسلہ اور احمدی کا آپ نے نہ صرف استقبال کیا بلکہ ہر ممکن مدد بھی کی۔آپ ایک دراز قد اور بڑی سمارٹ شخصیت کے مالک تھے۔اکثر بڑے صاف ستھرے مغربی لباس پہنتے اور بڑی عمدہ انگریزی زبان بولتے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک لمبے عرصہ تک جماعت یوکے کی مختلف حیثیتوں میں خدمت دین کی توفیق عطا فرمائی۔آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ جب قائداعظم مسجد فضل لندن تشریف لائے تو آپ کو ان کو چائے بنا کر پیش کرنے کا موقع ملا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جب انتخاب خلافت کے بعد اپنے پہلے سفر یورپ پر تشریف لائے تو آپ کو حضور نے پہلا نیشنل پریذیڈنٹ مقرر فرمایا۔آپ کی طبیعت میں بہت ہی سادگی اور عاجزی تھی۔

اکثر یارکشائر کے دوروں کے دوران خاکسار کو آپ کی قربت حاصل ہوتی۔خاکسار نے ان کو ہمیشہ بہت ہی مخلص اور ہمدرد شخصیت کا مالک پایا۔1982ء میں لندن سے واپسی کے سفر پر روانگی کے وقت حضور نے محترمی عزیز دین صاحب کو ماتھے پر چوم کر آپ کا شکریہ ادا کیا اور اپنا جاءنماز خاص طور پر آپ کو تحفہ دیا جس پر آپ آبدیدہ ہوگئے اور کافی دیر تک بڑے جذباتی رہے۔یہ آپ کی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے آخری ملاقات تھی۔

مکرمی صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ایم ایم احمد)



یوں تو مکرمی ومحترمی صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کا نام ہم نے بچپن سے سنا ہوا تھا اور ایک دور وہ بھی آیا جب پاکستان کے کرنسی کوٹوں ہر آپ کے دستخط ہوتے تھے لیکن آپ سے ملاقات کا شرف پہلی بار لندن میں جلسہ سالانہ کے موقع پر ہوا۔ہماری یہ خوش قسمتی تھی کہ آپ یارکشائر میں مکرمی ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کے گھر کچھ دن قیام کیلئے تشریف لائے تو ہمیں آپ کے ساتھ کچھ وقت گذار کر آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی مل گیا۔

1986ء میں آپ یارکشائر تشریف لائے تو اتفاقاً انہی دنوں خاکسار کے چھوٹے بھائی عزیزم عبدالفاطر ملک صاحب حال نیشنل پریذیڈنٹ جماعت اٹلی کی شادی تھی۔ہمارے والد صاحب نے آپ کو دعوت دی تو آپ ازراہِ شفقت مکرمی ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب کے ہمراہ خاص طور پر شادی میں شمولیت کیلئے بریڈفورڈ تشریف لائے اور دعا کروائی۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی عزتیں اور نیک شہرتیں عطا فرمائیں،آپ اپنی زندگی کا ایک لمبا عرصہ دنیا کے مختلف ممالک کے سربراہان کے ساتھ کام کرتے ہوئے گذارا لیکن آپ کی طبیعت میں انتہائی سادگی،شفقت اور نرمی تھی۔آپ کے دل میں جماعت کا درد اور انتہائی عقیدت تھی۔آپ انتہائی دعا گو بزرگ تھے۔آخری عمر میں آپ کو بحیثیت امیر جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کے بڑی مقبول خدمات کی توفیق ملتی رہی۔

مکرمی مولانا مسعود احمد جہلمی صاحب

مکرمی مولانا مسعود جہلمی صاحب سے خاکسار کا پہلا تفصیلی تعارف حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے کچھ عرصہ بعد اس وقت ہوا جب آپ لندن تشریف لائے اور بطور پرائیویٹ سیکرٹری حضور انور خدمات سرانجام دیں۔آپ بہت خوش مزاج،خوش لباس اور قابل شخصیت تھے۔

خاکسار کو چند سال حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی شفقت سے حضور کے یورپ کے دوروں کے دوران حضور کے ہمراہ قافلہ میں سفر کرنے کا اعزاز ملتا رہا۔

ان دنوں محترمی مسعود احمد جہلمی صاحب سویٹزرلینڈ میں مبلغ انچارج کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔اکثر آپ جماعت کے سرکردہ افراد کے ہمراہ حضور کے استقبال کیلئے بارڈر پر پہنچے ہوتے۔آپ بہت ہی اچھے منتظم تھے،ہر چیز کو بڑے سلیقہ سے کرتے۔حضور کے دورے کے پروگرام کو بھی

بڑی عمدگی سے ترتیب دیتے اور حضورانور کو ہر پروگرام کی چھوٹی چھوٹی تفصیل بھی تحریر کر کے پیش کرتے ۔حضور بھی ان کا بہت خیال رکھتے اور بڑی شفقت سے پیش آتے ۔

آپ کو عارضہ قلب تھا اور آپ کی بیگم کی صحت بھی اتنی اچھی نہ تھی لیکن اس کے باوجود دونوں میاں بیوی اور ان کے سب بچے حضور کے زیورک قیام کے دوران دن رات ایک کر دیتے اور خود ہر انتظام کرتے ۔ان دنوں سوئٹزرلینڈ کی جماعت بہت چھوٹی تھی لیکن محترمی مسعود جہلمی صاحب نے کبھی بھی صحت کی خرابی، کام کی زیادتی یا تھکاوٹ کا نہ اظہار کیا نہ ہی کبھی کسی کو پتہ لگنے دیا۔

مکرمی چوہدری رشید احمد صاحب پریس سیکرٹری

محترمی چوہدری رشید احمد صاحب یوکے جماعت کے چند دیرینہ خدام میں سے ایک تھے جنہوں نے ابتدائی ایام میں مختلف حیثیتوں میں جماعت کی بہت خدمت کی ۔آپ نے بچوں کیلئے خوبصورت دینی کتب بھی تحریر کیں ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ہجرت کے بعد آپ کو مرکزی پریس سیکرٹری مقرر فرمایا۔آپ نے محدود وسائل کے بوجود انتھک محنت کی اور مشکل ترین حالات میں دنیا بھر میں جماعت کا پریس کے ساتھ تعلق قائم کروانے میں اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان میں احمدیوں کے ساتھ ہونے والے ریاستی مظالم کی رپورٹس بھی وقت پر تیا کر کے دنیا بھر میں بجھواتے رہے۔آپ کو یہ اعزاز بھی ملا کہ جب لندن سے ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل کا اجراء ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو اس کا مدیر اعلیٰ مقرر فرمایا اور آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو خوب نبھایا۔حضورؒ نے ایک پریس کمیٹی بنائی تھی جس میں خاکسار کو بھی ایک ممبر کے طور پر محترمی چوہدری رشید صاحب کے ساتھ لگایا گیا۔محترمی چوہدری صاحب حضور انور کی ہدایات فوری پہنچاتے اور آگے کام کرنے کے سلسلہ میں مناسب ہدایات بھی دیتے ۔ایک دفعہ محترمی چوہدری صاحب نے فرمایا کہ حضور انور کی خواہش ہے کہ یوکے کے بڑے شہروں میں پریس کانفرنسیں کی جائیں اور مقامی میڈیا کو بھی پاکستان کے حالات سے مطلع کیا جائے ۔خاکسار نے بریڈفورڈ میں ایک مقامی ریسٹورنٹ میں پریس کانفرنس کا اہتمام کیا اور مقامی انگریزی و پاکستانی پریس کے نمائندوں کو مدعو کیا۔محترمی چوہدری صاحب چند دوستوں کے ہمراہ لندن سے بریڈفورڈ پہنچے اور پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا اور نمائندوں کے سوالات کے جوابات دیے۔

ایک دفعہ لندن محمود ہال میں جماعت کی شوریٰ تھی اور خاکسار بھی نمائندہ کے طور پر گیا ہوا تھا۔نماز عشاء کے بعد خاکسار کو پوچھنے لگے کہ تمہارا رات ٹھہرنے کا کیا انتظام ہے۔خاکسار نے عرض کی کہ ابھی منتظمین سے دریافت کرتے ہیں ۔کہنے لگے نہیں تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔خاکسار کو اپنے گھر لے گئے ۔بیگم کو اطلاع بھی نہیں تھی اور وہ خود بھی لجنہ کی نمائندہ ہونے کی وجہ سے شوریٰ سے گھر پہنچی تھیں ۔گھر پہنچتے ہی ایک کمرے میں خاکسار کیلئے سارا انتظام کروایا اور چائے لے کر آ گئے ۔صبح ناشتہ وغیرہ کروا کر واپس مسجد فضل لے کر آئے ۔آپ نے باوجود اپنی بیماری کے آخر دم تک خوب محنت سے خدمت دین سر انجام دی۔

مکرمی بشیر احمد حیات صاحب

مکرمی بشیر حیات صاحب کینیا سے اپنی فیملی کے ساتھ لندن آ کر مسجد فضل کے قریب گھر لے کر قیام پزیر ہوئے ۔آپ باقاعدگی سے مسجد نمازوں کیلئے آتے ۔آپ کو بھی یوکے جماعت میں مختلف حیثیتیوں میں خدمات کی توفیق ملتی رہی ۔آپ کے بچوں کو بھی خدمت دین کی توفیق ملتی رہی ۔آپ کے بڑے بیٹے محترمی رفیق احمد حیات صاحب ہیں جو صدر خدام الاحمدیہ، صدر انصار اللہ، سیکرٹری تعلیم ،سیکرٹری تربیت اور چیئرمین ایم ٹی اے کی حیثیتوں میں

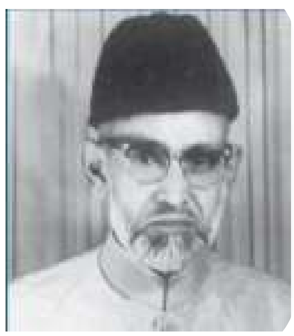
خدمات سرانجام دیتے رہے اور اب آپ امیر جماعت یوکے کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کے دوسرے بیٹے محترمی لئیق حیات صاحب بھی جماعت میں مختلف حیثیتوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ محترمی بشیر حیات صاحب ان دوخوش قسمت افراد میں سے ایک تھے جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ہجرت کے بعد لندن قیام کے دوران روزانہ مجالس عرفان میں سوالات پوچھنے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ حضور انورؒ بھی ان سے بہت شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ محترمی بشیر حیات صاحب کا جنون کی حد تک سوالات اکٹھے کرنے کا شوق تھا۔ ہر وقت ایک بیگ اور ایک نوٹ بک ساتھ رکھتے اور مختلف موضوعات پر سوالات کی تاڑ میں رہتے۔ آپ نے اپنے آخری ایام میں بعض بزرگان کے حالات زندگی تحریر کرنے کا کام بھی شروع کیا تھا۔

مکرمی سیّد عبدالحیٔ شاہ صاحب



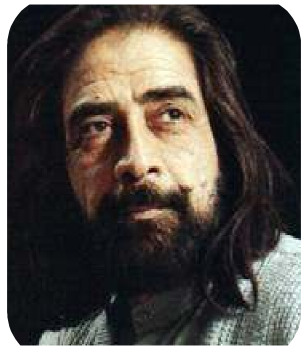
محترمی سید عبدالحیٔ شاہ صاحب سے یوں تو ربوہ سے ہی ایک احترام کا تعلق تھا لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد آپ مختلف مواقع پر حضور کے حکم پر انگلستان تشریف لاتے رہے تو ہمیں بھی ان کی صحبت حاصل ہوتی رہی۔ آپ بہت ہی خوش خلق، ملنسار، ہمدرد، خلافت کے فدائی اور دعا گو بزرگ تھے۔ ابتدائی ایام میں خاکسار نارتھ ریجن اور سکاٹ لینڈ کا ریجنل قائد مجلس خدام الاحمدیہ تھا۔ ایک روز محترمی میاں محمد صفی صاحب نیشنل قائد خدام الاحمدیہ کا فون آیا کہ حضور انور نے ارشاد فرمایا ہے کہ محترمی شاہ صاحب کو لیک ڈسٹرکٹ اور سکاٹ لینڈ کی سیر کرواؤ۔ میں ان کو ساتھ لے کر بریڈفورڈ آ رہا ہوں، تیار رہنا۔ بریڈفورڈ میں محترمی شاہ صاحب کچھ دیر کیلئے رُکے، کھانا کھایا اور آرام کیا۔ ہم ان کو لیک ڈسٹرکٹ اور پھر سکاٹ لینڈ میں گلاسگو، ایڈنبرا اور دوسرے خوبصورت مقامات پر لے گئے۔ یہ قریباً پانچ دن کا سفر تھا۔ اس دوران خاکسار کو محترمی شاہ صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ خوب رونق لگاتے رہے اور ہمیں دلچسپ واقعات بھی سناتے رہے۔ لیک ونڈرمیئر میں کشتی پر بھی جھیل کی سیر کروائی۔ محترمی شاہ صاحب بہت خوش تھے کہ آپ نے تو مجھے وہ وہ علاقے دکھا دیے جہاں ہمارے بزرگ خلفاء تشریف لاتے رہے ہیں۔

مکرمی ملک سیف الرحمن صاحب مفتی سلسلہ



محترمی ملک سیف الرحمن صاحب ایک دفعہ محترمی مولانا عطاء المجیب صاحب راشد مبلغ انچارج یوکے کے ہمراہ بریڈفورڈ تشریف لائے۔ بریڈفورڈ سے لیک ڈسٹرکٹ ان کو لے جانے کا اعزاز خاکسار کو حاصل ہوا۔ لیک ڈسٹرکٹ میں لیک ونڈرمیئر پر کشتی میں ان کو جھیل کی سیر کروائی گئی اور لیک ڈسٹرکٹ کی چند جھیلیں اور دلفریب مناظر سے محترمی ملک صاحب بہت خوش تھے۔ لیک ڈسٹرکٹ کے علاقے میں ہی ایم 6 موٹروے پر ایک خوبصورت سروس سٹیشن میں چائے وغیرہ کیلئے ہم رکے تو محترمی ملک صاحب اور محترمی امام صاحب دونوں کو یہ سروس سٹیشن بہت پسند آئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی خوبصورت جھیل بھی ہے۔ دونوں بزرگ کچھ دیر اس جھیل کے کنارے کھڑے نظارے دیکھتے رہے۔ محترمی ملک صاحب کے ساتھ سفر کے دوران ان سے فقہی مسائل پر بہت سے سوالات پوچھنے کا بھی موقع ملا اور محترمی ملک صاحب نے تاریخ اسلام سے بہت سے واقعات بھی سنائے جن سے خاکسار کے علم میں اضافہ ہوا۔ آپ بہت بڑے عالم تھے جن کو دین کا گہرا علم تھا اور مختلف دینی مسائل پر ان کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ تاریخ اسلام کا بھی گہرا مطالعہ تھا۔

مکرمی عبیداللہ علیم صاحب



ہماری یہ بخوش قسمتی ہے کہ اس دور کے اُردو کے عظیم شاعر جب بھی انگلستان تشریف لاتے تو بریڈفورڈ ضرور تشریف لاتے۔بعض دفعہ آپ اردو کے چوٹی کے شعراء کو بھی اپنے ساتھ پاکستان سے لاتے اور مختلف مجالس میں لے کر جاتے۔آپ کا اُردو ادب میں اس دور میں بہت بڑا مقام تھا اور غیر مما لک میں بسنے والے اُردو زبان کے شیدائی بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔خاکسار کو یہ اعزاز ملتا رہا کہ جب بھی آپ یہاں تشریف لاتے تو آپ کے ساتھ ایک خصوصی شام کا اہتمام کرنے کا موقع مل جاتا۔آپ ہمیشہ ہماری درخواست کو قبول فرماتے اور محفل مشاعرہ میں خوب رونق لگاتے۔غزلیں پڑھنے کا آپ کا ایک نرالا انداز تھا۔جماعت اور خلافت کے آپ فدائی تھے۔ہر مجلس میں کھُل کر اس بات کا اظہار کرتے اور کہتے کہ میرا یہ ایمان ہے کہ اگر آج دنیا میں اُردو زبان زندہ ہے تو اس میں حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ امام جماعت احمدیہ کا بہت عمل دخل ہے۔آپؑ نے اپنی نثر اور شاعری کے ذریعہ اس فصل کی آبیاری کی۔جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے محترمی علیم صاحب کے یورپ میں پروگراموں کی غرض سے ایک کمیٹی بنائی جس کا کام یورپ بھر میں عبیداللہ علیم صاحب کے ساتھ خصوصی پروگراموں اور مشاعرے کرنے کا پروگرام ترتیب دینا تھا تو حضورانور نے خاکسار کو اس کمیٹی کا سیکرٹری مقرر فرمایا۔اس طرح خاکسار کو محترمی عبیداللہ علیم صاحب کے ساتھ خوب وقت گذارنے اور اکٹھے سفر کرنے کا بھی موقع ملتا رہا۔

ایک دفعہ لندن مسجد فضل کے قریب ہی جماعت کے گیسٹ ہاؤس میں آپ کا قیام تھا کہ کچھ طبیعت ناساز ہوگئی۔آپ کی بیماری کی اطلاع محترمی صاحبزادہ مرزا القمان احمد صاحب نے حضورانور کو پہنچادی۔ایک دن حضور اچانک ہی مسجد سے پیدل چل علیم صاحب کی عیادت کیلئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ان کو دوادی اور دعائیں بھی دیں۔اس موقع پر عبیداللہ علیم صاحب بہت جذباتی ہوگئے اور فی البدیہہ یہ شعر کہا؛

یہ سعادت بھی نصیب والوں کو ملتی ہے   کہ مسیحا خود چل کے آجائے بیمار کے پاس

مکرمی منصور بی ٹی صاحب

محترمی منصور بی ٹی صاحب بھی جماعت یو کے ابتدائی مخلصین میں سے تھے۔آپ جماعت کے مشہور بزرگ حضرت چوہدری علی محمد صاحب بی ٹی کے بیٹے اور مشہور شاعر جناب عبدالسلام صاحب اختر کے بھائی تھے۔آپ ایک لمبے عرصہ سے لندن میں قیام پزیر تھے۔آپ کو بھی مختلف حیثیتوں میں جماعت کی خدمات کی توفیق ملتی رہی۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح لرابعؒ ہجرت کر کے لندن پہنچے تو آپ ان دنوں ضیافت کی ڈیوٹی کیا کرتے تھے۔ہجرت کی پہلی شام حضورانور نے محمود ہال میں جماعت کو خطاب فرمایا۔لمبے سفر کی تھکاوٹ بھی تھی اور حضور کا گلا بھی کچھ بیٹھا ہوا تھا۔اسٹیج کے ساتھ ہی کچن تھا جہاں محترمی منصور بی ٹی صاحب قہوہ بنانے کی کوشش کررہے تھے۔آپ جب بھی قہوہ بنا کر لاتے تو حضور فرماتے کہ ٹھیک نہیں ہے۔اس کا پانی کم کرو یا زیادہ کرو۔کئی بار آپ کو قہوہ بنانا پڑا تب جا کر صحیح قہوہ بنا۔حضور بڑی شفقت سے ان کے ساتھ مذاق بھی فرماتے رہے۔ایک لمبے عرصہ تک جماعت ہر پروگرام کے موقع پر اور جلسہ سالانہ کے مواقع پر لندن اور اسلام آباد میں آپ ضیافت کی ڈیوٹی میں کھانا تقسیم کرنے کی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔بعد میں صحت کی خرابی کی وجہ سے آپ کو اور جگہوں پر خدمات کی توفیق ملتی رہی۔کچھ عرصہ آپ افسر جلسہ سالانہ کے دفتر میں بھی کام کرتے رہے۔آپ خود بھی اچھے شعر کہتے تھے اور ادبی مجالس میں بڑے شوق

سے ضرور شامل ہوتے۔اکثر لندن سے خاکسار کو فون کرتے اور کہتے کہ میں نے آج چند شعر کہے ہیں سن لو۔اور پھر اپنے اشعار سناتے۔

ان کے چھوٹے بیٹے مکرمی طارق احمد صاحب بی ٹی کو یہ اعزاز ملا ہے کہ وہ برطانوی پارلیمنٹ کے ایوان بالا ہاؤز آف لارڈز کے تاحیات ممبر مقرر ہوئے ہیں۔یہ کسی احمدی کیلئے پہلا اعزاز ہے۔یہ بھی محترمی منصور بی ٹی صاحب کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد کام کی زیادتی کی وجہ سے مسجد فضل کے ساتھ احاطے میں دو بڑے بڑے Portacabin رکھے گئے تھے جہاں جماعت یوکے کے دفاتر تھے۔محترمی امیر صاحب کے علاوہ مجلس خدام الاحمدیہ اور مجلس انصاراللہ بھی یہ دفاتر استعمال کرتے۔خاکسار کو اب تک اچھی طرح یاد ہے کہ روزانہ شام کو محترمی منصور بی ٹی صاحب مسجد میں آتے تو اپنے بیٹوں کو بھی ساتھ لاتے۔طارق اس وقت چھوٹا تھا۔محترمی رفیق احمد حیات صاحب ان دنوں صدر مجلس خدام الاحمدیہ یوکے تھے۔محترمی منصور بی ٹی صاحب ہمیشہ ہمارے کیبن میں آکر صدر صاحب کو کہتے رفیق تمہارا بیٹا بھی طارق ہے اور میرا بیٹا بھی طارق۔تم اس کیلئے بھی دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک، قابل اور خادم دین بنائے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور اسی ''طارق'' کو خوب قابل اور خادم دین بنایا۔

مکرمی ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

محترمی ڈاکٹر سعید خان صاحب کا تعلق صوبہ سرحد سے تھا۔آپ ایک لمبا عرصہ تک بریڈفورڈ کے نواح میں Gomersal میں رہائش پزیر رہے جہاں آپ کا ایک بہت بڑا محل نما گھر تھا۔آپ یارکشائر کے سب سے بڑے ماہر امراض جلد تھے اور یہاں کے چند بڑے ہسپتالوں میں کنسلٹنٹ تھے۔آپ کی شادی ایک انگریز مخلص احمدی سلمہ مبارکہ خان سے ہوئی تھی جن میں سے آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔آپ کے دوسرے بیٹے عزیزم کریم اسد خان صاحب کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی چھوٹی بیٹی طوبیٰ سے ہوئی۔اس طرح آپ کو حضور انور کا سمدھی ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔آپ انتہائی شریف، نیک، متقی، دعا گو، تہجد گذار اور ہمدرد شخصیت کے مالک تھے۔آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ تین خلفاء حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مختلف مواقع پر ان کے گھر میں قیام فرمایا۔اسی طرح حضرت چوہدری ظفراللہ خاں صاحب بھی کئی مواقعہ پر ان کے گھر کئی کئی دن تک قیام فرماتے رہے۔آپ گو پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے لیکن آپ ہمہ وقت تبلیغ میں مصروف رہتے۔آپ کو تبلیغ کا جنون تھا۔ ایک دفعہ خاکسار ایک ایسے ہسپتال میں زیر علاج تھا جہاں آپ کنسلٹنٹ تھے،ایک دن آپ خاکسار کی عیادت کیلئے اپنی بیگم کے ہمراہ آئے اور کافی دیر تک بیٹھے رہے۔جب آپ چلے گئے تو سارے سٹاف میں یہ خبر پھیل گئی کہ یہ شخص ڈاکٹر خان کا ملنے والا ہے۔ایک دن سٹاف کے چند افراد سے محترمی ڈاکٹر صاحب کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک ڈاکٹر نے تبصرہ کیا کہ ''یوں تو ڈاکٹر خان بہت شریف،محترم اور قابل فرد ہیں لیکن ان میں صرف ایک خرابی ہے کہ یہ ہر شخص کو مسلمان بنانا چاہتے ہیں''۔

محترمی ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ بہت سے غیر مسلم افراد کو اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔محترمی ڈاکٹر صاحب کے ہمارے بہت قریبی تعلقات تھے۔ان سے اکثر ملاقات رہتی۔آپ بہت ہی شفیق،مہربان اور ہمدرد شخصیت تھے۔بہت ہی مہمان نواز بھی تھے۔جب کبھی ان کے گھر جاتے تو خوب خاطر مدارت کرتے اور ہر دفعہ کوئی تحفہ ضرور دیتے۔دونوں میاں بیوی گھر میں ہی Organic سبزیاں بھی اگاتے تھے اور شہد کی مکھیاں بھی پالی ہوئی تھیں۔اکثر تحفے کے طور پر گھر کا شہد پیش کرتے۔ بیوی اور ملنے والوں کے ساتھ انگریزی میں بات کرتے لیکن بچوں کے ساتھ پشتو میں بات کرتے۔آپ کو جماعت کی مختلف حیثیتوں میں خدمات کی توفیق ملتی رہی۔آپ صدر جماعت بھی رہے اور وفات تک ہمارے ریجنل پریذیڈنٹ بھی

رہے۔آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کی کتب پڑھنے کا بہت شوق تھا۔آپ بہت اچھے مقرر بھی تھے۔آپ کی باتوں میں اللہ تعالیٰ نے بہت اثر ڈالا ہوا تھا۔سننے والا بہت متاثر ہوتا۔

مکرمی حمید احمد خان صاحب و محترمہ ساجدہ حمید خان صاحبہ

محترمی ڈاکٹر حمید احمد خان صاحب اور ان کی بیگم محترمہ ساجدہ حمید صاحبہ ایک لمبے عرصہ تک شمالی انگلستان کی کاؤنٹی **Cleveland** کے مشہور ساحلی شہر **Hartlepool** میں قیام پزیر رہے۔محترمی ڈاکٹر صاحب آپا طاہرہ صدیقہ کے بھائی تھے اور محترمہ ساجدہ حمید صاحبہ محترمی برگیڈیئر وقیع الزمان صاحب کی بیٹی تھیں۔محترمی ڈاکٹر صاحب کی اپنی پریکٹس تھی اور آپ وہاں کی پولیس کے سرکاری ڈاکٹر کے طور پر بھی کام کرتے تھے۔دونوں میاں بیوی بہت نیک، دعا گو، عبادت گذار اور ملنسار تھے۔

آپ کو بھی یہ اعزاز ملا کہ آپ کے گھر میں تین خلفاء حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قیام فرمایا۔آپ کے گھر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ کئی مجالس سوال و جواب بھی منعقد ہوئیں۔آپ دونوں صحیح داعی الی اللہ تھے اور اپنے ذاتی عمل، نیک نمونہ اور برتاؤ کے ذریعہ بھی خوب تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔حضور انور کے ساتھ سوال و جواب کی مجالس میں سب انگریز مہمان آپ کے زیر تبلیغ ہوتے۔آپ دونوں کی تبلیغ کے نتیجہ میں آپ کے علاقہ کے درجنوں انگریز بیعت کر کے احمدی مسلمان ہوئے۔آپ ان نو مسلموں کی تربیت بچوں کی طرح کرتے اور اپنے گھر پر ہی ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا ہوا تھا۔جماعت کے ہر پروگرام میں ان کو اپنے خرچ پر ساتھ لے کر جاتے اور اپنے ساتھ رکھتے۔ان میں سے چند کو تو ربوہ اور قادیان بھی ساتھ لے کر گئے اور بزرگوں سے ملوایا۔حضور سے ان کی باقاعدہ ملاقاتیں کرواتے۔محترمی ڈاکٹر صاحب کو خاکسار اکثر دیکھتا کہ بڑے اہتمام سے لمبی نمازیں ادا کرتے اور نمازوں میں بڑی رقت سے رورو کر دعائیں کرتے۔خاکسار کو اکثر بریڈفورڈ فون کرتے اور بڑے پیار سے ''باری جی'' کہہ کر پکارتے۔اگر کوئی کام ہوتا تو پہلے رقم بھجواتے اور کام ہو جانے پر خط کے ذریعہ شکریہ ادا کرتے۔آپ کو بھی یہ اعزاز ملا کہ آپ کی ایک بیٹی کی شادی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے نواسے سے اور چھوٹے بیٹے کی شادی حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی نواسی سے ہوئی۔آپ کا چھوٹا بیٹا عابد خان اللہ کے فضل سے جماعت احمدیہ کے پریس سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کی بڑی بیٹی کا نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ہارٹلے پول میں ان کے گھر میں پڑھایا اور انگریزی میں بصیرت افروز خطاب فرمایا اور اسلام میں میاں بیوی کے حقوق اور فرائض بیان فرمائے۔☆ ڈاکٹر صاحب اور ساجدہ حمید صاحبہ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خاکسار کو حکم دیا کہ ایک روز کا کھانا حضور کی طرف سے بریڈفورڈ سے پکوا کر ہارٹلے پول لے جایا جائے۔چنانچہ بریڈفورڈ سے کھانا پکوا کر ہارٹے پول لے جایا گیا اور مہمانوں کو پیش کیا گیا۔

مکرمی برگیڈیئر وقیع الزمان صاحب

محترمی برگیڈیئر وقیع الزمان صاحب سے خاکسار کا پہلی دفعہ تعارف حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے معاً بعد مسجد فضل لندن میں ہوا۔آپ ہجرت کے وقت حضور کے ہمراہ پاکستان سے لندن پہنچے تھے۔آپ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔اہم فوجی عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود آپ کی طبیعت بہت سادہ تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے سفر ہجرت کے وقت چونکہ آپ کے ساتھ باقاعدہ سیکیورٹی پر مامور سٹاف نہیں آئے تھے اس لئے ابتدائی ایام میں خاکسار اور چند اور خدام کو مسجد فضل لندن میں سیکیورٹی کی خدمات سرانجام دینے کا اعزاز حاصل ہوا۔محترمی برگیڈیئر وقیع الزمان صاحب

پانچوں نمازوں کیلئے مسجد فضل میں آتے اور خاموشی سے نماز ادا کر کے اپنی قیام گاہ میں چلے جاتے۔ایک دن ہم چند خدام نے آپ کو نماز عصر کے بعد روک کر ان سے درخواست کی کہ سیکیورٹی کے سلسلہ میں اگر آپ ہمیں کوئی ہدایات دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔آپ نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ آپ بہت اچھی طرح اور Professionaly ڈیوٹیاں سرانجام دے رہے ہیں۔مجھے اب تک تو کوئی خامی نظر نہیں آئی۔اگر نظر آئی تو ضرور بتاؤں گا۔ان کا یہ سرٹیفیکیٹ ہمارے لیے بہت تسلی کا باعث تھا۔بعد میں آپ اپنی بیٹی محترمہ ساجدہ حمید صاحبہ اور داماد محترمی ڈاکٹر حمید احمد خان صاحب کے پاس ہارٹلے پول آتے رہے تو اکثر آپ کے ساتھ کچھ وقت گذارنے کا موقع ملتا رہا۔آپ بہت ہی نفیس طبیعت کے ملک، دعا گو اور شفیق تھے۔آپ سے ملنے والا ہر شخص آپ سے متاثر ہوتا تھا۔محترمہ ساجدہ حمید صاحبہ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے حکم دیا کہ بریگیڈیئر صاحب اپنی بیٹی کی نماز جنازہ پڑھائیں چنانچہ محترم بریگیڈیئر صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مکرمی داؤد گلزار صاحب

محترمی داؤد گلزار صاحب بھی لندن کے پرانے احمدی بزرگوں میں سے تھے۔آپ بہت سادہ طبیعت کے مالک اور بہت نیک، دعا گو اور پرہیزگار شخص تھے۔اکثر مسجد فضل میں نظر آتے۔ہر کسی سے بڑے پیار اور شفقت سے پیش آتے۔جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اٹلی اور برازیل کی مساجد کیلئے چندہ کی تحریک فرمائی تو محترمی داؤد گلزار صاحب چندہ اکٹھا کرنے کیلئے نارتھ کے دورہ پر آئے۔خاکسار ان دنوں قائد خدام تھا اس لیے آپ کے ساتھ یارکشائر اور لنکاشائر کی سب جماعتوں کا دورہ کرنے اور آپ کے ساتھ وقت گذارنے کا شرف حاصل ہوا۔آپ بہت دعا گو اور محنتی تھے۔ہر شخص کو خواہ وہ کتنا مشکل ہو آپ ایمان افروز واقعات سنا کر منا لیتے اور چندہ لے لیتے۔بعض افراد کچھ تلخ اور کڑوی باتیں بھی سناتے لیکن آپ بڑی نرمی سے اپنا کام کرتے جاتے۔ہر سفر کے دوران آپ دعاؤں میں مصروف رہتے۔اللہ تعالیٰ آپ کی دعائیں سنتا اور آپ کی باتوں کا نیک اثر پیدا فرماتا۔

☆مکرمی ناصر وارڈ صاحب

محترمی ناصر وارڈ صاحب ایک انگریز احمدی تھے جنہوں نے جماعت کے مطالعہ کے بعد خود بیعت کی۔آپ پیشہ کے لحاظ سے سکول کے استاد تھے۔کچھ عرصہ آپ کا قیام بریڈفورڈ کے نواح میں کیتھلے میں رہا۔ہمارے گھر ان کا آنا جانا رہتا تھا۔آپ فطرتی طور پر ایک نیک اور دعا گو شخص تھے۔ہر شخص کے ساتھ بڑی نرمی اور گرمجوشی سے پیش آتے۔جماعت اور خلافت کے ساتھ آپ کا وفا اور اخلاص کا بہت مضبوط تعلق تھا۔

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد آپ کو کچھ عرصہ یو کے جماعت کے سیکرٹری تبلیغ کی حیثیت سے خدمات کا موقع ملا۔آپ نے بڑی محنت اور اخلاص سے یہ خدمات سرانجام دیں اور ہر جماعت کا دورہ کر کے احباب جماعت کو تبلیغ کی اہمیت بیان کی۔بعد میں آپ کچھ عرصہ سعودی عرب اور فرانس میں اپنے روزگار کے سلسلہ میں قیام پزیر رہے۔ہر جگہ آپ کا جماعت سے بڑا مضبوط تعلق قائم رہتا۔



مکرمی صوفی بشارت الرحمن صاحب

مکرمی و محترمی صوفی بشارت الرحمن صاحب سے خاکسار کا یوں تو تعارف بچپن سے تھا کیونکہ آپ ہمارے محلہ دارالرحمت غربی میں رہائش پزیر تھے اور نماز باجماعت ہمارے محلہ کی مسجد ناصر میں ادا فرماتے۔آپ روزانہ مسجد میں درس قرآن بھی دیتے۔بعد میں آپ سے تعلیم الاسلام کالج میں تعلیم کے دوران بھی احترام کا تعلق رہا۔آپ زندگی بھر ڈسپلن کے سختی سے خود بھی پابند رہے اور اپنے شاگردوں اور جاننے والوں کو بھی پابند کرواتے رہے۔طبیعت کی سختی

کے باوجود آپ نہایت شفیق اور ہمدرد شخصیت کے مالک تھے۔

خاکسار محلہ دارالرحمت غربی میں زعیم خدام الاحمدیہ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ایک دن محترمی صوفی صاحب نے مسجد ناصر میں نماز کے بعد ایک طفل کو اس کی غلطی کی وجہ سے سختی سے جھاڑا اور بڑے سخت لہجہ میں سب کے سامنے بات کی۔ خاکسار نے دخل دینے کی کوشش کی تو محترمی صوفی صاحب نے خاکسار پر بھی خوب غصہ جھاڑ دیا۔اس بات کا خاکسار کو بہت دُکھ ہوا۔ چند دن بعد محترمی صوفی صاحب ہمارے گھر تشریف لائے اور خاکسار سے معافی مانگنے لگے۔خاکسار نے عرض کی کہ یہ تو بہت زیادتی ہے،آپ بزرگ بھی ہیں اور ہمارے استاد بھی،آپ ہمیں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن محترمی صوفی صاحب بار بار فرمارہے تھے کہ میں نے مسجد میں تمھارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔خاکسار کے دل میں اس دن سے آپ کا بہت زیادہ احترام تھا۔ایک دفعہ آپ جلسہ سالانہ میں شمولیت کیلئے لندن تشریف لائے تو آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے محترمی صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب اور چند اور بزرگوں کے ہمراہ یارکشائر بھجوایا۔ان دنوں جماعت لیڈز میں اایک سکول کی عمارت خرید رہی تھی۔خاکسار ان دنوں جماعت لیڈز کے صدر کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔آپ کے ساتھ بریڈفورڈ کی مسجد بیت الحمد میں اور پھر لیڈز میں پورا دن گذارنے کا موقع ملا۔آپ کو دینی علوم پر بہت عبور حاصل تھا اور کسی موضوع پر بھی آپ بہت علمی گفتگو فرماتے۔

مکرمی بشیر احمد آرچرڈ صاحب



مکرمی بشیر احمد صاحب آرچرڈ کے نام کو تاریخ احمدیہ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔آپ پہلے سکاٹش احمدی اور کامیاب مبلغ تھے،آپ ایک درویش صفت،خاموش گو،محنتی،عبادت گذار، دعا گو اور پرہیزگار شخصیت کے مالک تھے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی حلیم طبیعت عطا فرمائی تھی۔☆ آخری عمر تک آپ نوجوانوں کے ساتھ فٹ بال بھی کھیلتے اور خدام الاحمدیہ و انصار اللہ کی چیریٹی واک میں کئی کئی میل تک پیدل بھی چلتے۔

☆ ایک دفعہ آپ کو بریڈفورڈ یونیورسٹی سے منسلک الکلے کالج نے اسلام پر لیکچر کی دعوت دی۔آپ بریڈفورڈ تشریف لائے اور خاکسار کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ آپ کے ساتھ پورا ایک دن گذاروں۔خاکسار آپ کو بریڈفورڈ سے قریباً پندرہ میل دور الکلے کے پُر فضا مقام پر الکلے کالج لے کر گیا۔سفر شروع ہونے سے پہلے آپ نے لمبی دعا کروائی۔راستہ میں یارکشائر کے بہت ہی دلفریب نظارے دیکھ کر محترمی آرچرڈ صاحب خدا تعالیٰ کی حمد کرتے رہے۔جب ہم کالج میں پہنچ گئے تو فرمانے لگے کہ آپ نے بہت خوبصورت رُوٹ چنا۔میں تو نظارے دیکھ دیکھ کر خدا تعالیٰ کی حمد اور شکر میں مشغول ہو گیا۔☆ کالج پہنچنے پر لیکچرر اور ان کے چند ساتھیوں نے ہمارا پُرتپاک استقبال کیا اور ایک کمرہ میں بٹھا کر کافی وغیرہ پیش کی۔اس کے بعد ہمیں ایک ہال میں لے جایا گیا جو طلباء، طالبات اور اساتذہ سے بھرا ہوتھا۔محترمی آرچرڈ صاحب نے اسلام۔امن کا مذہب کے موضوع پر مختصر خطاب فرمایا اور اس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔آپ نے از راہ شفقت خاکسار کو بھی اپنے ساتھ بیٹھنے کا دعوت دی اور خاکسار کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ یہ آج میری مدد کرے گا۔ بہت ہی دلچسپ اور معلومات سے پُر یہ نشست تھی جس میں محترمی آرچرڈ صاحب نے بڑے خوبصورت اور دلنشیں انداز میں ہر سوال کا جواب دیا۔کہیں کہیں خاکسار سے بھی رائے لے کر خاکسار کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔آپ کے جواب سن کر ہر فرد متاثر تھا۔☆ محترمی آرچرڈ صاحب کو دین کا اور حالات حاضرہ کا وسیع علم تھا اور جواب دینے کا انداز بھی بہت ہی اچھا تھا۔ پروگرام کے اختتام پر خدا تعالیٰ کا شکر کرتے رہے

کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس کو کامیاب فرمایا۔ بعد میں جب کبھی آپ سے ملاقات ہوتی تو الکلے کے سفر کا ذکر ضرور فرماتے۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے فضل سے محترمی بشیر آرچرڈ صاحب کی بیٹی صدر لجنہ یوکے کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے چکی ہیں اور آپ کے بیٹے محترمی نثار آرچرڈ صاحب اس وقت جماعت یوکے کے سیکرٹری تربیت کی حیثیت میں بڑی محنت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

مکرمی چوہدری شبیر احمد صاحب

مکرمی ومحترمی چوہدری شبیر احمد صاحب سے خاکسار کا تعارف تو یوں ربوہ سے ہی تھا۔ آپ کے بیٹے فضل احمد صاحب خاکسار کے کلاس فیلو تھے۔ ویسے بھی کچھ عرصہ محترمی چوہدری صاحب محلہ دارالرحمت غربی میں رہے اس لئے آپ سے ایک ذاتی تعلق بھی قائم ہوگیا۔ آپ بہت دعا گو، نیک، ہمدرد اور جماعت کے انتہائی مخلص بزرگ تھے۔ خاکسار کو ان دنوں محلہ دارالرحمت غربی کے زعیم خدام الاحمدیہ حیثیت سے خدمات کا شرف حاصل تھا۔ جب کبھی بھی ہم نے محترمی چوہدری صاحب سے کسی طرح کی درخواست کی یا مدد مانگی آپ نے ہمیشہ بڑی خوشی سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ بعد میں آپ انگلستان تشریف لائے تو اپنی بیٹی کے پاس لیڈز بھی تشریف لائے۔ لیڈز قیام کے دوران آپ نماز مغرب وعشاء کیلئے اکثر بریڈفورڈ تشریف لاتے خاکسار سے یہاں جب آپ کی ملاقات ہوئی تو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ یہاں رہتے ہیں۔ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ آپ جب 2008ء کے جلسہ سالانہ پر مرکز کے نمائندہ کے طور پر لندن تشریف لائے اس وقت آپ بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکے تھے۔ خاکسار آپ سے ملنے کیلئے گیا تو بڑے تپاک سے ملے، فوراً پہچان لیا اور بڑے خوش ہوئے۔ اپنے بیٹے سے بار بار خوشی کا اظہار کرتے کہ باری مجھے ملنے کیلئے آیا ہے۔

مکرمی چوہدری انور کاہلوں صاحب

محترمی چوہدری انور کاہلوں صاحب کا تعلق جماعت کے بڑے مخلص خاندان سے تھا۔ آپ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے رشتہ دار اور بہت قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ آپ کو ایک لمبا عرصہ تک ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور انگلستان میں دینی خدمات کا اعزاز حاصل رہا۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے آپ کے نام ایک نصیحتوں بھرا خط تحریر کیا تھا جو ''ایک عزیز کے نام ایک خط'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ نے اپنی سوانح حیات ''تحدیث نعمت'' میں بھی کئی جگہ آپ کا ذکر فرمایا ہے۔ محترمی چوہدری انور کاہلوں صاحب جب بھی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ گذارے ہوئے دنوں کو یاد کرتے یا کوئی واقعات سناتے تو اکثر آبدیدہ ہوجاتے۔

☆ جب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ کو حج کرنے کا شرف حاصل ہوا تو آپ اور آپ کی بیگم کو بھی حضرت چوہدری صاحبؓ کے ہمراہ اس مبارک فریضہ کو ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ انتہائی خوش لباس اور سمارٹ شخصیت کے مالک تھے۔ انگریزی، اردو، بنگلہ اور پنجابی زبانوں پر آپ کو عبور حاصل تھا اور بہت خوبصورتی سے بات چیت فرماتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی لندن ہجرت کے بعد حضورؒ نے آپ انگلستان جماعت کا پہلا امیر مقرر فرمایا۔ آپ کا جماعت اور خلافت احمدیہ کے ساتھ اخلاص ووفا کا تعلق مثالی تھا۔ جماعت کی خدمات سرانجام دینے والے افراد کے ساتھ انتہائی شفقت اور احترام کا سلوک فرماتے۔ آپ کو ہندوستان، بنگلہ دیش، پاکستان، انگلستان اور دوسرے بعض ممالک کے جماعتی واقعات یاد تھے اور بڑے ایمان افروز انداز میں بیان فرماتے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد آپ محترمی ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم اور ان کی اہلیہ محترمہ مبارکہ سلمہ خان صاحبہ کے کہنے پر یارکشائر آ گئے اور یہاں

ڈیوزبری میں مکان خرید کر رہائش اختیار کر لی۔☆ آپ کی بیگم صاحبہ بھی بہت ہی سادہ اور ملنسار عورت تھیں۔بعد میں آپ کی صحت خراب ہوگئی اور یاد داشت چلی گئی اور آپ ایک ہوم میں رہنے لگیں۔محترمی کاہلوں صاحب نے باوجود بڑھاپے کے اپنی بیگم کی دن رات خدمت کی۔

ایک دفعہ محترمی کاہلوں صاحب علیل ہو گئے اور ایک مقامی کلنک میں داخل ہو گئے۔ہمیں اطلاع ملی تو ہم آپ کی عیادت کیلئے ہسپتال گئے۔جب ریسیپشن ڈیسک پر آپ کا نام لیا تو وہاں موجود دوعورتیں ہمیں پوچھنے لگیں کہ آپ ان کے عزیز ہیں۔ہم نے ہاں کہا تو وہ کہنے لگیں کہ یہ شخص کمال کی شخصیت کے مالک ہیں۔بہت ہی صفائی پسند اور خوش طبیعت کے مالک ہیں اور ان کی انگریزی بات چیت بہت بڑے لارڈز اور پڑھے لکھے لوگوں والی ہے۔

مکرمی شریف اشرف صاحب و محترمہ ممتاز اشرف صاحبہ

محترمی شریف اشرف صاحب واقف زندگی تھے اور حضرت مصلح موعودؓ کے دور میں ربوہ پرائیوٹ سیکرٹری کے دفتر میں آپ خدمات کی توفیق ملی۔آپ ایک لمبا عرصہ اپنی بیگم باجی ممتاز صاحبہ اور بچوں کے ساتھ لندن میں مسجد فضل کے قریب قیام پذیر رہے۔باجی ممتاز محترمی مختار احمد ایاز صاحب کی بڑی بیٹی اور محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب سابق امیر جماعت یوکے کی بہن تھیں۔محترمی مختار ایاز صاحب ایک لمبا عرصہ تنزانیہ کے شہر ٹانگا میں رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد محترمی شریف اشرف صاحب نے اپنی خدمات پیش کر دیں،آپ کو ایڈیشنل وکیل المال مقرر کیا گیا۔آپ نے بڑی محنت سے اپنی ذمہ داری کو نبھایا۔آپ بہت ہی شفیق طبیعت کے مالک،دعا گو اور ملنسار شخص تھے۔آپ باقاعدگی سے مسجد فضل میں نماز باجماعت ادا کرتے اور جماعتی پروگراموں میں شامل ہوتے۔آپ کی بیگم باجی ممتاز بہت ہی ہمدرد اور خدمت گذار عورت تھیں۔ایک دفعہ قادیان قیام کے دوران خاکسار کو کہا کہ مین نے کل پاکستان جانا ہے کسی گاڑی کا انتظام کروادو۔خاکسار نے چند دوستوں کی مدد سے کرائے پر گاڑی لے دی۔دوسری صبح خاکسار نے باجی کو کہا کہ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔آپ کو بارڈر پر چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔خاکسار کے ساتھ قادیان کے دو اور دوست بھی چل پڑے۔راستہ میں ایک سکھ مالٹے کا تازہ جوس بیچ رہے تھے۔باجی نے ڈرائیور سے کہا کہ ذرا گاڑی روکو۔پھر آپ نے خاکسار کو پیسے دیے کہ ان سب کو تازہ جوس خرید کر دے دو۔جب ہم اٹاری بارڈر پر پہنچے تو آپ نے بہت سی رقم خاکسار کو دی اور فرمایا کہ جو دوست ساتھ آئے ہیں یہ سب بیچارے غریب ہیں۔ان سب کو یہ رقم دے دینا۔

مکرمی مولانا انیس الرحمن صاحب بنگالی

محترمی مولانا انیس الرحمن صاحب بنگالی سے خاکسار کا تعارف یوں تو ربوہ میں اس زمانہ سے تھا جب آپ جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

جلسہ سالانہ کے ایام میں آپ کی ڈیوٹی عام طور پر ہمارے محلہ مین لنگر نمبر دو میں تقسیم سالن میں کمرہ نمبر دو میں ہوتی تھی۔ہماری ڈیوٹی عام طور پر تقسیم روٹی کمرہ نمبر دو میں ہوتی تھی۔اس لئے ہم ہمسائیگی کا حق ادا کرتے ہوئے ان کو گرم گرم روٹیاں دیتے اور ان سے گرم گرم سالن لیا کرتے تھے۔آپ انتہائی خوش مزاج اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔بعد میں ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ میں بھی آپ کے ساتھ کچھ عرصہ کام کرنے کا موقع ملا،یہ بہت ہی یادگار دن تھے۔

بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے آپ کا تقرر بطور مبلغ سلسلہ انگلستان فرمایا اور آپ کو یارکشائر میں بھجوایا گیا۔ان دنوں چونکہ ایک ہی مشن ہائزہڈرزفیلڈ میں تھا اس لئے آپ وہاں قیام پذیر ہوئے لیکن آپ کے ذمہ سارے یارکشائر،مانچسٹر،لنکاشائر اور نارتھ ایسٹ کی جماعتیں تھیں۔یہاں آپ سے مزید مضبوط تعلق قائم ہوا اور قریباً ہر ہفتہ آپ سے ملاقات ہو جاتی۔آپ نے بڑی محنت اور دعاؤں سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔آپ تمام

جماعتوں کے دورے کرتے اور ہر احمدی کے گھر خود پہنچتے۔ اکثر احمدی احباب سے آپ کے دوستانہ تعلقات تھے اس وجہ سے سب آپ کی بہت عزت اور احترام کرتے۔ چونکہ مشن ہاؤز کی عمارت نئی نئی خریدی تھی اس میں مرمت کے بہت سے کام ہونے والے تھے۔ ہم روزانہ شام کو بریڈفورڈ سے وقارِ عمل کیلئے ہڈرزفیلڈ جاتے۔ ہڈرزفیلڈ کے احباب بھی شامل ہوتے، محترمی مولانا انیس الرحمن صاحب بھی بری محنت سے ہمارا ساتھ دیتے اور سارے کام کرواتے۔ خاکسار ان دنوں قائد خدام الاحمدیہ بریڈفورڈ تھا، چونکہ یہ نئی نئی مجلس قائم ہوئی تھی اس لئے محترمی انیس الرحمن صاحب نے بڑی محنت سے ہماری رہنمائی فرمائی اور اس مجلس کو ایک فعال مجلس بنانے میں ہمارا ساتھ دیا۔ مختلف پروگرام ترتیب دینے میں ہماری رہنمائی فرماتے اور ہمارے ساتھ رات دیر تک کام کرواتے۔

مکرمی احسان احمد صاحب

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی ہجرت کے بعد جب اسلام آباد اور مختلف شہروں میں مشن ہاؤز کیلئے عمارات خریدی گئی تو مرمت کے کام کروانے کیلئے ربوہ سے محترمی احسان احمد صاحب اور محترمی عزیز احمد صاحب کو لندن بلوایا گیا۔

محترمی احسان احمد صاحب سے خاکسار کا تعارف تو ربوہ سے ہی تھا۔ آپ لکڑی کے بہت اچھے کاریگر تھے اور خاکسار کے چچا محترمی ملک عبدالرب صاحب کے پاس کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر دستکاری کی نمائش ہوئی۔ ہمارے محلہ کی طرف سے ہم نے کوپن ہیگن (ڈنمارک) کی مسجد کا ایک ماڈل تیار کیا۔ اس میں ایک رنگین بلب بھی لگایا گیا۔ اس کی تیاری میں محترمی احسان احمد صاحب نے ہماری بہت مدد کی۔ لندن آنے کے بعد آپ نے اسلام آباد، مسجد فضل، حضور انور کی قیام گاہ کے علاوہ مختلف شہروں میں مشن ہاؤزوں اور مساجد کی مرمت کا کام اور جلسہ سالانہ کے مواقع پر بہت سے کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے۔ گلاسگو مشن ہاؤس کی خرید کے بعد تو آپ کچھ عرصہ کام کے سلسلہ میں گلاسگو میں بھی رہے۔ حضور انور کے ارشاد پر آپ یورپ کے بعض ممالک کے مشن اور مساجد کی مرمت کیلئے وہاں بھی گئے۔ آپ نے بہت محنت سے کام کیے۔ خاکسار نے خود یہ دیکھا کہ آپ صبح سویرے کام شروع کرتے اور رات دیر تک کام میں مصروف رہتے۔ یہ سلسلہ ہفتہ کے ساتوں دن جاری رہتا۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں جب کبھی بھی آپ سے کسی کام کی درخواست کی جاتی آپ باوجود دوسری مصروفیات کے وہ کام خوشی سے کر دیتے۔

مکرمی لالہ ناصر سعید صاحب بطور افسر حفاظت خاص



محترمی لالہ ناصر سعید صاحب نے بطور افسر حفاظت خاص حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دور خدمات سرانجام دینی شروع کیں۔ ہجرت کے بعد آپ لندن میں آکر پوری محنت اور دیانتداری سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ انتہائی محنتی اور فدائی خدمت گذار تھے۔ یورپ کے دوروں کے دوران فرینکفرٹ میں قافلے کے افراد کیلئے قریبی احمدی گھروں میں رات قیام کا انتظام ہوتا تھا لیکن ناصر سعید صاحب ہمیشہ مسجد میں ہی قیام فرماتے اور کہتے کہ میری ڈیوٹی تو چوبیس گھنٹے کی ہے اسلیے میں حضور کے قریب ہی رہوں گا۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ یوکے پروی آئی پی والے کسی ممبر پارلیمنٹ کو لے کر جا رہے تھے۔ محترمی ناصر سعید صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ ان کو کہو اصل عزت خلیفہ وقت کا خطاب سننے اور ان پر عمل کرنے سے ملتی ہے۔ ایسے ویسوں کے پیچھے پھرنے سے نہیں ملتی۔ ہم جب کبھی بھی مسجد فضل لندن جاتے تو ناصر سعید صاحب بہت گرمجوشی سے ملتے اور بہت پیار کا اظہار فرماتے۔ ہمارا پہلا پوتا پیدا ہوا تو اس کیلئے خاص طور پر تحفہ دیا۔ خاکسار کی بیگم اور میں نے بہت

روکا لیکن اصرار کر کے وہ تحفہ دیا۔



مکرمی مبارک احمد ساہی صاحب

محترمی مبارک احمد ساہی صاحب پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے اور کراچی جماعت کے ممبر تھے۔آپ کو یہ اعزاز حاصل ہو کہ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے پہلے غیر ملکی دورہ کے دوران بطور افسر حفاظت خاص خدمات سرانجام دیں۔آپ کا قد بہت لمبا تھا اور آپ ٹھیٹھ پنجابی میں بات کرتے تھے۔حضور کی ہجرت کے بعد آپ پہلے سیکیورٹی افسر تھے جو لندن آئے اور خدماقت سرانجام دیں۔

خاکسار کو لندن قیام کے دوران،جلسہ سالانہ پر اور حضور کے یورپ کے دوروں کے دوران محترمی مبارک ساہی صاحب کے ساتھ ڈیوٹیاں سرانجام دینے کی توفیق ملی۔آپ انتہائی محنتی اور مخلص فرد تھے۔آپ کے ساتھ مذاق وغیرہ بھی کرتے لیکن آپ برا نہ مناتے۔آپ پنجابی کھانوں کے بڑے شوقین تھے۔اچھا کھانا ملتا تو بہت پسند فرماتے۔ایک دفعہ آپ لندن مسجد کے سامنے گیسٹ ہاؤز میں ٹھہرے ہوئے تھے تو ایک سن صبح کے وقت آپ نے دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ڈاکٹر سعید خان صاحب کے چھوٹے بیٹے عمران خان وہاں گئے تو ساہی صاحب کو دیکھ کر پریشان ہو گئے اور واپس آ کر حضور کو کہا کہ حضور آپ کا باڈی گارڈ ''سکرٹ'' پہن کر بیٹھا ہوا ہے۔حضور اس بات پر بہت ہنسے اور فرمایا یہ ان کا پنجابی لباس ہے۔چونکہ آپ کا جسم ماشاءاللہ بڑا تھا اور قد لمبا تھا اس لئے ان کے کپڑے بھی بڑے ہوتے تھے۔ایک دفعہ آپ نے شلوار دھو کر صحن میں لٹکائی تو انگریز ہمسائی گھبرا گئی کہ اتنا بڑا لباس کیسے ہو سکتا ہے۔



مکرمی بھائی شیر محمد صاحب باورچی

محترمی بھائی شیر محمد صاحب باورچی ربوہ میں دارالضیافت میں خدمات سرانجام دیتے تھے۔آپ کے پکائے ہوئے کھانے بہت لذیذ اور مقبول تھے خصوصاً مرغ روسٹ بہت پسند کیا جاتا تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے کچھ عرصہ بعد حضورؒ نے بھائی شیر محمد صاحب کو لندن بلوالیا۔یہاں آپ کا قیام گیسٹ ہاؤز میں تھا اور آپ وہاں ہی حضور کے لیے کھانے بناتے تھے۔جو شخص بھی آپ کو ملنے جاتا اس کو آپ کھانا اور چائے وغیرہ بڑے کھلے دل سے پیش کرتے۔حضورؒ کے دورہ یورپ کے دوران بھی آپ قافلے میں ہوتے اور ہر جگہ کھانے پکانے کی ڈیوٹی سرانجام دیتے۔آپ سے کوئی شخص بھی مشورہ مانگتا تو آپ بڑی دیانتداری سے مشورہ دیتے۔ابتدائی ایام میں ایک افریقی مہمان فرانس سے آئے۔وہ صرف فرنچ زبان بولتے تھے۔ان دنوں لندن میں فرنچ زبان بولنے والا کوئی شخص نہیں تھا۔حضور نے فرمایا ان کو بھائی شیر محمد کے پاس بھیج دو وہ خود ان سے کسی طریق سے بات کر لیں گے۔چند دن کے بعد وہاں گئے تو دیکھا کہ بھائی شیر محمد ان سے پنجابی میں بات کر کے ان کو ہر بات سمجھا لیتے تھے۔حضور کو جب یہ بات بتائی گئی تو حضور بہت خوش ہوئے۔بھائی شیر محمد کی وفات پر حضورؒ بہت غمگین تھے اور بہت افسوس کا اظہار فرما رہے تھے۔

مکرمی نعیم عثمان میمن صاحب

محترمی نعیم عثمان صاحب کا تعلق مشرقی افریقہ کی مشہور میمن فیملی سے تھا جو اپنے اخلاص کی وجہ سے مشہور تھی۔آپ کے دادا سیٹھ عثمان صاحب نے پہلے

بیعت کی اور جماعت میں شامل ہوئے۔ آپ کے والد صاحب بھی بہت ہی مخلص اور خدمتگار احمدی تھے۔

محترمی نعیم عثمان صاحب کی فیملی سے ہماری فیملی کا تعارف تو افریقہ سے ہی تھا لیکن دوران تعلیم جب محترمی نعیم عثمان صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں داخل ہوئے اور ہاسٹل میں قیام فرمایا تو آپ باقاعدگی سے ہمارے گھر ربوہ میں آتے اور کچھ وقت ہمارے ساتھ گذارتے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ایک اور ساتھی جنجوعہ صاحب بھی ہوتے جن کا تعلق بھی مشرقی افریقہ سے ہی تھا۔

محترمی نعیم عثمان صاحب بہت ہی مخلص، ملنسار، جوشیلے، ہمدرد اور غیور شخصیت کے مالک تھے، دوران تعلیم بھی آپ کو مضامین تحریر کرنے کا شوق اور ملکہ حاصل تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب آپ اپنی فیملی کے ساتھ لندن رہائش پزیر ہوئے تو آپ کو یہاں مختلف حیثیتوں میں جماعت کی خدمت کی توفیق ملتی رہی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد آپ نے معاندین احمدیت کے جواب میں چند کتب بھی تحریر فرمائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کا ذکر اپنے خطبہ میں بھی فرمایا اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ آپ کی ڈیوٹی سارا سال بھی اور خصوصاً جلسہ سالانہ کے ایام میں سپلائی پر ہوتی۔ آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے اور بعض دوسرے عزیز بھی یہ ڈیوٹی کرتے۔ محترمی نعیم عثمان صاحب بڑی محنت سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے۔ بعض دفعہ آپ چوبیس چوبیس گھنٹے مسلسل اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے۔ آپ کی کوشش ہوتی کہ جہاں تک ممکن ہو جماعت کے پیسہ کو بچایا جائے اور عمدہ اشیاء بہت مناسب قیمتوں پر ڈھونڈھ کر لاتے۔

مکرمی شیخ ناصر احمد صاحب

محترمی شیخ ناصر احمد صاحب یورپ میں جماعت کے چند پرانے مبلغین میں سے ایک تھے۔ آپ سے خاکسار کی پہلی ملاقات **1986**ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے دورہ یورپ کے دوران سوئٹزرلینڈ میں قیام کے دوران ہوئی۔ آپ کا ان دنوں قیام زیورک میں تھا۔ آپ بہت ہی نیک، دعا گو، محنتی اور بزرگ شخصیت تھے۔ آپ کو جرمن زبان پر عبور حاصل تھا، آپ نے جرمن زبان میں جماعتی لٹریچر تیار کرنے میں بھی بہت کام کیا۔ آپ کو حضور کے خطابات کا جرمن ترجمہ کرنے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے سوئٹزرلینڈ قیام کے دوران آپ ہمیشہ حضور کا اور قافلہ کے افراد کو دعوت پر اپنے گھر مدعو فرماتے۔ دعوت میں بڑے لذیز پکوان ہوتے، آپ حضور انور کو اپنے گھر تشریف لانے پر اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوتے۔ آپ ایک علمی شخصیت تھے اور خصوصاً دینی علوم میں آپ بہت ماہر تھے۔ کسی بھی موضوع پر آپ کئی کئی گھنٹے بغیر کسی مدد کے بات کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ تعارف ہوجانے کے بعد آپ ہمیشہ بہت شفقت سے پیش آتے۔ اکثر آپ جب جلسہ سالانہ یوکے کے موقع پر اسلام آباد تشریف لاتے تو ضرور ہمارے پاس دفتر خدمت خلق میں ملنے اور کچھ دیر بیٹھنے کیلئے تشریف لاتے۔ اس سے ہماری حوصلہ افزائی ہوجاتی اور ہمیں خوشی بھی ہوتی۔

مکرمی مشتاق احمد صاحب باجوہ

محترمی مولانا مشتاق احمد صاحب باجوہ صاحب یورپ کے پرانے مبلغین میں سے ایک تھے۔ آپ کچھ عرصہ لندن اور جرمنی میں بھی جماعتی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے مشکل ترین حالات میں بھی بڑی محنت سے خدمات سرانجام دیں۔ آپ بہت ہنس مکھ اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کی بیگم صاحبہ کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ خالہ کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ آپ حضرت سیدہ اُم طاہر صاحبہؓ کی بہن بنی ہوئی تھیں۔ آپ پنجابی زبان میں بڑی خوبصورتی سے بات فرماتے۔ آپ نے ''باجوہ خاندان'' کے نام سے ایک دلچسپ کتاب بھی تحریر فرمائی جس میں آپ نے اپنے خاندان کے کوائف بیان فرمائے اور جماعت سے اس خاندان کے تعلق کے متعلق بہت دلچسپ واقعات بھی تحریر فرمائے۔ خاکسار کا آپ سے پہلا تعارف

1987ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے دورہ یورپ کے موقع پر زیورخ میں ہوا۔آپ پہلی ملاقات سے ہی ہمیشہ بڑی شفقت سے پیش آتے۔آپ کو دینی علم پر بہت عبور حاصل تھا۔آپ کو انگریزی اور جرمن زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔حضور کے زیورخ قیام کے دوران آپ باقاعدگی سے روزانہ مسجد نمازوں کیلئے پہنچتے اور نماز کے بعد کافی وقت قافلہ کے افراد سے بات چیت کرتے رہتے۔

مکرمی مولانا حافظ قدرت اللہ صاحب



محترمی مولانا حافظ قدرت اللہ صاحب جماعت کے یورپ میں ابتدائی کامیاب مبلغین میں سے ایک تھے۔آپ ایک لمبے عرصہ تک یورپ کے مختلف ممالک اور انڈونیشیا میں خدمت دین سرانجام دیتے رہے۔آپ کو خاص طور پر ہالینڈ میں دینی خدمات کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔بعد میں آپ نے لندن میں رہائش اختیار کرلی۔آپ نمازیں ادا کرنے کیلئے مسجد فضل تشریف لاتے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد آپ لندن مسجد میں کافی وقت گذارتے۔یوں ہمیں آپ سے ملاقات کرنے کا شرف قریباً روزانہ ہی حاصل ہوجاتا۔آپ بھی بہت ہی شفیق طبیعت کے مالک اور بہت ملنسار شخصیت تھے۔آپ سے جب بھی ملتے آپ ہمیں تاریخ احمدیہ سے ہمیشہ دلچسپ تاریخی واقعات سناتے۔آپ بہت ہی خوش لباس تھے اور ہمیشہ سمارٹ نظر آتے۔

مکرمی مولانا عبدالکریم شرما صاحب

محترمی مولانا عبدالکریم شرما صاحب بھی جماعت کے دیرینہ خدام میں سے ایک تھے۔بہت ہی شفیق طبیعت کے ملک تھے۔بہت دھیمی آواز میں بات کرتے۔آپ کو ایک لمبے عرصہ تک مشرقی افریقہ کے مختلف ممالک میں خدمت دین کی توفیق ملی۔آپ ایک کامیاب مبلغ تھے۔خاکسار کا آپ سے تعارف بچپن سے مشرقی افریقہ سے تھا۔ہم بچپن میں آپ سے مسجد میں دینی علوم سیکھنے کیلئے جاتے۔اس لیے آپ کا ایک رُعب اور دبدبہ ہمیشہ دل پر رہا۔افریقہ سے ربوہ جانے کے بعد آپ سے ہمیشہ ربوہ میں بھی ملاقات رہی اور پھر آپ کے لندن تشریف لانے کے بعد یہاں بھی آپ سے ملاقات کا موقع ملتا رہتا۔آپ ہمیشہ بڑی گرمجوشی اور پیار سے ملتے۔لندن پہنچنے کے بعد آپ نے یوکے جماعت کی مجلس عاملہ میں بھی مختلف حیثیتوں میں خدمات سرانجام دیں۔

مکرمی خلیل الرحمن صاحب ملک

محترمی خلیل الرحمن ملک صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ شخصیت تھے لیکن آپ بہت ہی پیاری طبیعت کے مالک تھے،آپ ہر شخص کے ساتھ بڑے پیار سے پیش آتے۔خاکسار کا آپ سے پہلی بار تعارف لندن میں ایک جماعتی تقریب کے دوران ہوا لیکن اس کے بعد آپ سے ایک قریبی تعلق قائم ہوگیا۔آپ نے ہمیشہ خاکسار کے ساتھ بہت ہی شفقت کا سلوک فرمایا۔

آپ کو حضور انور کے خطبات کا انگریزی رواں ترجمہ کرنے کا بھی ایک لمبے عرصہ تک اعزاز ملتا رہا۔ایک دفعہ خاکسار کو جرمنی کے جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ کے ساتھ ایک ہی کمرہ میں چند دن رہنے کا موقع ملا۔آپ حضور انور کے خطابات کا انگریزی رواں ترجمہ کرنے کیلئے وہاں تشریف لے گئے تھے۔روزانہ رات کو اور صبح ناشتے کی میز پر آپ سے بات چیت کا موقع ملتا۔آپ کی دلچسپ معلوماتی باتوں سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا۔آپ دلچسپ لطیفے بھی سناتے۔

1991ء کے قادیان کے تاریخی جلسہ سالانہ کے موقع پر بھی آپ سے روزانہ ملاقات ہوتی۔ایک دن آپ اپنا آبائی گاؤں دیکھنے گئے تو واپسی پر ہمارے لئے بڑے میٹھے گنے بھی لے آئے۔ہم سب نے آپ کے ساتھ بیٹھ کر خوب مزے لے کر گنے چوسے۔ آپ کے اندر خلافت احمدیہ سے محبت اور عقیدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔نظام جماعت کا بھی بہت احترام کرتے۔آپ کو یوکے جماعت میں مختلف حیثیتوں میں خدمت دین کی توفیق ایک لمبا عرصہ تک ملتی رہی۔محترم ملک صاحب تربیت کے موضوع پر بڑی خوبصورت گفتگو فرماتے اوران کی باتیں بہت پُراثر ہوتی تھی۔

مکرمی ہاشم سعید صاحب

محترمی ہاشم سعید صاحب ایک مخلص فدائی احمدی اور ایک کامیاب داعی الی اللہ تھے۔آپ بہت ملنسار اور خوش اخلاق شخصیت کے مالک تھے۔آپ ایک لمبے عرصہ تک لندن میں قیام پزیر رہے۔اسی طرح آپ نے روزگار کے سلسلہ میں سکاٹ لینڈ، روس، سعودی عرب اور بعض دوسرے ممالک میں بھی قیام فرمایا۔

خاکسار کا ان سے پہلا تعارف تو ان کے لندن میں قیام کے دوران مجلس خدام الاحمدیہ کے اجلاسات اور اجتماعات کے مواقع پر ہوا لیکن جب آپ سکاٹ لینڈ میں رہے ان دنوں خاکسار چونکہ پورے نارتھ کا ریجنل قائد تھا جس میں سکاٹ لینڈ بھی آتا تھا اس لئے اکثر جماعتی دوروں کے دوران آپ سے ملاقات ہوتی اور بات چیت کا موقع ملتا۔آپ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تھے لیکن طبیعت میں بہت سادگی تھی۔تبلیغ اسلام کا آپ کو جنون تھا، اکثر اپنے سفروں کے دوران آپ جہاز میں اپنی سیٹ کے سامنے جماعتی لٹریچر کی کاپیاں اور کتب رکھ دیتے جس سے ساتھ بیٹھے مسافروں کو بعض دفعہ دلچسپی پیدا ہو جاتی اور یوں آپ کو سفر کے دوران ہی تبلیغ کا بھی موقع مل جاتا اور تعارف بھی ہو جاتا۔بعد میں آپ اپنے زیر تبلیغ دوستوں سے باقاعدہ تعلق رکھتے اور تبلیغ جاری رکھتے۔آپ کے تبلیغ کی اس خوبصورت انداز کے نتیجہ میں بہت سے افراد کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی۔

مکرمی بشیر احمد سامی صاحب

محترمی بشیر احمد صاحب سامی انگلستان کی جماعت کے ایک مخلص اور محنتی کارکن تھے۔آپ ایک لمبے عرصہ تک لندن میں خدمت دین سرانجام دیتے رہے۔آپ اخبار احمدیہ لندن کی ادارت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے، اسی طرح جلسہ سالانہ یوکے کے موقع پر آپ کو سٹیج پر ڈیوٹی دینے کی بھی توفیق ملتی رہی۔آپ نے بہت سی ادبی مجالس کا بھی اہتمام فرمایا اوران کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیے۔آپ نے لمبے عرصہ تک محترمی مولانا عطاء المجیب راشد صاحب مشنری انچارج و امام مسجد فضل کے دفتر مین بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

مکرمی کیپٹن محمد حسین چیمہ صاحب

محترمی کیپٹن محمد حسین چیمہ صاحب لندن کے ابتدائی احمدی بزرگوں میں سے ایک تھے۔آپ بہت شفیق طبیعت کے ملک تھے اور ہر شخص سے بڑی محبت اور گرمجوشی سے ملتے۔آپ کو جوانی میں حضرت مصلح موعودؓ کے سیکیورٹی افسر کی حیثیت میں بھی خدمات کا اعزاز حاصل ہوا۔آپ آخر دم تک خدمت دین میں مصروف رہے، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد آپ لندن مسجد میں مختلف فرائض بڑی ذمہ داری سے انجام دیتے رہے۔صبح وقت پر مسجد میں پہنچ جاتے اور پھر سارا دن خدمات سرانجام دیتے۔آپ روزانہ اپنی سائیکل پر مسجد آتے۔آپ نے ناک کے اوپر **Mask** چڑھایا ہوتا تھا۔باوجود بڑھاپے کے آپ روزانہ سائیکل پر ہی سفر کرتے۔ساتھ آپ نے خوب کشمش اور میوے اور مغز رکھے ہوتے تھے جو آپ ہر ملنے والے کو پیش فرماتے۔آپ کی خواہش تھی کہ آپ کی تدفین قادیان دارالامان میں ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خواہش اس طرح پوری فرمائی کہ **1991**ء کے جلسہ

سالانہ کے موقع پر آپ کو گرنے سے چوٹیں لگیں جس کی وجہ سے آپ کی طبیعت بگڑتی چلی گئی اور پھر آپ کی وفات بھی قادیان میں ہی ہوئی اور تدفین بھی وہاں پر ہی ہوئی۔

مکرمی ناظم خان غوری صاحب

محترمی ناظم خان صاحب غوری سے خاکسار کا تعارف بچپن سے تھا۔آپ مشرقی افریقہ میں ایک کامیاب پولیس افسر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔احمدی ہونے کی وجہ سے آپ کا ہمارے گھر اکثر آنا جانا ہوتا تھا۔آپ انتہائی سمارٹ شخصیت کے مالک تھے۔آپ ہمیشہ بڑی شفقت اور پیار سے پیش آتے۔تنزانیہ سے آپ اپنی بیگم اور بچوں کے ساتھ لندن آ گئے اور یہاں گھر خرید کر قیام پزیر ہو گئے۔لندن میں آپ نے نوکری شروع کر دی۔

آپ کا مشرقی افریقہ میں بھی اور لندن پہنچنے کے بعد یہاں بھی جماعت کے ساتھ بہت مضبوط تعلق قائم رہا۔آپ قریباً روزانہ مسجد آتے۔خاکسار کی آپ سے لندن میں جب کبھی بھی جماعتی تقریبات کے دوران ملاقات ہوتی آپ بہت ہی شفقت سے پیش آتے اور اپنے بچوں کی طرح پیار کا سلوک فرماتے اور مفید مشوروں سے بھی نوازتے۔آپ اکثر خاکسار کو بریڈفورڈ فون کر کے بات کرتے اور حال احوال دریافت فرماتے۔لندن پہنچنے کے بعد آپ نے جہاں جماعت کے ساتھ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا مضبوط تعلق قائم کیا وہاں آپ نے اپنے ماحول میں غیر از جماعت تنظیموں کے ساتھ بھی بڑا مضبوط تعلق قائم کیا اور ان کی مجالس میں اور مشاعروں خود بھی جا کر مثبت کردار ادا کرتے بلکہ ان کو بھی مسجد فضل میں مدعو کرتے اور جماعت سے ان کا تعارف کرواتے۔غیر از جماعت حلقوں میں آپ کا بہت احترام کیا جاتا تھا اور اکثر بااثر افراد ان کی بہت تعریف کرتے۔آپ کی ان سماجی خدمات کے اعتراف میں ملکہ برطانیہ نے آپ کو ایم بی ای (ممبر آف برٹش ایمپائر) کا خصوصی اعزاز دیا۔جب خاکسار کو بھی یہی اعزاز ملکہ برطانیہ کی طرف سے دیا گیا تو محترمی غوری صاحب نے خاص طور پر فون کر کے مبارکباد پیش کی، بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور بہت دعائیں دیں۔آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی غیر از جماعت دوستوں کے ساتھ اکثر مجالس عرفان میں آپ کو ان دوستوں کا تعارف کروانے کا اور سوال پیش کرنے کا موقع ملتا رہا۔آپ کو جماعت یوکے میں مختلف حیثیتوں میں خدمت دین کی توفیق ملتی رہی۔خصوصاً آپ نے ایک ذمہ داری آخر دم تک نبھائی۔وہ ذمہ داری جماعت یوکے کے غریب اور ضرورت مند افراد کی فہرست تیار کرنی اور ان سب کو عید کے مواقع پر اور دوسرے اوقات میں مالی مدد جماعتی طور پر بجھوانی۔خاکسار کی آپ سے آخری ملاقات نومبر **2012**ء میں ہاوز آف لارڈز میں ایکا یوارڈز کی ایک خصوصی تقریب کے موقع پر ہوئی۔آپ کافی کمزور نظر آ رہے تھے،آپ نے خود اپنی بیماری اور علاج کے متعلق بتایا اور دعا کی درخواست کی۔

مکرمی جسوال صاحب

محترمی جسوال صاحب ایک لمبا عرصہ تک کینیا کے شہر کسوموں میں رہے۔آپ سول انجینئر تھے اور کسوموں کی مسجد کی تعمیر میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔کسوموں قیام کے دوران اور بعد میں لندن منتقل ہو جانے کے بعد بھی آپ کا اور آپ کے گھرانے کا جماعت سے بہت مضبوط تعلق قائم رہا۔آپ نے لندن میں مسجد فضل کے بالکل قریب **Gressenhall Road** پر ہی گھر خرید لیا تھا تاکہ مسجد آنے جانے میں آسانی رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد چونکہ لندن میں جماعتی رہائش گاہیں نہیں تھیں اس لئے شروع میں کچھ عرصہ تک بعض جماعتی مہمانوں نے آپ کے گھر میں قیام فرمایا۔

مکرمی اکرم خان صاحب غوری

مکرمی اکرم خان صاحب غوری بھی ایک لمبا عرصہ تک کینیا میں کسوموں شہر میں قیام پزیر رہے۔آپ پیشہ کے لحاظ سے ایک انجینئر تھے۔اس ناطے سے آپ سے خاکسار کی جب بھی ملاقات ہوتی آپ بہت ہی شفقت اور پیار سے پیش آتے۔آپ نے کسوموکی مسجد کی تعمیر میں نمایاں کردارادا کیا۔کینیا چھوڑنے کے بعد آپ اپنی بیگم اور بیٹی کے ساتھ کچھ عرصہ ربوہ میں دارالصدر میں قیام پزیر رہے جہاں آپ نے اپنا کاروبار بھی کیا۔لندن منتقل ہونے کے بعد آپ نے ایک لمبا عرصہ تک مسجد فضل میں دینی خدمات سرانجام دیں۔لندن میں آپ کو کچھ عرصہ حضرت چوہدری سرمحمد ظفراللہ خان صاحبؓ کے سیکرٹری کے طور پر کام کا بھی موقع ملا۔آپ حضرت چوہدری صاحب کی دفتری امور میں اورڈاک بھجوانے میں مدد فرماتے۔آپ بطور واقف کچھ عرصہ سپین میں پیدروآباد میں بھی رہے اور دینی خدمات سرانجام دینے کا آپ کو شرف حاصل ہوا۔آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ **1978**ء میں کسرصلیب کانفرنس کے موقع پر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ نے اپنی بیگم صاحبہ اور بچیوں کے ساتھ آپ کے گھر میں قیام فرمایا۔

مکرمی مبشر باجوہ صاحب



مکرمی مبشر باجوہ صاحب جرمنی کی جماعت کے صف اول کے بہادر اور بے لوث خدمت کرنے والے مجاہد تھے۔آپ ایک ہردلعزیز شخصیت کے مالک اور محنتی شخص تھے۔آپ بہت محنتی اور فدائی احمدی تھے۔آپ کی وفات بھی خدمت دین کے دوران ہی ہوئی۔آپ اپنے بیٹے کے ساتھ لندن ایم ٹی اے کا سامان لینے آئے ہوئے تھے۔واپسی پر بیلجیئم میں کار کے حادثہ میں آپ کی وفات ہوئی۔آپ کو جرمنی کی جماعت میں کئی مرکزی عہدوں پر کام کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔آپ بہت اخلاص اور محنت سے خدمت سرانجام دیتے اور دوسروں سے کام لیتے۔حضور کے دورہ جرمنی کے دوران آپ چوبیں گھنٹے حضور کے قریب رہ کر خدمات سرانجام دیتے۔

1986ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے زیورک یونیورسٹی میں لیکچر ارشاد فرمایا۔یہ لیکچر ایک بہت بڑے ہال میں تھا۔خاکسار، ملک اشفاق صاحب، مبارک ساہی صاحب مرحوم اور میجر محمود صاحب ڈیوٹی کررہے تھے۔اچانک چند عرب طلباء نے ہال میں نعرے لگانے شروع کردیے۔اس دوران ہمیں تشویش ہوئی کہ حضور کی سیکیورٹی پر چند افراد معمور ہیں۔ان کو کیسے روکا جائے گا۔اسی دوران محترمی مبشر باجوہ صاحب جرمنی سے خدام سے بھری ہوئی ویگن لے کر پہنچ گئے اور فوراً سیکیورٹی کی ڈیوٹیاں سنبھال لیں۔آپ میں انتظامی سلاحیتیں کمال کی تھیں۔جماعتی ڈیوٹیوں کیلئے آپ نے خدام کی ایک ٹیم ہمیشہ تیار رکھی ہوتی تھی۔

1989ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر ناصر باغ میں افسر صاحب جلسہ سالانہ نے حضور سے کہا کہ ضیافت کی ٹیم کو شکوہ ہے کہ ان کا حضور سے مصافحہ نہیں ہوسکا۔حضور نے فرمایا ان کو بلالیں۔جب وہ آگئے تو خاکسار نے حضور کو اطلاع دی۔حضور اپنی قیام گاہ سے باہر تشریف لے آئے۔حضور سے مصافحہ کرنے کے شوق میں وہاں بدنظمی ہوگئی اور ہر شخص آگے بڑھ کر مصافحہ کرنا چاہتا تھا۔اس وقت ڈیوٹی پر صرف خاکسار اور ایک اور دوست موجود تھے۔اس افراتفری میں حضور کی شلوار بھی کیچڑ سے گندی ہوگئی اور خاکسار کی شلوار بھی گندی ہوگئی۔حضور نے سب کو روکا اور فرمایا مبشر باجوہ صاحب کو بلواؤ وہ تنظیم کے ساتھ سب کو کھڑا کریں تو میں آؤں گا۔مبشر باجوہ صاحب کو بلوایا گیا۔آپ نے سب کو ایک قطار میں کھڑا کیا اور فرمایا کہ یہ شخص قطار کے

آخر میں ہوگا۔اس کے بعد کوئی نہیں ہوگا۔جب سن کھڑے ہوے تو حضور کو پیغام بھجوایا گیا۔حضور تشریف لائے تو بڑے معظم طریقے سب نے مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔حضور نے خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا مجھے پتہ تھا مبشر یہ کام اچھی طرح سے کروادے گا۔مبشر باجوہ صاحب کی شہادت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے جلسہ سالانہ جرمنی پر پنجابی زبان میں خوبصورت منظوم کلام تحریر فرمایا جو پڑھ کر سنایا گیا۔

مکرمی منور احمد صاحب نوری



مکرمی منور احمد صاحب نوری کا ابتدائی تعلق کراچی کی جماعت سے تھا۔آپ انتہائی مخلص ، نڈر اور فدائی احمدی تھے۔لندن آنے کے بعد آپ نے مختلف حیثیتوں میں جماعتی خدمات سرانجام دیں۔آپ ضیافت ٹیم کے بھی ممبر رہے۔جلسہ سالانہ کے دفتر میں بھی خدمات سرانجام دیں اور بعد میں آپ جنرل سیکرٹری کے دفتر میں بیت الفتوح میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔

آپ کی آواز میں ایک رعب اور دبدبہ تھا۔آپ مولانا عبدالمالک خان صاحب کے رشتہ میں بھانجے لگتے تھے اس لیے ان کی طرح ان کی آواز بھی بڑی جوشیلی تھی۔آپ ٹھیٹھ اردو زبان میں بات کرتے تھے۔آپ کے ذمہ جو بھی کام لگایا جاتا اس کو آپ بڑی محنت اور دیانتداری سے سرانجام دیتے۔آپ کو دوسروں سے کام لینے کا بھی سلیقہ تھا۔آپ نے قادیان میں زمین خرید کر بڑی عالیشان کوٹھی بنوائی اور وہاں جا کر ہر سال موسم سرما کے مہینے گذارتے۔آپ کے والد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے استاد تھے اس لیے حضرت میاں صاحب آپ سے بہت شفقت کا سلوک فرماتے اور بعض دفعہ آپ دارالمسیح میں ہی قیام فرماتے۔قادیان قیام کے دوران آپ یو کے سے آنے والے مہمانوں کی بہت خدمت کرتے اور ان کی اپنے گھر دعوت کرتے۔آپ نے ایک جیپ رکھی ہوئی تھی ،اس میں مہمانوں کو سیر کرواتے۔خاکسار کے ساتھ بھی ان کا بہت اخلاص اور وفا کا تعلق تھا۔ ہمیشہ بڑی گرمجوشی سے ملتے اور خوشی کا اظہار کرتے۔اکثر فون کر کے بھی بات کرتے۔قادیان قیام کے دوران بھی ان کے ساتھ اکثر وقت گذرتا اور ان کی جیپ میں بٹالہ، گورداسپور اور امرتسر وغیرہ جانے کا موقع ملتا رہا۔لندن اور قادیان میں ان کا وسیع حلقہ احباب تھا جن سے بڑی گرمجوشی سے ملتے۔ان کی ایک بیٹی میٹروپولیٹن پولیس میں افسر ہے۔وہ حجاب پہن کر ڈیوٹی کرتی ہے اسلئے اس کو''حجابی پولیس افسر'' کے طور پر جانا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش پوری فرمادی اور قادیان قیام کے دوران ہی آپ بہت شدید بیمار ہوگئے اور جالندھر ہسپتال میں داخل رہے۔آپ کی وفات بھی وہیں ہوئی۔اور حضور انور کی منظوری سے آپ کی تدفین بھی قادیان میں ہی ہوئی۔

مکرمی ناصر جاوید خان صاحب

مکرمی ناصر جاوید خان صاحب کا تعلق کراچی سے تھا۔آپ کے والد صاحب ملک صفدر خان صاحب پاکستان ریڈ کراس سوسائٹی کے چیئر مین تھے۔ ناصر جاوید خان صاحب بھی پاکستان کی سول سروس میں اعلیٰ عہدوں پر رہے۔آپ یو اے ای میں پاکستان کے سفارت خانے میں بطور کمرشل اتاشی خدمات سرانجام دیتے رہے۔آپ ایک لمبے عرصہ تک پاکستان سٹیٹ لائف انشورنس کمپنی میں بھی ایک اعلیٰ عہدے پر فائز رہے۔

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے حکم پر ربوہ تعلیم کی غرض سے آئے اور ٹی آئی کالج کے ہوسٹل میں رہے۔حضورؒ ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔آپ تعلیم الاسلام کالج میں خاکسار کے ہم جماعت بھی تھے اور مختلف سوسائٹیوں میں ہم دونوں کو اکٹھے کام کرنے کا شرف حاصل رہا۔آپ یونین کے سیکرٹری بھی رہے۔

آپ نے لندن آنے کے بعد بھی جماعتی خدمات جاری رکھیں ۔آپ نے مسجد بیت الفتوح کیلئے چندہ اکٹھے کرنے کے لیے بڑی محنت کی ۔ بعد میں آپ کو بیت الفتوح میں ایچ آر کا انچارج بنا دیا گیا جہاں آپ نے بڑی محنت سے جماعتی کارکنان کے کاموں کے سلسلہ میں برطانوی حکومت کے قوانین کے مطابق کام کیے۔ آپ ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس یونین یوکے بڑے فعال ممبر تھے۔ خاکسار کے ساتھ آپ کا پیار اور اخلاص کا تعلق ہمیشہ رہا اور لندن میں ملاقات ہوتی تو بہت گرمجوشی سے ملتے۔ فون پر بھی اکثر بات ہوتی ۔آپ کا خلافت احمدیہ اور نظام جماعت کے ساتھ بہت اخلاص اور وفا کا بہت مضبوط تعلق ہمیشہ قائم رہا۔

مکرمی سرفراز ڈار صاحب ایڈووکیٹ

محترمی سرفراز ڈار صاحب کا تعلق سیالکوٹ کی مشہور ڈار فیملی سے تھا۔ آپ ایک معروف اور قابل وکیل تھے۔ آپ انتہائی نڈر، بے باک اور دلیر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ جماعت کے اکثر مقدمات میں جماعت کے وکیل کے طور پر عدالتوں میں پیش ہوتے۔ ایک مقدمے کی سماعت کے دوران آپ پر ایک بد بخت غیر احمدی مولوی نے قاتلانہ حملہ بھی کر دیا تھا لیکن اللہ تعالی نے آپ کو نئی زندگی عطا فرمائی۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر کئی بار لندن بھی تشریف لائے اور یہاں قیام فرمایا۔ لندن قیام کے دوران اور اسلام آباد میں جلسہ سالانہ کے مواقع پر آپ سے ملاقات ہوتی۔ آپ نہایت نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ ہمیشہ بڑی گرم جوشی سے ملتے اور بہت دلچسپ باتیں کرتے۔ آپ اپنی وکالت کے دلچسپ تجربات اور واقعات بھی بیان فرماتے۔

مکرمی غلام احمد صاحب چغتائی

محترمی غلام احمد صاحب چغتائی ان چند افراد میں سے تھے جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد اپنے آپ کو دینی خدمات کیلئے پیش کیا۔ آپ کی ڈیوٹی ٹیلیفون پر لگائی گئی اور آپ بڑے ادب سے ہر ٹیلیفون کا جواب دیتے اور پیغامات تحریر کر کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو بھجواتے۔ ابتداء میں آپ پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر کے قریب ایک کونے میں بیٹھتے اور بڑی محنت سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے۔ آپ بہت خوش مزاج اور ملنسار تھے۔ جب بھی ان سے بات ہوتی تو بڑے جوش وخروش سے بات کرتے اور احترام سے پیش آتے۔

مکرمی سردار رفیق احمد صاحب

محترمی سردار رفیق احمد صاحب ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب کے بیٹے تھے۔ آپ کا سارا خاندان انتہائی مخلص اور خدمت گذار ہے۔ آپ کے دادا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ آپ سکھ مذہب چھوڑ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے احمدی مسلمان ہوئے تھے۔ محترم سردار رفیق احمد صاحب نے یوکے آنے کے بعد مرکزی مجلس عاملہ میں مختلف حیثیتوں میں خدمات سرانجام دیں۔ آپ ہر وقت خدمت دین کیلئے تیار رہتے تھے۔

مکرمی مبشر گلزار صاحب

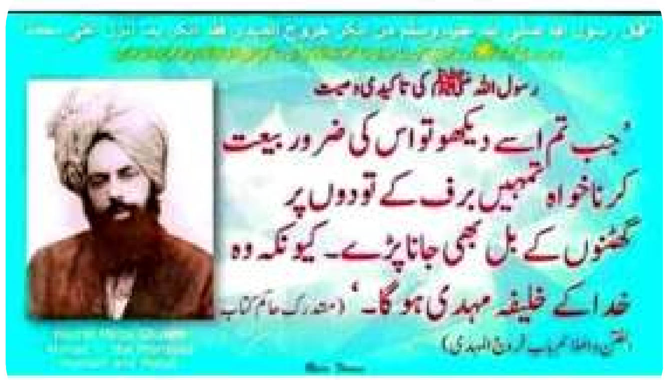
محترمی مبشر گلزار صاحب محترم داؤد گلزار صاحب کے بیٹے تھے۔ یہ سارا گھرانا ہی انتہائی مخلص اور فدائی احمدی تھے۔ مبشر گلزار صاحب مجلس خدام الاحمدیہ یوکے ان چند خدام میں سے تھے جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہجرت کے بعد مسجد فضل میں دن رات ڈیوٹیاں دیں۔ آپ ہر وقت کسی بھی خدمت کیلئے تیار رہتے تھے۔ کئی بار تو رات بھی مسجد کے احاطے میں ہی گذارتے۔ یکم جنوری 1985ء کی صبح جب حضور نماز فجر کیلئے اپنی رہائش گاہ



سے باہر تشریف لائے تو حضور نے مبشر گلزار صاحب کو نئے سال کی ڈائری تحفہ دی۔ آپ اس پر بڑے خوش تھے۔ ہم سب نے ان کو مبارکباد دی۔

مکرمی رفیق سفیر صاحب

محترمی رفیق سفیر صاحب لندن کے مشہور سفیر خاندان کے فرد تھے۔ یہ سارا خاندان انتہائی مخلص خاندان ہے۔ رفیق سفیر صاحب بھی مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کے ان چند خدام میں سے تھے جنہوں نے حضورؒ کی ہجرت کے بعد دن رات مسجد فضل میں ڈیوٹیاں دیں۔ آپ بھی ہر وقت ہر طرح کی ڈیوٹیوں کیلئے تیار رہتے تھے۔ سیکورٹی کی ڈیوٹی کے علاوہ آپ کچن میں بھی اور فون کی ڈیوٹی بھی کرتے تھے۔ آپ کو اردو زبان بہت کم آتی تھی۔ آپ انگریزی زبان میں ہی زیادہ بات کرتے تھے۔ ہم ان کے ساتھ مذاق میں پنجابی میں بات کرتے تو وہ کہتے مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تم کیا کہہ رہے ہو۔ آپ نے مجلس خدام الاحمدیہ یوکے کی مرکزی مجلس عاملہ میں بھی زمہ داریاں ادا کیں اور بہت محنت کے ساتھ کام کیے۔ ان کے علاوہ بھی اور بہت سے بھائی اور بزرگ تھے جنہوں نے ہجرت کے بعد لندن میں خدمات سرانجام دیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور ان سب کے درجات بہت بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

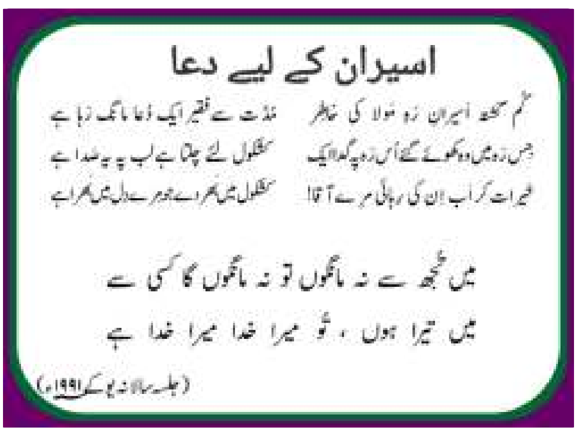


ہر طرف کفر است

قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
احمدی نکلے فقط لے کر علم اسلام کا
اور کر سکتے نہیں اسلام کا جھنڈا بلند
عیش میں سرگرم ہیں کیا فکر و غم اسلام کا
جو مسلماں نام کے ہیں وہ نہیں ہیں کام کے
ہاں عرب اسلام کا ہے اور عجم اسلام کا
جس نے بے پَر کی اڑائی ہے اسے ہو انتباہ
پھٹنے والا ہے اسی کے سر پہ بم اسلام کا
پیشگوئی پوری ہوگی یہ امامِ وقت کی
بھرنے والے ہیں تمام انسان دم اسلام کا
مال و جاں دے کر خریدو اپنے مولیٰ کی رضا
اور دعاؤں سے کرو قائم بھرم اسلام کا
ہر طرح محفوظ ہے اکمل حصارِ دینِ حق
تا ابد لہرائے گا اس پر علم اسلام کا

(الفرقان ربوہ، مارچ 1960ء)







رپورٹ

دورۂ جزیرہ نورفولک زیرانتظام جماعت احمدیہ آسٹریلیا۔(18 نومبر تا 2 دسمبر 2016ء)

محمد امجد خان (سابق انچارج جزیرہ نورفولک Norfolk. آسٹریلیا)

پس منظر:

حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خاکسار محمد امجد خان کو جماعت آسٹریلیا کے سپرد ممالک میں سے نورفولک جزیرہ کا نگران برائے سال 2016ء تا 2019ء مقرر فرمایا اور مکرم کامران مبشر صاحب مربی سلسلہ کو اس جزیرہ کیلئے مشنری مقرر کیا گیا۔ 35 Km squares رقبہ اور تقریباً 1800 نفوس پر مشتمل اس جزیرہ میں اکثریت ان آٹھ برطانوی نژاد خاندانوں کی ہے جو 1856 عیسوی میں ملکہ برطانیہ کے حکم پر یہاں لاکر آباد کئے گئے۔ جزیرے کی اپنی زبان۔ ثقافت۔ تاریخ۔ ورثہ اور جغرافیائی حیثیت ہے۔ کونسل انہی آٹھ خاندانوں یا قبیلوں پر مشتمل ہے۔ عیسائیت کے علاوہ یہاں اور کسی مذہب کی عبادت گاہ قائم نہیں۔ اکثریت انگریزی بولتی ہے اور انکا آپس میں باہمی رابطہ اور تعاون مثالی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جولائی 2016ء میں جزیرہ کے لوگوں کے ایک اعلیٰ سطحی نمائیندہ وفد نے مکرم ومحترم جناب ڈاکٹر سر افتخار ایاز صاحب سے لندن جاکر ملاقات کی جس میں درج ذیل معتبرین شامل تھے۔

1) H.E Peter Patrick Delaney (Ex-GovernerGeneral Norfolk) (2) Mr.Albert .F.Buffett (President Council of Elders Norfolk) 3) Dr David Buckley (UK membership secretary of Universal Peace Federation and Peace Ambassador of U.N for Norfolk) 4) Mr David.I.Weprin(Ex-member parliament Norfolk)

ان کا اس ملاقات کا مقصد اپنے ملک کی مکمل خودمختاری اور مستقبل کے بارے میں مختلف فورمز پر روابط قائم کرنا تھا۔ دوران ملاقات جب مکرم و محترم جناب ڈاکٹر سر افتخار ایاز صاحب نے ان کو اسلام احمدیت کا مکمل وتفصیلی تعارف کروایا تو ان لوگوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کو بہت خوشی ہوگی کے ایسا اسلام ان لوگوں کے جزیرہ میں آئے۔ مکرم افتخار صاحب نے اس ملاقات کی رپورٹ مکرم ومحترم جناب ایڈیشنل وکیل التبشیر صاحب کو ارسال کی اور رائے پیش کی کہ آسٹریلیا سے وہاں کسی کو جائزے اور رابطے کیلئے وہاں بھجوانا چاہیے چناچہ مکرم ومحترم جناب ایڈیشنل وکیل التبشیر صاحب لندن نے مکرم ومحترم جناب امیر صاحب آسٹریلیا کو تحریر فرمایا کہ ''یہ جزیرہ آپ کے تحت ہے جب آپکا وفد وہاں جائے تو ان لوگوں سے مکرم افتخار ایاز صاحب کے حوالے سے رابطہ کرے۔ اس سے فائدہ ہوگا اور انشااللہ کام میں سہولت ہوگی''۔

خاکسار نے وکالت تبشیر کی مذکورہ بالا ہدایت کی تعمیل میں جزیرہ نورفولک سے متعلق ایک جامع پلان تیار کیا' مکرم امیر صاحب سے اسکی منظوری حاصل کی اور اپنے دورہ کی کامیابی کیلئے حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں دعا کیلئے خط بھی لکھا۔

خاکسار نے Norfolk کی کونسل آف ایلڈرز کے صدر Mr. Albert Buffett سے رابطہ کرکے اپنے اور مکرم امام کامران مبشر صاحب کے

دورے سے متعلق آگاہ کیا۔ جواب میں انکی سیکریڑی محترمہ Rebecca Hayes صاحبہ کی جانب سے یہ حوصلہ افزاء اطلاع موصول ہوئی کہ ہمارے ساتھ ایک میٹنگ انکی کونسل کے عہدیداران اور دوسری مجلس عاملہ کے ساتھ طے ہوگئی ہے جسکے انتظامات مکمل کر لئے گئے ہیں۔ محترمہ نے یہ اطلاع بھی دی کے چونکہ انکے صدران دنوں ملک سے باہر ہیں اس لئے ان کے قائم مقام اور نائب صدر Mr. Ken Christain اور دیگر دو بڑے عہدیدار Mr. lewis Quintal اور Mr. Shane McCoy ہمارے استقبال کیلئے ائرپورٹ تشریف لائینگے۔

اس ابتدائی کامیابی پر مکرم ومحترم جناب امیر صاحب آسٹریلیا نے تحریر فرمایا ''یہ تو بڑی اچھی خبر ہے کہ آپ وہاں روابط قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں اللہ تعالی آپکی کوششوں میں برکت ڈالے اور آپ کو عظیم کامیابی عطا کرے''۔ ''وہاں داخل ہوتے وقت خصوصی دعائیں کریں کیونکہ اس سر زمین پر تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی کو اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچانے کی توفیق مل رہی ہے۔''

دورہ کی تفصیل

18 نومبر 2016ء بروز جمعۃ المبارک: صبح ہماری روانگی تھی محترم امیر صاحب ازراہ شفقت از خود ہمیں سڈنی ائرپورٹ پر دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنے تشریف لے گئے۔

ہم صبح 09:50 پر بذریعہ Air Newzeland کی پرواز NZ 0762 سڈنی سے روانہ ہوکر اسی روز دوپہر 12:20 نورفولک آئی لینڈ پہنچ گئے۔ ائرپورٹ پر کونسل آف ایڈلرز کے تین رکنی اعلی سطحی وفد نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا۔

19 نومبر 2016ء بروز ہفتہ: ہمیں قائم مقام اور نائب صدر کی جانب سے ایک بڑے مقامی ہوٹل میں عشائیہ پر مدعو کیا گیا تھا جس میں جزیرہ کے تمام لوگوں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ عشائیہ میں 200 سے زائد افراد موجود تھے جس کے آغاز میں لاؤڈ اسپیکر پر کونسل آف ایلڈرز کے نائب صدر نے خاکسار اور امام مبشر کامران صاحب کا خوش آمدید کہا اور ہمارا تعارف بطور نمائندہ احمدیہ مسلم ایسوسی ایشن آسٹریلیا کروایا جس پر تمام حاضرین نے پرجوش تالیاں بجا کر ہمارا استقبال کیا۔ دوران طعام بہت سے لوگوں نے ہم سے ملاقات کی اور ہمارے دورے اور جماعت سے متعلق تعارف حاصل کیا اور یوں خدا تعالی کے فضل وکرم اور حضور انور کی دعاؤں کے طفیل اس سرزمین پر اسلام کے تعارف کی ابتدا ہوئی۔ یقیناً ہمارے لئے یہ ایک تاریخی موقعہ اور شکر کا مقام تھا۔



20 نومبر 2016ء بروز اتوار: صبح ہم نے وہاں کے تاریخی Anglican Church کے پادری Rev. David Fell جو جزیرہ کے سب سے معزز اور معتبر پادری سمجھے جاتے ہیں سے ملاقات کی ان سے اپنا تعارف کرایا اور مزید گفتگو کیلئے انہیں وہاں کے مشہور مقامی ریسٹورنٹ THE OLIVE میں کافی کے لئے دعوت دی جو انہوں نے بخوشی قبول کر لی۔ اس کے بعد ہم نے کیتھولک چرچ اور Seventhday Adventist چرچ کے پادری Mr. Deon سے ملاقات کر کے اپنا تعارف کرایا۔ بعد ازاں ہم Uniting Church میں گئے اور وہاں پر موجود پادری سے ملاقات کی اور جماعت کا تعارف پیش کیا۔ جس پر انہوں نے ہمیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی جو ہم نے آئندہ کیلئے موخر کر دی تا ان کو ملاقات میں جماعت کی کتب تحفے میں پیش کر سکیں۔ اسکے بعد ہم نے شہر میں وسط میں واقع Centre of Democracy میں جا کر سینٹر کے چیف کوآرڈینیٹر جناب Mr. Greg Magri سے تفصیلی ملاقات اور تعارف حاصل کیا۔

یہ سینٹر Norfolk جزیرہ کی مضبوط ترین تنظیموں یعنی Council of Eleders اور Norfolk Peoples for Democracy (NIPD) کی سیاسی۔سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے۔اوران دونوں تنظیموں کو جزیرے کے باشندوں کا مکمل تعاون حاصل ہے۔

21 نومبر 2016ء بروز پیر: شام کو ایک مقامی ہوٹل میں کونسل کی ممبران عاملہ۔یونیورسل پیس فیڈریشن کے نمائیندہ اور NIPD کے صدر جو Ex-Minister for Fishries بھی ہیں سے ہماری تفصیلی ملاقات ہوئی ہم نے ان کو جماعت کا بڑی تفصیل سے تعارف کروایا اورانہوں نے بھی اپنی آزادی سے متعلق پرامن جدوجہد کے قانونی پہلوؤں سے آگاہ کیا۔دوران اجلاس چائے کے وقفے کے دوران ہم نے ان تمام معززین کو تحفہ میں جماعت آسٹریلیا کی طرف سے طبع شدہ جماعت کا مکمل تعارف۔نیز اسلامی اصول کی فلاسفی'لائف آف محمد ﷺ 'قرآن کریم کی منتخب آیات اور منتخب احادیث نبوی ﷺ اور حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی تحریرات کے اقتباسات پیش کئے۔اس موقعہ پر تصاویر بھی لی گیئں۔

اجلاس کے دوسرے دور میں ہم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز کی عالمی امن سے متعلق مہم کے سلسلے میں انکی مختلف مما لک کے سربراہان سے ملاقات اور انکی پارلیمنٹ سے خطابات کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔اجلاس کے بعد ہمارے اعزاز میں ایک انتہائی پرتکلف ڈنر کا اہتمام تھا۔کھانے دوران ہمیں جماعت کے عقائد'احمدیت کے پیغام امن'مذاہب کی ہم آہنگی اور Interfaith dialog پر روشنی ڈالنے کا سیر حاصل موقعہ ملا۔کھانے سے فارغ ہوکر چائے پر بھی ہماری گفتگو جاری رہی۔تمام معززین پر ہماری گفتگو کا انتہائی اچھا اثر قائم ہوا اور یہ ملاقات ہر حوالے سے کامیاب رہی۔آخر میں ان لوگوں نے ہم سے اگلے روز پہلے سے طے شدہ کونسل اور NIPD کے اراکین عاملہ کی مشترکہ میٹنگ میں ہم سے حاضرین سے خطاب کرنیکی درخواست کی اور ہم نے ان سے سینٹر پر جماعت کی مختلف کتب Display کرنیکی اجازت حاصل کی۔یقیناً یہ ایک تاریخی موقعہ تھا کیوں کہ اس جزیرہ پر پہلی بار کسی کو اسلام احمدیت کا پیغام بشمول معززین لوگوں کو انتہائی احسن طور پر پہنچانے کا موقعہ عطا ہوا تھا۔یہ محض اللہ تعالی کے فضل اور حضور انور ایدہ اللہ تعالی کی دعاؤں کے طفیل ممکن ہوا۔



22 نومبر 2016ء بروز منگل: صبح کے وقت ہم جزیرہ کے دارالحکومت Kingston میں وہاں کے تاریخی پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے ایک وسیع کمپاؤنڈ میں قائم کئے گئے مرکز میں کونسل کے فعال اراکین سے ملاقات کے لئے گئے۔اس جگہ کو''Tenet Embassy'' بھی کہا جاتا ہے اور آجکل بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے وہاں ہمارا پرتپاک استقبال کیا گیا اور تواضع کی گئی واپسی پر ہم نے Dr. David Buckley کو انکی فرمائش پر قرآن کریم بمعہ ترجمہ پیش کیا۔

شام کو کونسل اور NIPD کے جملہ اراکین عاملہ سے میٹنگ Centre of Democracy میں منعقد ہوئی۔اجلاس کے آغاز میں قائم مقام صدر Mr.Ken Christain نے ہمارا تعارف کرایا اور کہا کہ آج کی میٹنگ کا ایجنڈا صرف اپنے معزز مہمانوں کو سننا ہے۔خاکسار نے اپنی آمد کا مقصد جو اسلام اور احمدیت کا پرامن پیغام پہنچانا تھا مختصراً بیان کیا جس کے بعد امام کامران مبشر صاحب نے اسکی مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارا ماٹو''محبت سب کیلئے نفرت کسی سے نہیں'' ہے اور ہم اسکا صرف نعرہ ہی نہیں لگاتے بلکہ اس پر ہر طرح سے عمل بھی کرتے ہیں اور مذہبی ہم آہنگی اور بین المذاہب بات چیت پر یقین رکھتے ہیں۔

خاکسار نے حاضرین کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم موجودہ دور میں تلوار کے جہاد پر یقین نہیں رکھتے اس دور میں کسی بھی ملک یا قوم

کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہیں۔ اگر ہم دنیا کو فتح کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں دلوں کو جیتنا ہوگا۔جنگوں کے زریعے ہرگز فتح حاصل نہیں ہوسکتی دنیا میں امن اسی صورت میں قائم ہوسکتا ہے کہ اگر ہم انفرادی۔حکومتی اور اقوام کی سطح پر انصاف سے کام لیں۔انصاف کا قیام ہماری مذہبی۔ثقافتی۔سیاسی اور معاشی مصلحتوں سے بالا تر ہونا چاہئے۔ ہماری جماعت ہمیشہ انسانی حقوق کی پاسداری کیلیئے آواز بلند کرتی ہے ہماری جماعت دنیا کے مختلف ممالک میں Religious persecution کا نشانہ بن رہی ہے اور ہمارے بنیادی حقوق بھی پامال کئے جارہے ہیں مگر ہم انکا جواب امن اور محبت سے دے رہے ہیں۔امام کامران مبشر صاحب نے بیان کیا کہ ہمارا جہاد نفس کیخلاف ہے اور قلم کے زریعے سے برائی کے خاتمے کیلیئے ہے۔ ہماری جماعت کے سربراہ دنیا میں قیام امن کے سب سے بڑے پیغامبر ہیں وہ دنیا کے ممالک ے دورے اور انکی پارلیمنٹ سے خطابات کے زریعے عالمی امن کی اہمیت اور تیسری عالمی جنگ کے خطرات اور اسکے مضمرات سے آگاہ کرتے ہیں۔

الحمدللہ اس اجلاس میں بھی اسلام احمدیت کا پیغام ہماری تقاریر اور سوال وجواب کے زریعے Norfolk کی اہم ترین شخصیات تک بخوبی پہنچ گیا۔

اس میٹنگ کے بعد ہم مقامی لوگوں کی طرف سے Tent Embassy کے وسیع کمپاؤنڈ میں رات کے کھانے کیلیئے مدعو تھے کھانے دوران لوگوں نے انفرادی طور پر ہمارا اور جماعت کا تعارف حاصل کیا۔یہ موقعہ وہاں کے لوگوں کی باہمی اخوت اور بھائی چارے کی عمدہ مثال تھا۔

23 نومبر 2016ء بروز بدھ: شام کے وقت ہم وہاں کی واحد مقامی لائبریری میں گئے اور وہاں کی انچارج کو قرآن کریم کے دو نسخے' اسلامی اصول کی فلاسفی۔لائف آف محمد ﷺ' قرآن کی منتخب آیات' منتخب احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی منتخب تحریرات کی کتب' منتخب احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی منتخب تحریرات رکھنے کیلیئے پیش کیں۔انہوں نے وہ شکریہ کے ساتھ قبول کرتے ہوئے کہا کہ وہ ان کو لائبریری میں موجود کتب کی فہرست میں شامل کرکے لائبریری میں رکھوادیں گی۔اس کے بعد ہم نے Centre of Democracy کے چیف کوآرڈینیٹر Mr. Greg Magri کو جماعت کی کتب اسلامی اصول کی فلاسفی۔لائف آف محمد ﷺ' قرآن کی منتخب آیات' منتخب احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی منتخب تحریرات کا تحفہ پیش کیا اور Tent Embassy چلے گئے جہاں موجود افراد کو Dr David Buckley نے احمدیت کی 220 ممالک میں موجودگی اور قیام امن وانسانی حقوق کے حوالے سے جماعت کی کوششوں کو سراہا۔انکا کہنا تھا کہ قیام امن میں جماعت احمدیہ بطور اعلیٰ ترین ماڈل کام کررہی ہے۔ انکے ان تفصیلی خیالات کے بعد موجود مقامی لوگوں نے جماعت کے کے بارے میں مزید معلومات کی خواہش ظاہر کی۔

24 نومبر 2016ء بروز جمعرات: اس روز صبح کو جزیرہ پر موجود اسکول کے پرنسپل سے اور وہاں کے سب سے مشہور چرچ کے پادری Mr. David Fell سے تفصیلی ملاقات کا وقت لیا۔

25 نومبر 2016ء بروز جمعہ: صبح کے وقت مقامی ریسٹورنٹ میں جزیرہ کے سب سے معتبر' معزز اور مقبول پادری سے تفصیلی ملاقات ہوئی ہم نے انہیں جماعت کے بنیادی عقائد کا تعارف کرایا جس پر انہوں نے ہم قرآن کریم لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔دوپہر کو ہم نے واحد مقامی اسکول کی پرنسپل اور وائس پرنسپل کو اپنا تعارف کرواکر قرآن کریم کا نسخہ 'اسلامی اصول کی فلاسفی۔لائف آف محمد ﷺ' قرآن کی منتخب آیات' منتخب احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی منتخب تحریرات کا تحفہ پیش کیا جو انہوں نے خوشی اور شکریے کے ساتھ قبول کرتے ہوئے ان کو اسکول کی لائبریری میں رکھنے کا وعدہ کیا۔وہاں سے ہم Mr Greg Magri کے پاس گئے تو انہوں نے بتایا کے انہوں نے تحفہ میں دی گئی کتب کا مطالعہ شروع کردیا ہے اور چاہتے ہیں کہ قرآن کریم بھی ان کو پڑھنے کا موقعہ ملے اسپر ہم نے انہیں قرآن کریم کا تحفہ پیش کیا۔

شام کو ہم جزیرہ کی متمول ترین شخصیت اور Norfork Association of Islandres کے سربراہ Mr. Ric Robinson کے گھر کھانے پر مدعو تھے۔ان کا گھر وہاں آنیوالے سیاحوں کیلئے خوبصورت آرائش اور طرز تعمیر کیلئے بطور خاص جاذبیت رکھتا ہے۔کھانا انتہائی پر تکلف اور انتہائی لذیذ تھا جس کے دوران ہم نے ان کو جماعت کے خلاف Persecution ، مذہبی انتہا پسندی' مظالم، تواتر سے ہونیوالی شہادتوں اور Anti- Ahmadiyya قوانین سے آگاہی فراہم کی۔ یہ معلومات ان کیلئے انتہائی حیران کن اور افسوس ناک تھی۔انہوں نے ہمیں رخصت کرتے وقت اپنی مرتب کردہ کتاب اپنے دستخطوں کے ساتھ تحفتاً پیش کی۔

26 نومبر 2016ء بروز ہفتہ: شام کے وقت ہم نے وہاں کے Uniting Church کے پادری سے گھر جا کر ملاقات کی اور ان کو اسلامی اصول کی فلاسفی۔لائف آف محمد ﷺ' قرآن کی منتخب آیات' منتخب احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی منتخب تحریرات تحفہ میں پیش کیں اور جماعت کا تعارف کرایا۔



27 نومبر 2016ء بروز اتوار: Concil of Elders کے صدر جناب Albert Buffett اور سابق چیف منسٹر جناب Andre-Nobbs اپنے غیر ممالک کے دورے سے Norfolk واپس آچکے تھے انہوں ہم سے اپنے چند اراکین کونسل کے ساتھ ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔دوران ملاقات ہم نے اپنا تعارف' دورے کا پس منظر اور اغراض و مقاصد بیان کئے نیز ہماری آمد سے لیکر اب تک ہونیوالی سرگرمیوں اور انکے تعاون عزت افزائی۔ پیار اور محبت کا شکریہ ادا کیا۔علاوہ ازایں احمدیوں پر ہونیوالے مظالم احمدیوں و دیگر مسلمانوں کے عقائد میں فرق کو بھی کافی تفصیل سے پیش کیا گیا۔ یہ ملاقات انتہائی کامیاب اور سود مند رہی۔میٹنگ کے بعد صدر کونسل اور سابق وزیر اعلی نے ظہرانے کا اہتمام کیا۔دوران طعام شریک شہر کے بعض اکابرین نے ہم کو اپنی جدوجہد آزادی اور مکمل خودمختاری کے مطالبے سے آگاہ کیا ہم نے ان پر واضح کیا کہ ہماری جماعت مکمل طور پر غیر سیاسی ہے اور ہم بطور آسٹریلین شہری اپنے ملک کے مکمل وفادار اور ملکی قوانین کی پاسداری کرتے ہیں۔مگر ساتھ ہی ساتھ ہم دنیا بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے خلاف پرامن آواز اٹھانے کے قائل بھی ہیں۔ ہمارا آپکو مشورہ ہے اپنی جدوجہد میں ہمیشہ پرامن رہیں اور کبھی قانون کا ہاتھ میں ہرگز نہ لیں ہم آپکے جائز حقوق اور نیک مقاصد کی کامیابی کیلئے دعا گو ہیں اور واپس جا کر اپنی جماعت کے ملکی صدر کے توسط سے اپنے مرکز کو آپکے نقطہ نظر سے آگاہ کرینگے۔اسکے علاوہ ہم اپنے روحانی سربراہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کی خدمت میں آپکی خوشحالی اور نیک مقاصد کے حصول کیلئے دعا کی درخواست بھی کرینگے۔جس پر تمام شرکاء نے خوشی اور شکریے کا اظہار کیا۔

اسی روز شام کو اللہ تعالی کے فضل نے ہمارے دورے کا اہم ترین اور ایک اور کامیاب موقعہ فراہم کیا۔جزیرہ پر آنے سے پہلے مکرم ومحترم سر ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب کی طرف سے فراہم کردہ رابطوں اور اور مکرم و محترم جناب وکیل التبشیر صاحب لندن کے قیمتی مشوروں کے باعث ہماری کونسل کے صدر سے بذریعہ E- mail جو رابطہ قائم ہوا تھا وہ ہمارے لئے یکے بعد دیگرے کامیابیوں کی کلید ثابت ہورہا تھا۔حضورانور کی دعاؤں اور مکرم ومحترم امیر صاحب آسٹریلیا کی راہنمائی کے طفیل ایک سے بڑھکر ایک کامیابی حاصل ہورہی تھی۔ان کامیابیوں میں وقت، جگہ اور موقعہ کے لحاظ سے ایسا باہمی ربط تھا کہ واضح نظر آرہا تھا کہ خدائی قدرت اور اللہ تعالی کے فرشتے معجزاتی رنگ میں ہماری مدد کررہے ہیں۔جس کیلئے مقامی معززین بھی

سلطان نصیر کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔شام کو کونسل آف ایلڈرز اور NIPD نے مشترکہ طور پر پارلیمنٹ کے وسیع وعریض سبزہ زار پر ایک شاندار عشائیے کا اہتمام کیا۔ کمپاؤنڈ کو رنگ برنگ قمقموں سے مزین کیا گیا تھا اور پروگرام میں تین سو سے زائد افراد شریک تھے۔کوریج کیلئے مقامی اخبارات کے صحافی اور معروف آسٹریلوی چینل ABC کا عملہ موجود تھا۔

دعائیہ نغمات پیش کرنیوالوں کے ساتھ سازندے بھی موجود تھے۔دعاؤں کے بعد جب تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا تو کونسل کے معزز صدر جناب Albert Buffett نے ابتدائی کلمات میں ہم دونوں کا مختصر مگر جامع تعارف کراتے ہوئے ہمیں تمام مقامی آبادی کی طرف سے تالیوں کی گونج میں خوش آمدید کہا۔تقاریر کے اختتام پر خاکسار اور مکرم امام کامران مبشر صاحب سے بطور مہمان خصوصی خطاب کی درخواست کی گئی۔خاکسار نے اپنی تقریر میں اپنے دورے کا پس منظر۔مقامی اکابرین۔سیاستدانوں۔کونسل اور NIPD کی مجلس عاملہ و مجلس عامہ سے ملاقاتوں کی تفاصیل بیان کی اور جماعت احمدیہ کا مختصر تعارف اور پیام امن بیان کیا۔علاوہ ازایں کونسل کے صدر انکی مجلس عاملہ۔سابق وزیر اعلیٰ اور Tent Embassy کے منتظمین کا شکریہ بھی ادا کیا کہ انہوں نے انتہائی پیار اور کھلے دل سے ہمیں ہر موقعہ پر خوش آمدید کہا اور ہمارے لئے سہولتیں فراہم کیں۔اور مزید کہا کہ ہمارے لئے آپکی محبت،عزت و احترام اور مہمان نوازی قابل ستائش ہے۔

اسکے بعد مکرم امام کامران مبشر صاحب نے بطور احمدی مشنری اپنی تقریر میں کہا کہ ہمارا ماٹو ''محبت سب کیلئے اور نفرت کسی سے نہیں'' ہے۔ ہماری جماعت کے سربراہ حضرت اقدس مرزا مسرور احمد صاحب دنیا میں امن اور سلامتی کے سب سے بڑے علمبردار ہیں اسکے بعد انہوں نے اسلام احمدیت کا پیغام انتہائی موثر انداز میں پیش کیا۔دونوں تقاریر کے اختتام پر تمام حاضرین نے زبردست تالیاں بجائیں۔کھانے کے دوران مقامی لوگ ہمیں اپنا تعارف کراتے رہے۔اس پر تکلف اور پروقار پروگرام کا اختتام Norfolk کے قومی ترانے پر ہوا جو وہاں کے معروف گلوکاروں اور سازندوں نے انتہائی حسین انداز میں پیش کیا۔

28 نومبر 2016ء بروز پیر: صبح کے وقت کونسل کے صدر نے ہمیں،اپنی عاملہ اور سابق وزیر اعلیٰ نورفولک کو ناشتے پر مدعو کیا اس موقعے پر ہم نے مکرم محترم جناب امیر صاحب آسٹریلیا کے ہدایت پر ان تمام معززین کو جلسہ سالانہ آسٹریلیا میں شرکت کی غیر رسمی دعوت دی ہم نے یہ بھی کہا کہ جلسہ کے علاوہ آپ میں سے کوئی کبھی بھی آسٹریلیا تشریف لائے تو ہماری ایسوسی ایشن سے ضرور رابطہ کرے۔ناشتے کے بعد ہم ان تمام معززین کے ہمراہ Centre of Democracy گئے اور معزز صدر و سابق وزیر اعلیٰ کو قرآن کریم کا نسخہ'اسلامی اصول کی فلاسفی۔لائف آف محمد ﷺ' قرآن کی منتخب آیات' منتخب احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی منتخب تحریرات کا تحفہ پیش کیا۔اس کے بعد نورفولک سے نکلنے والے ایک On line Magazine کی ایڈیٹر Jodie Williams صاحبہ سے ایک مقامی ریسٹورنٹ میں ملاقات طے تھی۔دوران ملاقات انہوں جماعت کا تعارف حاصل کرنے کے بعد نوجوان نسل کی اخلاقی تربیت کے سلسلے میں درپیش مسائل پر گفتگو کی۔مکرم امام کامران صاحب نے ان کو ہماری جماعت کی مختلف تنظیموں کا تعارف کروایا اور نوجوانوں کی اصلاح و تربیت سے متعلق اسلام طریقہ کار سے آگاہ کیا۔انہوں نے بالخصوص جزیرے کے نوجوانوں اور بزرگوں کے درمیان ربط و تعاون پر زور دیا اسکے بعد کونسل کے صدر ہم کو اپنی کونسل کی ایک اہم رکن MS Geyle کے گھر چائے کی دعوت پر لے گئے۔ پہاڑی پر واقع انکے خوبصورت اور پر فضا گھر سے ساحل سمندر کا نظارہ انتہائی حسین تھا۔

واپسی پر Dr. David Buckley نے یونیورسل پیس فیڈریشن اور جماعت احمدیہ کے بین الاقوامی سطح پر باہمی تعاون برائے قیام امن کی

تجویز پیش کی ۔جس پران کو بتایا گیا کہ ہماری جماعت میں ہر اقدام ایک معین اور منظم طریقہ کار کے تحت کیا جاتا ہے۔لہذا اگر وہ چاہیں تو اپنی اس تجویز کے سلسلے میں ڈاکٹر سرافتخار صاحب کے ذریعے امام جماعت احمدیہ سے ملاقات کی درخواست کریں اور ان سے ملکراس سلسلے میں ان کی راہنمائی حاصل کریں۔واضح رہے کہ Dr. David Buckley ہی وہ شخصیت ہیں جو نورفولک کے نمائیندہ وفد کو ملاقات کیلئے لندن ڈاکٹر سرافتخار صاحب کے پاس لیکر گئے تھے۔شام کو ہم نے Tent Embassy جا کر وہاں کی منتظم خواتین جو کونسل آف ایلڈرز کی ممبر بھی ہیں ان سے ملاقات کر کے ان کا گذشتہ رات شاندار پروگرام اور ہمارے جزیرے میں قیام کے دوران تعاون اور ایثار کا خصوصی شکریہ ادا کیا اور ان کو قرآن کریم کا نسخہ اسلامی اصول کی فلاسفی ۔لائف آف محمد ﷺ' قرآن کی منتخب آیات' منتخب احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی منتخب تحریرات کا تحفہ پیش کیا۔

29 نومبر 2016ء بروز منگل: صبح کے وقت Center of Democracy میں معمول کے مطابق کچھ مقامی لوگوں سے جماعت کے عقائد' مرتد کی سزا' توہین رسالت اور اسلام کے دیگر مذاہب سے رویوں پر گفتگو ہوئی۔اس کے بعد وہاں کے ایک واحد مقامی شاعر Mr. Archie نے ہمیں اپنا مجموعہ کلام تحفہ میں دیا۔شام کو ہم جزیرے پر موجود واحد مسلمان فیملی سے ملنے انکے گھر گئے خاندان کے سربراہ کا نام محمد عمران علی ہے اور وہ فجی سے تعلق رکھتے ہیں۔خاکسار نے ان کو کہا کہ ہمیں یہ جان کر بے انتہا خوشی ہوئی کہ اس خوبصورت جزیرہ کے گلدستہ میں دیگر مذاہب کے پھولوں کے ساتھ ایک بہت ہی پیارا مسلمان پھول بھی ہے۔ان کو ہم نے قرآن کریم کا نسخہ اسلامی اصول کی فلاسفی۔لائف آف محمد ﷺ' قرآن کی منتخب آیات' منتخب احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی منتخب تحریرات کا تحفہ پیش کیا۔رات کو وہاں کے قدیم اور تاریخی آثار قدیمہ کے میدان میں مقامی فوڈ فیسٹول ہو رہا تھا وہاں ہم نے مقامی لوگوں سے گھل مل کر اپنا اور جماعت کا مختصر تعارف پیش کیا۔

30 نومبر 2016ء بروز بدھ: اس روز Thanks giving day کی عام تعطیل تھی دوپہر کو کونسل کے نائب صدر Mr. Ken Christian نے ہمیں کھانے پر بلایا تھا جس کے بعد ہم Center of Democracy میں ہماری Mr. Greg Magri اور نوجوانوں کی طرف سے نمائیندہ جو نائب صدر کونسل کی پوتی بھی ہیں کیساتھ ڈیڑھ گھنٹے سے زائد اصل واقعہ صلیب' وفات مسیح اور عیسائیوں میں روز بروز دہریت کیطرف مائل ہونیکی وجوہات پر گفتگو ہوئی۔ان لوگوں پر ہمارے دلائل جو بائیبل سے ہی دیئے گئے تھے کافی اثر ہوا اور انہوں نے برملا اس بات کس اقرار کیا کہ آپ دونوں کی باتوں میں سادگی اور وزن ہے جو با آسانی سمجھ میں آتی ہیں ان لوگوں نے بعد میں اپنے حلقہء احباب میں بھی اس بات کا اظہار کیا کہ ان کے عقائد میں سچائی نظر آتی ہے۔

شام کو Mr. Albert Buffett صدر نورفولک کونسل اور جناب Andre Nobbs سابق چیف منسٹر وسابق وزیر ٹورزم اور ترقیات نے جزیرہ کے تمام نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو ہم سے ملاقات کیلئے BBQ پر بلایا تھا۔اس موقعہ پر تیس سے زائد نوجوان جن میں چرچ کے نمائیندگان بھی شامل تھے موجود تھے۔واضح ہو کہ جزیرے میں جوں ہی لڑکے اور لڑکیاں اپنی HSC تعلیم مکمل کرتے ہیں تو مزید تعلیم یا حصول روزگار کیلئے نورفولک سے باہر چلے جاتے ہیں۔اس موقعہ پر اتنی تعداد میں نوجوانوں کی موجودگی کا مطلب یہ تھا کہ جزیرہ پر اس وقت موجود تقریباً تمام نوجوان لڑکے اور لڑکیاں حاضر تھے۔سابق چیف منسٹر صاحب نے جب ہمارا تعارف کرایا تو وہ لوگ اس تذبذب میں مبتلا تھے کہ آخر احمدیہ مسلم ایسوسی ایشن کے یہ نمائیندگان ہم سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔مگر جب مکرم امام کامران صاحب نے ان سے بات شروع کی اور انہیں حضرت مصلح موعود ؓ کے ارشاد ''قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی'' کا حوالہ دیکر ان کو اپنے بزرگوں سے ادب۔تعاون۔امن۔بھائی چارہ اور انکی اصلاح کی اہمیت سے آگاہ

کرنا شروع کیا تو وہ انکی باتیں انتہائی توجہ سے سننے لگ گئے اسکے بعد ان میں اکثر نے یہ برملا اظہار کیا کہ ان کو آج سے پہلے کبھی بھی ایسا موقع میسر نہیں آیا۔امام کامران صاحب نے ان کو جماعت کی تنظیموں کا تعارف کرایا اور جماعت کے نوجوانوں کی تربیتی۔روحانی۔صحت اور خدمت خلق سے متعلق سرگرمیوں سے آگاہ کیا اور ان پر واضح کیا کے اگر وہ اپنی ذاتی اور قومی زندگی میں کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں اپنے بزرگوں کی سرپرستی میں منظم ہو کر اپنے مقصد کے حصول کیلئے پرامن جدوجہد کرنا ہوگی۔ان کو سوشل میڈیا کے منفی اثرات سے متاثر ہونیکے بجائے اسے اپنی منزل کے حصول اور قومی ترقی کیلئے مثبت طور پر استعمال کرنا ہوگا۔اسکے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا اور مکرم کامران مبشر صاحب۔خاکسار۔صدر کونسل اور سابق چیف منسٹر نے مختلف سوالوں کے جوابات دیئے۔نوجوان نسل کے ساتھ اس انتہائی کامیاب پروگرام پر وہ دونوں بہت خوش اور جذباتی نظر آرہے تھے اور سب نوجوانوں نے ہم سے دوبارہ نورفولک آنیکی درخواست کی ہم نے انہیں بتایا کے اگلی مرتبہ امام کامران صاحب ایک یا دو نوجوانوں کو بھی اپنے ہمراہ لائینگے جو آپ لوگوں کے ساتھ Sports اور دیگر معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینگے۔صدر اور سابق وزیر اعلیٰ نے اس موقعہ ہمارا بے حد شکریہ ادا کیا اور اس بات کا اظہار کیا کہ جو کام ہم کافی عرصے سے کرنا چاہتے تھے مگر نہیں کر پا رہے تھے آپ لوگوں نے چند دنوں میں کر دکھایا۔

یکم دسمبر 2016ء بروز جمعرات: صبح کو چند افراد حسب معمول سوال وجواب کیلئے Center of Democracy پر موجود تھے ان سے ملنے کے بعد صدر کونسل نے ہم سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ اپنے دورے کی غرض وغایت تجربات اور مصروفیات کی تفصیل ایک آرٹیکل کی شکل میں ضرور تحریر کریں تا اسکو یہاں کے اخبارات اور On line Magzines میں شائع کیا جا سکے۔شام کو کونسل آف ایلڈرز کے تمام اراکین کا ایک خصوصی اجلاس طے تھا جس کا ایک مقصد ہمیں اجتماعی طور پر ہمیں الوداع کہنا بھی تھا۔ہم نے اجلاس کے آغاز میں کونسل کے تمام اراکین اور ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ہمارے دورے کے دوران تعاون کیا' ہمیں ہر سطح پر خوش آمدید کہا' اظہار خیال کا موقعہ فراہم کیا اور انتہائی پر خلوص مہمان نوازی کے جواب میں کونسل کے ممبران کیطرف سے بھی ہمارا شکریہ ادا کیا گیا اور انہوں نے خاص طور پر اپنے نوجوانوں کو مثبت سرگرمیوں اور پرامن جدوجہد کیلئے منظم کرنے کے سلسلے میں ہمارے تعاون اور کاوش کو بے حد سراہا۔ہماری طرف سے یہ دعا کی گئی کہ ہمارا یہ دورہ آنے والے دنوں کیلئے ایک مضبوط دوستی اور مستقل تعاون کی بنیاد بنے۔آخر میں تمام اراکین نے فرداً فرداً ہمیں خدا حافظ کہا۔

2 دسمبر 2016ء بروز جمعہ: صبح کو وہاں کے مشہور On line اخبار NORFOLK ONLINE کی ایڈیٹر MS. Alison Christian ہمارا انٹرویو ریکارڈ کرنے Center of Democracy آئی ہوئی تھیں۔انہوں نے ہمارے چالیس منٹ کے انٹرویو کے دوران ہماری آمد کے مقصد' جماعت کے تعارف اور بالخصوص وہاں کے نوجوانوں سے خاص طور پر علیحدہ ملاقات کی وجہ معلوم کی۔اسکے علاوہ انہوں نے ہماری جماعت کے تنظیمی ڈھانچے سے متعلق متعدد سوالات کئے ہم نے ان کے جوابات کے علاوہ جماعت احمدیہ کا عقیدۂ جہاد اور اپنے ممبران کی مذہبی' معاشرتی۔صحت اور خدمت خلق سے متعلق سرگرمیوں اور طریقہ کار سے آگاہی دی ۔ہمارے تمام جوابات سے ایڈیٹر اور دیگر حاضرین بے حد متاثر نظر آئے۔دوران انٹرویو کونسل کے صدر، سابق چیف منسٹر اور چیف کوآرڈینیٹر بھی موجود تھے۔جب ایڈیٹر کو یہ معلوم ہوا کہ ہم نے مقامی طور پر شائع ہونیوالے اخبار کیلئے اپنا ایک آرٹیکل بھجوایا ہے تو انہوں نے اپنے On line اخبار میں ہمارے انٹرویو کے علاوہ اس آرٹیکل کی بھی اشاعت کی اجازت مانگی اور شائع کرنے کیلئے ہماری صدر اور سابق چیف منسٹر کے ساتھ ایک تصویر بھی حاصل کی۔انٹرویو سے فارغ ہو کر ہم Tent Embassy گئے اور وہاں کے منتظمین سے الوداعی ملاقات کے بعد روانگی کیلئے ائرپورٹ آگئے۔ہمیں رخصت کرنے کیلئے صدر کونسل' سابق چیف منسٹر' کونسل کے دو اراکین اور نوجوانوں کی نمائیندہ بھی آئی ہوئیں تھیں۔کونسل چیف کوآرڈینیٹر نے ہمیں روانگی کے وقت تحائف پیش کئے اور ان تمام حضرات نے ہماری روانگی

کے وقت ائر پورٹ کے Apron سے ہاتھ ہلا کر ہمیں خدا حافظ کہا اور یوں الحمدللہ ہمارا یہ انتہائی کامیاب دورہ اختتام پذیر ہوا۔ سڈنی پہنچنے کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہاں مقامی طور پر شائع ہونیوالے اخبارات میں ہمارے آرٹیکل اور انٹرویو انتہائی موثر انداز میں شائع ہوئے۔

رپورٹ دورہ جزیرہ نورفولک آسٹریلیا 23 اگست 2019ء تا 30 اگست 2019ء

محمد امجد خان (سابق انچارج جزیرہ نورفولک Norfolk. آسٹریلیا)

خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے نورفولک آئی لینڈ کے 2016ء کے گذشتہ انتہائی کامیاب دورے کے نتیجہ میں مقامی سربراہان۔ انتظامیہ اور مقامی آبادی سے مضبوط روابط قائم ہوئے اور پہلی مرتبہ جزیرہ پر جامع انداز میں اسلام احمدیت کا پیغام پہنچا تھا۔ اس دورہ کی رپورٹ پر حضور انور ایداللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا۔ واضح رہے کہ جزیرہ پر ایک بھی مسلمان نہیں اور نہ ہی وہاں پر ابھی تک جماعت کا قیام عمل میں لایا جا سکا ہے۔ وکالت تبشیر کی طرف سے اطلاع ملی تھی کہ 1994ء میں یہاں ایک بیعت ہوئی تھی مگر مرکز کی طرف سے اس کا نام، پتہ یا رابطہ میسر نہ ہونے کی وجہ سے اور انتہائی کوشش اور تلاش کے باجود اس بات کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ البتہ یہاں کی Council of Elders کے صدر جناب Albert Buffett صاحب نے ایک وفد کے ہمراہ جولائی 2016 میں لندن جا کر مکرم سر ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب سے جزیرہ کے سیاسی، معاشی اور انسانی حقوق کے حوالہ سے ملاقات کی تھی۔ الحمدللہ ان سے ہمارا مسلسل رابطہ اور مضبوط تعلق ہے۔

حضور انور ایداللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کے ارشاد کی تعمیل میں، وکالتِ تبشیر لندن کی ہدایات اور مکرم ومحترم جناب امیر صاحب آسٹریلیا کی راہنمائی میں

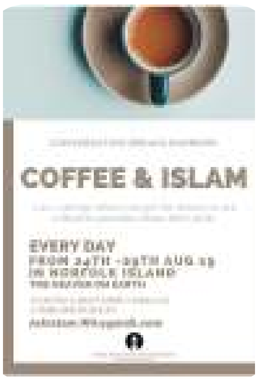


امسال 23 اگست 2019ء تا 30 اگست 2019ء خاکسار محمد امجد خان نگران نورفولک آئی لینڈ، مکرم امام کامران مبشر صاحب مربیء سلسلہ اور مکرم انجم قیصرانی صاحب پر مشتمل وفد نے جزیرہ کا دورہ کیا دورہ سے قبل وفد کے اراکین نے حضور انور کی خدمت میں دعا کے لئے خطوط تحریر کئے اور روانگی سے قبل خاکسار کو مکرم ومحترم جناب امیر صاحب آسٹریلیا نے اس سلسلہ میں جو نصائح اور ارشادات فرمائے ان کی روشنی میں دورہ کے لئے ایک جامع پروگرام ترتیب دیا گیا۔

گذشتہ دورہ کی طرح حضور انور ایداللہ تعالیٰ کی دعاؤں کے طفیل اس مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے نظارے دیکھنے کو ملے۔ الحمدللہ ہمارے وفد میں شامل خادم مکرم انجم قیصرانی صاحب نے وقف عارضی کی غرض سے جو رقم کرایہ پر اپنی جیب سے خرچ کی اللہ تعالیٰ نے اس سے زائد رقم کسی اور ذریعہ سے ان کو لوٹا دی۔ روانگی سے قبل خاکسار نے اس جزیرہ کی سب سے بڑی نمائندہ تنظیم Council of Elders کے صدر جناب Albert Buffett اور مقامی اخبار کی ایڈیٹر کو اپنے دورے کی غرض وغائیت سے آگاہ کر دیا تھا اور بتایا تھا کہ ہماری آمد کا مقصد جزیرہ پر مقیم تمام افراد کو اسلام احمدیت کا تعارف اور اسلام سے متعلق پھیلائے جانے والے منفی پراپیگنڈہ اور غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے نیز احمدیہ مسلم کمیونٹی کی انسانیت کیلئے خدمات سے متعلق آگاہی فراہم کرنا ہے۔ اس وجہ سے ان دونوں شخصیات نے ہم سے ملاقات کا وقت مقرر کر دیا تھا۔

23 اگست بروز جمعہ: نورفولک ائر پورٹ پر اترنے کے بعد آسٹریلین فیڈرل پولیس کے افسر نے امام کامران مبشر سے سوال کیا کہ آپکے سامان میں اتنی زیادہ کتب کیوں ہیں اور آپ یہاں کیوں آئے ہیں تو امام صاحب نے جواب دیا کہ میں مسلم مشنری ہوں۔ عیسائی مشنری یہاں کس لئے آتے ہیں میں بھی بطور مسلم مشنری یہاں لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے آیا ہوں۔ آفیسر نے کہا کہ یہ فیصلہ تو یہاں کے Elders کریں گے کہ تمہیں اس کی

اجازت ہے یا نہیں جس پر اس کو جواب دیا گیا کہ ہمارے پہلے ہی ان کے ساتھ بہت اچھے تعلقات ہیں تو پولیس آفیسر نے کہا.Good luck اپنی قیام گاہ پر پہنچتے ہی خاکسار نے مقامی اخبار کی ایڈیٹر سے رابطہ کر کے اس کو ہمارا Cofee & Islam پمفلٹ اخبار میں شائع کرنے کی درخواست کی تا کہ تمام مقامی آبادی کو ہماری جزیرہ پر آمد اور دورے کے مقصد سے آگاہی ہو جائے۔اس کے بعد محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس ہی روز ہمارے وفد نے جزیرہ پر تاریخ میں پہلی مرتبہ اذان اور نماز جمعہ کی ادائیگی کی تاریخ رقم کی۔اخبار کی ایڈیٹر نے ہمارے پمفلٹ کو جمعہ کی رات کو ہی شائع کر دیا اور یوں خدا کے فضل سے ہماری آمد کے ساتھ ہی تمام جزیرہ میں اسلام کا تعارف اور ہر قسم کے سوالات کے جواب کے حصول کی براہ راست پیشکش کا اعلان ہو گیا۔اخبار کی ایڈیٹر نے ہم سے درخواست کی کہ اپنے دورے کے اختتام پر اسکی مکمل روئداد اس کو اخبار میں شائع کرنے کے لئے فراہم کریں۔



24 اگست بروز ہفتہ: صبح کو ہماری Council of Elders کے صدر جناب Albert Buffett سے ملاقات ہوئی ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے ہم نے ان کو بتایا کہ ہم اس بار جزیرہ کے تمام افراد سے رابطے کی خواہش رکھتے ہیں۔انہوں نے ہمیں اس سلسلہ میں کونسل کے کوآرڈینیٹر Mr. Greg Magri سے رابطہ کرنے کو کہا اور بتایا کہ وہ اس سلسلے میں آپ کی مدد اور تعاون کریں گے دوپہر کو Council of Elders کے روح رواں اور جزیرے کے تمام لوگوں کی ہر دل عزیز اور جانی پہچانی اس شخصیت سے ظہرانے پر ملاقات ہوئی اور آئیندہ کی حکمتِ عملی طے کی گئی۔

25 اگست بروز اتوار: صبح کے وقت نورفولک کی ایک اور اہم ترین سیاسی اور سماجی تنظیم کے سربراہ سے انفرادی ملاقات کی گئی انہوں نے اگلے روز اپنی تنظیم NIPD کی مجلس عاملہ سے ملاقات کی دعوت دی۔بعد ازاں جزیرہ کے ریڈیو Pine FM 99 کے مینیجر سے مل کر اسلام احمدیت کے تعارف کے لئے امام کامران مبشر صاحب کے انٹرویو کیلئے اگلے روز کا وقت مقرر کیا گیا۔دوپہر کے کھانے کے بعد جماعتی پمفلٹس جن میں Cofee & Islam the Religion of Peace , The Holy Quran- Islam اور The Holy Prophet of Islam کے علاوہ جماعت کے بنیادی تعارف اور بعض اعتراضات کے مختصر جوابات پر مشتمل مقامی ضروریات کے مطابق تبلیغ کیلئے ایک پمفلٹ تیار کیا اور پرنٹ کروا کر لفافوں میں ڈالا تا کہ ہر گھر کے لئے پوسٹ کر دیا جائے۔

26 اگست بروز سوموار: اللہ تعالیٰ کے فضل سے صبح 8:30 پر مقامی ریڈیو پر امام کامران مبشر صاحب کا 20 منٹ سے زائد انٹرویو براہ راست نشر کیا گیا جس کے دوران انہوں نے سوالات کا جواب دیتے ہوئے انتہائی خوبصورت اور جامع انداز میں ہمارے دورے کے مقاصد،اسلام احمدیت کا بنیادی تعارف،دنیا بھر میں جماعت کی خدمت انسانیت اور اسلام کے پیغام امن ومحبت کو بیان کیا۔انٹرویو کے بعد ریڈیو سٹیشن کے مینیجر کو قرآن کریم اور دیگر جماعتی کتب کا تحفہ پیش کیا گیا۔بعد ازاں ایک مقامی ریسٹورنٹ میں مقامی لوگوں سے ملاقات میں جماعتی تعارف ہوا۔دوپہر کے کھانے کے بعد پولیس سنٹر جا کر پولیس کے مقامی سربراہ سے ملاقات کی گئی اور ان کو قرآنِ کریم اور دیگر جماعتی کتب پیش کی گئیں انہوں نے ہماری آمد کا مقصد جان کر مشورہ دیا کہ اپنے دورے کی تفصیلی رپورٹ مقامی اخبارات میں ضرور شائع کروائیں۔ملاقات سے فارغ ہو کر پوسٹ آفس جا کر جزیرہ کی تمام آبادی کو انکے پوسٹ بکس کے ذریعہ اسلام احمدیت کا تعارف اور عقائد پر مبنی 2600 پمفلٹس کو 925 لفافوں میں بند کر کے پوسٹ کیئے گئے اس طرح ڈاک اور معزز شخصیات سے بالمشافہ ملاقات کے ذریعہ کل 2650 کے قریب پمفلٹس ،جماعتی کتب اور قرآن کریم نورفولک کے لوگوں تک

پہنچائے۔

شام 6:30 بجے NIPD کے صدر اور انکی مجلس عاملہ کے اراکین سے انتہائی اہم میٹنگ ہوئی۔ابتداء میں امام کامران مبشر صاحب نے اپنے وفد کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ ہمارے دورے کا مقصد اسلام احمدیت کے بارے میں بنیادی معلومات۔اسلام پر کیئے جانے والے اعتراضات اور منفی پراپیگنڈا کا جواب دینا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے جماعت کی طرف سے خدمتِ خلق کے پروگرامز بالخصوص احمدی ڈاکٹرز کی طرف سے بلا معاوضہ خدمات کی پیشکش کی۔ خاکسار نے NIPD کی مجلس عاملہ کو بتایا کہ ہم مستقبل میں تبلیغ اسلام کی غرض سے بار بار آنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے علاوہ خاکسار نے تمام اراکین کو جلسہ سالانہ آسٹریلیا میں شرکت کی دعوت بھی دی NIPD کی مجلس عاملہ نے خاکسار کو نورفولک کے سیاسی اور اقتصادی حقوق کی پامالی اور اقوام متحدہ میں انکی جدوجہد سے متعلق ایک رپورٹ مکرم ڈاکٹر سرافتخار ایاز صاحب کو ارسال کرنے کی درخواست کی اور اس کے لئے مواد فراہم کیا۔بعد ازاں فریقین نے ایک دوسرے کا شکریہ ادا کیا اور ہماری طرف سے صدر NIPD کو قرآن کریم اور دیگر کتب کا تحفہ پیش کیا گیا۔

27 اگست بروز منگل: صبح 7:30 بجے نورفولک چیمبرز آف کامرس کی صدر اور ایک ممبر کے ہمراہ تفصیلی ملاقات ہوئی ان کو جماعت کا تعارف اور احمدی ڈاکٹرز کی طرف سے بلا معاوضہ مقامی لوگوں کی خدمت سے متعلق پیش کش سے آگاہ کیا جس کو انہوں نے بیحد سراہا علاوہ ازیں جزیرہ کی تجارتی اور معاشی صورت حال اور مقامی ہسپتال کی کارکردگی بہتر کرنے کے حکومتی اقدامات پر بات ہوئی۔ملاقات کے اختتام پر ان کو جماعتی کتب اور تحائف پیش کئے گئے۔شام چار بجے نورفولک ہسپتال کی سربراہ اور اعلیٰ انتظامیہ سے ملاقات ہوئی۔میٹنگ میں جماعت کا تعارف اور احمدیہ میڈیکل ایسوسی ایشن کی بلا معاوضہ انسانی خدمات کی فراہمی کی پیشکش کی گئی۔انہوں نے اس کو سراہتے ہوئے احمدیہ میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر سے رابطہ کرانے کی درخواست کی تا ان سے تفصیلی گفتگو کے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدؐ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے
دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

بعد آئیندہ کا لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔

رات کو Council of Elders کے چیف کوآرڈینیٹر Mr.Greg Magri کو ہم نے اپنی قیام گاہ پر کھانے کی دعوت دی کھانے کے بعد ہم نے ان کے سامنے نماز با جماعت ادا کی۔نماز سے وہ انتہائی متاثر ہوئے اور انتہائی جذباتی انداز میں کہا کہ مجھے آپکی عبادت کے الفاظ تو سمجھ میں نہیں آئے مگر میں نے اپنی تمام زندگی میں اتنے متاثر کن الفاظ پر مشتمل اور دل اور روح کو انتہائی اطمینان اور سکون بخش عبادت نہیں دیکھی۔جو سکون اور اطمینان مجھے آج میسر آیا ہے وہ کبھی نہیں ملا۔وہ بار بار ان الفاظ کو دہراتے اور ہمارا شکریہ ادا کرتے رہے۔بعد میں چائے پر انکے ساتھ ایک طویل اور انتہائی کامیاب تبلیغی نشست ہوئی۔

28 اگست بروز بدھ: صبح کو مقامی کتب خانہ اور دستکاری کے مرکز میں ملاقات کے دوران Mr. Greg نے بتایا کہ آپ کی طرف سے اخبارات میں تبلیغی اشتہار کی اشاعت اور بذریعہ ڈاک تمام آبادی کو تقسیم کئے گئے لٹریچر سے متعلق لوگوں کا ردعمل آنا شروع ہو گیا ہے۔سوشل میڈیا پر بعض

تبصرے مخالفت میں بھی ہیں مگر زیادہ تر موافقت میں ہیں اور یہ بات ان کے لئے خوشگوار حیرت کا باعث ہے۔انہوں نے مزید بتایا کہ سوشل میڈیا پر اسلام احمدیت سے متعلق تبصروں کا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے۔اس کے بعد ہم نے مقامی اخبارات میں اشاعت کے لئے اسلام احمدیت کے مختصر تعارف اور جزیرے میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں پر مبنی ایک مضمون بذریعہ ای میل بھجوا دیا اس کے بعد جتنے لوگوں سے بھی ہماری ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ آپکے ارسال شدہ پمفلٹ ہمیں مل گئے ہیں۔

29 اگست بروز جمعرات: صبح کو ایک ریسٹورنٹ میں Cofee& Islam کے تحت انفرادی مذاکرے ہوئے رات کو Mr.Greg Magri نے کھانے کی دعوت پر مدعو کیا تھا۔انکے گھر پر ہم نے ان کو سورۃ فاتحہ بمعہ انگریزی ترجمہ کا ایک خوبصورت فریم بطور تحفہ پیش کیا اور نماز مغرب اور عشاء ادا کی اس مرتبہ بھی وہ نماز کی ادائیگی دیکھ اور سن کر بیحد متاثر ہوئے اور مشکور ہوئے ایک اور خوشی کی بات یہ تھی کہ Mr.Greg کو ہم نے تین سال قبل قرآنِ کریم کا جو تحفہ دیا تھا اسکو انہوں نے اپنے Guest Launge میں ایک میز پر ایک انتہائی خوبصورت Mat جو انہوں نے خود بنا تھا پر سجایا ہوا تھا۔ان کا کہنا تھا کہ جو بھی مہمان انکے گھر آتا ہے وہ ضرور قرآن کے بارہ میں سوالات کرتا ہے۔اور میں اکثر باہر جا کر درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر قرآن کے ترجمہ کا مطالعہ کرتا ہوں۔

30 اگست بروز جمعہ: خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارا یہ انتہائی کامیاب دورہ اختتام پذیر ہوا جس کے دوران جزیرے کی تمام اہم ترین شخصیات سے جماعت کے تعارف کے حوالہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اخبارات اور ریڈیو پر اسلام کے پیغام کی اشاعت ہوئی۔جزیرے پر تاریخ کا پہلا جمعہ ادا کیا گیا اور سب سے بڑھ کر جزیرہ کے تمام افراد اور گھروں تک اسلام احمدیت کا پیغام پہنچایا گیا۔الحمد للہ علیٰ ذالك۔

❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁❁



قلزمِ فطرت

عبدالسلام صاحب اختر ایم۔ اے

قلزمِ فطرت میں جھانک اور کوئی اک گوہر نکال
جو زمیں سے عرش تک چھا جائے وہ پیکر نکال

خانۂ دل کو ہوس کی علتوں سے پاک کر
اے دلِ بیدار۔ دل سے یہ بُتِ کافر نکال

وادی و صحرا میں ذروں کی جگہ غنچے بکھیر
دیدہ و دل میں گل و لالہ اُگا۔ پتھر نکال

آچکا ہے انتظامِ جام و مئے پر انقلاب
ساقیا! ساغر زمیں پر پھینک اور خنجر نکال

کشتِ ایماں پھل نہیں دیتی بجز خونِ جگر
کوئی شے سیم و جواہر سے بھی کچھ بڑھ کر نکال

ارضِ مصر و شام پر امڈے ہوئے بادل ہٹا
سینہ کشمیر میں ڈوبا ہوا نشتر نکال

اخترؔ خوش ذوق ہے ناز و وفائے اہلِ دل
قدر کر۔ اس کے لئے صورت کوئی بہتر نکال

(الفرقان ربوہ، مارچ 1960ء)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁❁❁



قصہ درد سنانے والا شاعر۔ طاہر مجید

رانا عبدالرزاق خان



طاہر مجید ایک ایسے ماحول کا باسی رہا ہے جہاں ظلم اپنی داستان کو ہزار رنگ دینے کے باوجود مظلوم کی آہوں سے شکست کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور مظلوم زخم خوردہ ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر کی توانائیوں کو سمیٹ کر سینہ سپر نظر آتا ہے۔ وہ ایک ایسی روشنی کا منتظر بھی ہے جو اس پیغام کے ساتھ طلوع ہو کہ ظلمت کا نصیب مٹ جانا ہے اور روشنی کی قسمت میں سربلندی اور سرفرازی ہے۔ اُمید کی اسی کرن کے ساتھ، اپنے لوگوں اور اپنی جنم بھومی سے بچھڑ جانے کا غم اس کے اشعار میں لو دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس المیئے کا ادراک صرف انہیں لوگوں کو ہوسکتا ہے جو اپنی خوشی سے نہیں بلکہ حالات کی ستم ظریفی کا شاخسانہ بن کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے یا مجبور کر دیئے گئے۔ ان کے غم، خوف اور تشویش کے پہلو عام روش سے ہٹ کر سامنے آتے ہیں طاہر مجید اسی المناک صورت حال سے دوچار ہے

پھر آج مری نیند اُڑی ہے اسی ڈر سے	کچھ دن سے کوئی خط نہیں آیا مرے گھر سے
اب لوٹ کے گھر جانے کا امکان بھی کم ہے	میں دور، بہت دور نکل آیا نگر سے

پھر اسی تشویش اور خوف کے عالم میں وہ اندوہناک مناظر بھی اس کے سامنے آتے ہیں جب وہ خود ظلم اور بربریت کا شکار تھا اور سارا ماحول خوف کے سائے میں لرز رہا تھا۔

اب تک بھی لپکتے ہیں مری سمت وہ شعلے	نکلے تھے جو اک دن مرے جلتے ہوئے گھر سے
ایسی گھٹن کہ لفظ نہ نکلیں زبان سے	آنے لگا ہے خوف خود اپنے مکان سے
مسجد بھی آ گئی ہے بموں کی لپیٹ میں	اُٹھتی ہیں اب تو خوف کی لہریں اذان سے

ان خوف کی لہروں، بموں کی لپیٹ اور گھٹن میں زندگی کے المناک شب ...... بسر کرنے والا شاعر اپنے وطن کی مٹی سے وابستگی کا کوئی ایک شائبہ بھی اپنے ...... محو نہیں کرسکا، وہ اُسی لگاؤ اُسی لگن کے ساتھ اپنے وطن کو یاد کرتا ہے۔

چھوڑ کر جاتے ہیں جو کچھ لوگ اپنے گاؤں کو	وہ ترستے ہیں ہمیشہ پھر اسی کی چھاؤں کو
دشمنوں کی قید سے طاہر نکل آیا تھا میں	باندھ رکھا ہے مری مٹی نے میرے پاؤں کو

وطن کی مٹی کی یہی کشش اس کے اندر وہ توانائی پیدا کرتی ہے اور امنگ اور امید کا وہ جوہر اس کی ذات میں نمودار ہوتا ہے، جس کی بدولت وہ ہر کٹھن منزل کو سر کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے اور اسی کی بدولت وہ جلتے ہوئے گھر کے شعلوں، رستے ہوئے زخموں اور خوف و ہراس کی یادوں کو پس پشت ڈال کر اپنی منزل کی لگن میں رواں دواں دکھائی دیتا ہے:

طاہر میں چلا جاتا ہوں منزل کی لگن میں	یہ شوق کہ رکنے نہیں دیتا ہے سفر سے

اور پھر وہ کس جرات کے ساتھ اعلان کرتا ہے:

روشنی مجھ سے چھیننے والو	میرے گھر میں ابھی اجالا ہے
چہچہاتے ہیں پرندے، صبح اب آنے کو ہے	ظلمتِ شب مر چکی، پہلی کرن کے خوف سے
جھوٹ سچ کی ایک ہی پہچان ہے طاہر مجید	سچ کبھی چھپتا نہیں دار و رسن کے خوف سے

سچ کی ہمت اور بے خوفی کا دنیا نے یہ منظر تو بارہا دیکھا ہے کہ سچ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے، اسے دربدر کیا گیا، اس پر آگ برسائی گئی، ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، اس کی شکست وریخت کے سارے سامان اکھٹے کر کے اُس پر یلغار کی گئی، اُس کو کمزور سمجھ کر لتاڑا گیا، اُس کا جینا دوبھر کر دیا گیا، لیکن سچ پھر بھی زندہ رہا، وہ پھر بھی رواں دواں رہا، اُس پر ایک دروازہ بند ہوا تو ہزاروں، لاکھوں دروازے وا ہوئے، اس پر برسائی ہوئی آگ گلزار ہوگئی، ظلم کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے، فلک بوس محل زمیں بوس ہو گئے، سچ تنہا تھا لیکن ایک جمِ غفیر اس کے گرد جمع ہو گیا، سچ کی آواز کو دبایا گیا، لیکن وہ وقت بھی آیا جب زمین کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک اس کی آواز کے پرچم لہرائے گئے۔ یہ معرکہ جھوٹ اور سچ، حق اور باطل، ظلم اور انصاف، تنگ نظری اور رواداری، بربریت اور انسانیت کے درمیان ہمیشہ برپا رہا اور نتیجہ ہمیشہ ایک ہی رہا، سچ کی جیت ہوئی اور جھوٹ ہار گیا۔ طاہر مجید اسی ازلی اور ابدی سچ کی ڈور تھامے ظلم کے رکھوالوں کو سچ کی جیت کی ایک پرانی کہانی سناتا ہوا نظر آتا ہے جو ہر دور میں دہرائی جاتی رہی:

اُن کا تکبر اُن کو مبارک ہمیں ہماری مجبوری	لیکن ہر فرعون کو آخر موسیٰؑ نے مغلوب کیا

اس کے ساتھ ماں کی محبت کا حوالہ دے کر وہ محبتوں کا درس بھی دیتا ہے:

نفرتوں کے سلسلے پیدا نہ ہوتے پھر کبھی	سب کول جاتے اگر جو دل ملے ہیں ماؤں کو

اپنوں سے بچھڑ جانے کا غم، اپنے وطن کی مٹی سے پیار اور سچ کی جیت کا مژدہ سنانے کا انداز طاہر مجید کی شاعری کا ایسا غالب عنصر ہے جو اس کے معاملات دل ونظر پر بھی حاوی نظر آتا ہے۔ اس میں بھی ایک کسک ایک المیے کی لہر ہر شعر کے بطن میں لرزاں نظر آتی ہے جسے وہ فنی پختگی اور شعری آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے:

تجھ سے ملے ہوئے بھی زمانے گذر گئے	طاہر خود اپنے آپ سے بھی کتنا دور ہے
الجھ گئے ہیں کچھ ایسے معاملے دل کے	اداس اور بھی ہم ہو گئے تجھے مل کے
ہر تختی پر نام تو تیرا لکھا تھا	بھول گیا ہوں کس کو ڈھونڈنے نکلا تھا
یہ بھی رات اسی کو چنتے گذری ہے	دن بھر جو میں ریزہ ریزہ بکھرا تھا
صبحِ امید آ گئی طاہرؔ	کوئی آیا نہیں صبا کی طرح

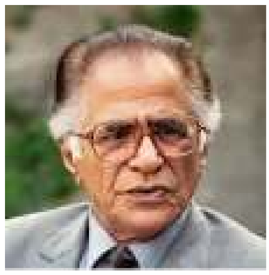


رشید قیصرانی۔

طاہر مجید اردو ادب میں اپنی ایک علیحدہ شناخت رکھتا ہے جس کا حوالہ بطور خاص تاریخِ پاکستان کے وہ خونی ابواب ہیں جو کچھ لوگ متواتر رقم کرتے رہے ہیں۔ ان خون میں لتھڑے ہوئے ابواب میں سے ایک باب کا مختصر مگر جامع جائزہ ہمیں طاہر مجید

کے اشعار میں ملتا ہے۔میں ان تعارفی کلمات کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ وہ رحیم وکریم خدا جس نے انسان کی شرفِ انسانیت سے وابستہ اقدار کی مکمل ترویج کے لئے دونوں جہانوں کے لئے رحمت کا پیغام دے کر فخرِ انسانیت کو مبعوث فرمایا، وہی قادرِ مطلق خدا میری اس سرزمین پر بسنے والے لوگوں کو بھی محبت، رواداری، انصاف اور حسنِ سلوک کی راہوں پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ میرے وطن کے چہرے پر لگے ہوئے خون کے دھبے مٹ جائیں اور یہاں عظمتِ انسانیت کا پرچم پاکستانی پرچم کے ساتھ لہراتا ہوا نظر آئے۔

احمد ندیم قاسمی



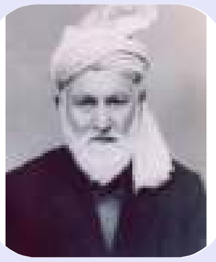
طاہر مجید کی شاعری میں بچھڑنے کی مختلف کیفیات کا اظہار فنی سلیقے سے ہوا ہے۔ یہ وطن سے بچھڑنا ہو یا ماں باپ سے بچھڑنا یا پھر محبوب سے بچھڑنا، ہر صورت حال سے طاہر مجید سراسر فنکارانہ انداز سے نمٹتا ہے۔ایک پاکستانی شاعر جب المانیہ میں بیٹھ کر غزل یا نظم کہے گا تو اس کے ہاں وطن سے دوری ایک گمبھیر درد بن کر اس کے فن میں سرایت کر جائے گی۔درد کی یہ لہر طاہر مجید کے ہاں بعض مقامات پر نمایاں، مگر بیشتر مقامات پر اس کے باطن میں رچی ہوئی ہے اور اسی لیے اس کی غزل میں (اور بعض نظموں میں بھی) یہ درد نبض کی طرح لرزاں محسوس ہوتا ہے۔عالمی ادبی تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں جب معروف شعرا (اور ادبا) اپنا وطنِ مالوف چھوڑ کر دوسرے ممالک میں جا بسے مگر طاہر مجید کی جلاوطنی اس لحاظ سے چونکاتی ہے کہ اس نے دوسرے ملک میں سکونت اختیار کر کے بھی اپنے پاؤں پر سے وطن کی گرد نہیں جھاڑی۔وفا اور استقامت کی یہ نعمت کم جلاوطنوں کو نصیب ہوئی ہے۔

یادِ قادیان

کیپٹن ملک خادم حسین صاحب پنشنر

میں بھی چھیڑوں داستاں یادِ قادیاں
یا الٰہی! دے زباں قادیان
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے ذرا
سرزمین و آسماں قادیان
سنکھ ہو ناقوس یا بانگِ جرس
سب سے بہتر ہے اذاں قادیان
کھینچ گیا نقشہ ''ذبحِ عظیم''
اللہ اللہ! امتحان قادیان
دے شفا تجھ کو خداوندِ کریم
میرے آقا! پاسبان قادیان
اے خدا! اے قادرِ مشکل کشا
سب کو لے چل درمیان قادیان
آرزو ہے یہ جبینِ شوق کی
ہم بھی دیکھیں آستانِ قادیان
پاسباں ہے پرچمِ توحید کا
یہ منارہ! یہ نشانِ قادیان
دھیرے دھیرے منزلِ مقصود کو
بڑھ رہا ہے کاروانِ قادیان
یاد پھر آنے لگی بزمِ حبیبؐ
دیکھو یہ عاشقانِ قادیان
تو انہیں چشمِ حقارت سے نہ دیکھ
ان سے وابستہ ہے شانِ قادیان
گردشیں ان کو مٹا سکتی نہیں
زندہ ہیں یہ کشتگانِ قادیان
نسخۂ وصلِ خدا کیا چیز ہے؟
جانتے ہیں رازدانِ قادیان
یہ دعا ہے خادمِ مہجور کی
خوش رہیں سب ساکنانِ قادیان

(الفرقان ربوہ، ستمبر 1960ء)



بہ یادِ
محترم عبدالرحمن صاحب خادم

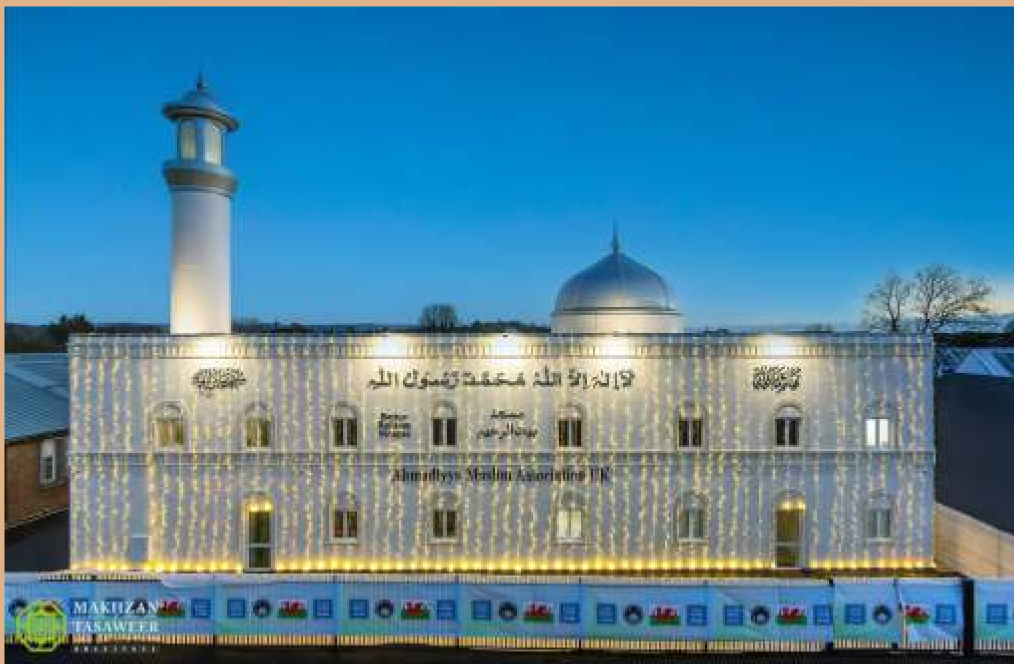
نتیجہء فکر
جناب قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی پشاور

عبدِ رحمنِ مجاہد، عبدِ ربِ العالمین
امت حضرتِ محمدؐ خادمِ شرعِ مبین
تابعِ موعودِ احمدؑ۔ پیروئے قرآنِ پاک
احمدیِ باعمل نیکو سیر مردِ متیں
نوجوانِ صالح و پرہیز گار و پاک باز
نکتہ سنج و نکتہ دان و نکتہ گو باریک بیں
عالمِ دینِ متین و فاضلِ علمِ الکلام
بود در دستش قلم۔ مانندِ تیغِ آہنیں
بر صفِ اعدائے ملت حملہ آور ہچو شیر
مثلِ رویا پشت دادے لشکرِ اعدائے دیں
شیرافگن صف شکن مانندِ خالد دروغا
زان سبب خالد بنا میدش امیر المومنین
ہر کہ تقریرش شنید و آنکہ تحریرش بخواند
گشت مسرور و بگفتش مرحبا صد آفریں
آن وکیلِ احمدیت ساحرِ جادو بیاں
با دلائل با براہین محو کردے سامعیں
چوں ورا شد منقضی در ایں جہاں دورِ حیات
شد ندائے ارجعی از جانبِ عرشِ بریں
ناگہاں بیمار گشت و ماند پا بندِ سریر
چند مہہ بد مبتلا زیرِ علاجِ ماہریں
صحتش حاصل نہ گشت و جاں بہ جانانش سپرد
جانِ پاکش یافت جا در قربِ حق جاں آفریں
نہم ماہِ جمادیِ دوم و سہ شنبہ بود
یک ہزار و سہ صد و ہفتا و ہفت از ہجر بیں
ای خدا بر روحِ خادم رحم کن عفوش نما
عاقبت محمود گرداں مستقر خلدِ بریں
یوسف محزون گوید خادمِ دیں زندہ باد
شد قلوبِ احمدیان گرچہ از ہجرش حزیں

(جنوری 1958ء)

مبشر احمد صاحب راجیکی

رہِ حیات سے گزرے ہیں یوں بھی اہلِ شہود
قدم قدم پہ دعائیں قدم قدم پہ سجود
خدا سے مانگ، اگر شوق ہے ولایت کا
گلیمِ فقر سے پہلے جبینِ خاک آلود
طلسم خانہ ء مغرب میں کھو گئی دنیا
نہ اب وہ عشقِ محمدؐ نہ اب وہ ذوقِ درود
دلیلِ ہستیِ یزداں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ مہر و مہ یہ ستارے یہ آسمانِ کبود
کچھ اس پیار سے رکھا رہِ وفا میں قدم
لپٹ گئی میرے دامن سے منزلِ مقصود



مسجد بیت الرحیم، کارڈف یو کے



مسجد مبارک جرمنی



مسجد محمود، کینیڈا



مسجد سبحان، قادیان انڈیا